

**PAGES MISSING
WITHIN THE
BOOK ONLY**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224837

UNIVERSAL
LIBRARY

معاشرت

فلسفہ اخلاق کی ایک دروبے بہا کتاب

ہے

مالیناب معالی نقائب اب میر اسد علی خان بہادر دام اقبال رئیس مگن پٹی ضلع کوٹلہ
نے

انگلستان کے نامور ریفاہی سر جان لیک کی کتاب "یوز آف لائف"

سے فصیح و بلیغ اردو میں نہایت ہی حسن و خوبی سے ترجمہ کیا

اور

ناکسار حکیم محمد سراج الحق بنجر اور پرنٹرز و پبلشرز ولگداز نے

۱۹۱۲ء میں

ولگداز پریس بمبئی محلہ کٹرہ بزن مگن پٹی چھپوائے

شائع کیا

مکمل حقوق محفوظ ہیں -

دگلدار دگلدار دگلدار

۸۸۸ سے مولانا مولوی محمد عبدالحکیم صاحب شہر کی ایڈیٹری میں نکل رہا ہے۔ ہفت روزہ میں تیرہ شہریا کسی چشم فغان کی نگاہ نازین جوں میں اترتی اور دل ہی دل میں رہ جاتی ہیں اس ہفت روزہ کو ادبی و تاریخی مضامین ہوتے ہیں ہفت سال پر مولانا شہر کا ایک مکمل مرتب ناول خریداران دگلدار کو مفت دیا جائے گا۔ ہفت روزہ ایک وسیع دائرہ سالانہ مع محصولات اک - نمونہ اگر - کہ ٹکٹ نہ آئے تو ہر ٹکٹ وائے ہوتا ہے۔ اس طرح جو حضرات نہ پہنچے تھے شکایت کر کے سابق کرپچر طلب فرمائیں۔ انکو بھی اطمینان کے لیے وہ نمبر ہر ٹکٹ بھیجے جائے ہیں۔

مولانا شہر کی کتابوں کے نئے لائبریری ایڈیشن

نفیس مزاج اور فیاض قدر دانان علم کیلئے مولانا شہر کی نئی اور پرانی کتابیں بڑے اہتمام کے ساتھ واضح و روشن مسطورہ عمدہ چھپے کاغذ پر چھاپی جاتی ہیں جن کی نفاست دیکھنے کے قابل ہے۔ اس سلسلہ طبع کا نام لائبریری ایڈیشن رکھا گیا ہے۔ اس میں ناول بھی ہیں اور اعلیٰ درجہ کی تاریخی بھی جو حضرات پہلے سے اجازت دی تھیں انکا نام لائبریری ایڈیشن کے جبر میں درج کر لیا جاتا ہے۔ اور تیار ہوتے ہی ہفتہ عشرہ پہلے اطلاع کارڈ بھیجے کے بلا انتظار جواب دی۔ پی پیجید جاتی ہیں۔ مجلہ کتابوں کو خریدار نے اصل قیمت پر ہی جلد ۱۲ کے حساب سے اضافہ فرماتا ہے۔ اگر اعلیٰ ہذا کی بری گری منظور ہو تو فوراً لائبریری ایڈیشن کے رجسٹر میں اپنا نام درج کر اے۔

نمبر (۱) افسانہ نفیس - مجنون عامری کی لائف جواز	اگلے عہد شاہی کی ایک باغی تصویر کس کی
نمبر (۲) شہر کی جی ہے - محبت فی جلد	دھن کس کے ساتھ
نمبر (۳) قصہ و لہجہ - مشہور عاشق جو بے بس	نمبر (۴) غلو و فلو - آندیس کا سلاوی
نمبر (۵) اور اس کی مسرت و لہجہ کے حالات کو ایک نہایت بڑا	دور مسلمانوں کی برداشت اور مسیحیوں کا اہتمام
اور محبت ناول کا لباس بنایا گیا ہے۔ قیمت	نہایت دلچسپ اور نثر تاریخی ناول
نمبر (۶) شہر حسن بن صباح - بانی فرقہ باطنیہ کے	نمبر (۷) خواجہ معین الدین چشتی حضرت
حالات زندگی کی تعلیمیں اسکاظم فضل اور اس کے	تعلیم السند و اجہ امیری کے مستند تاریخی حالات
سرکشت خدائی قیمت	اور آپ کے کمالات
نمبر (۸) عطر قدیم - ایک نہایت مکمل اور سلیجی ہوئی	نمبر (۹) قلما نا - مولانا شہر کا بہت ہی پڑا
تاریخ جس میں حضرت قلی علی علیہ السلام سے پیشتر کی تمام قوموں	تاریخی ناول ارض طرابلس الغرب پر صحابہ کرام کا
اسرائیلیون - مصریون - اشیریا و بابل والوں - ایروپوں -	حضرت عثمان غنی کا دور و صحابہ کی پاکبازی و لہجہ
یونانیون - مقدونیون - رومیون - ساسانیون -	شاہراوی فلپانا ابو عبد اللہ شہر بن زہیر
اطالیہ سیدون - وغیرہ کے احوالی حالات ہیں۔ قیمت	المستمر حکیم محمد سرساج الحق - نیچر دگلدار لکھنؤ
نمبر (۱۰) اغاصادق کی شاوی - لکھنؤ	

checked 1978

ڈیڈ کیش

اس کتاب کو سن کمال ادب و عظیم سے اپنے مکرم
و محترم بھائی اور ملک کے عالیتر و عالیقدر جوان طالع
و جوان نخت میں عالیجناب علی القانجی ہنس نواب
سید غلام علی خان بہادر دام اقبالہ والی ریاست
بیکن پٹی کے واجب التعظیم نام نامی سے معنون
کرتا ہوں۔

ادب پیش میسر علی خان

دیباچہ از جانب مطبع

میں نہیں کہہ سکتا کہ کیسی مایوسیوں۔ کیسی ناکامیوں۔ کیسی نامرادیوں۔ اور کیسی آرزوں کے بعد بے ہمتی و معاشرت اس قابل ہوتی ہے کہ بیک کے مداحین پیش کی جائے۔ ایک عرصہ گزر گیا کہ عالی جناب علی القاب نواب میر اسد علی خان بہادر رئیس بگین پٹی ضلع کرنل نے جڑی محنت اور شوق سے اس کتاب کو جو کہ انگلستان کے مشہور و مستند عالم فلسفہ اخلاق سر جان لاک کی کتاب "یونٹ لائف" کا ترجمہ ہے مرتب فرمایا اور میرے پاس بھیجا کہ ترجمہ کی زبان میں جا بجا مناسب تصرف کر کے اسے شایع کروں۔ دو سو صفحوں تک کتاب چھپنے پائی تھی کہ تقدیر مجھے حیدر آباد دکن لے گئی پر پریس بند ہو گیا۔ اور مجھ سے کوئی صورت اس کی تکمیل کی نہیں بن پڑتی تھی۔ نواب صاحب موصوف بہرہ شکایت تھی۔ اور واقعی میں اس گناہ کا سخت جرم ہوں کہ ایک مسلمان رئیس کے علمی شوق اور مہذب مذاق کو مدت دراز تک حیرت و اذیت ڈال کے ان کا جوش پھیکا کر دیا۔ اور ان کی خدمت بجا لانے میں ایسی کوتاہی کی کہ ممدوح کا سامان لولہ جاتا رہا۔

اب اس زمانہ میں نواب صاحب ممدوح نے پھر یاد دہانی فرمائی اور روپیہ سے بھی ایسی مذہبی دکان کا دوپڑا شوق پورا ہوا۔ اور یہ کتاب مکمل ہو کے ملک کے سارے پیش ہو گئی جس کے اوراق خوب پتہ دین گئے کہ کہاں تک پہلے چھپے تھے اور کہاں سے اب اس زمانے میں طبع ہوئے۔

یہ امر مسلمانوں کی خوش آقبالی کی دلیل ہے کہ اس زمانے میں جبکہ ہمارے امیر زادوں اور رئیسوں میں نادولن کا ذوق حد سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ علمی کتابوں کی طرف مطلق توجہ نہیں کی جاتی تو میر اسد علی خان بہادر نے جو کہ سابق و مرحوم والی ریاست بگین پٹی کے فرزند و بلند ہین بجائے کسی ناول کے ایک ایسی کتاب کو ترجمہ کر کے لیے منتخب فرمایا جس سے زیادہ موجودہ انبائے وطن کو اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جبکہ ہمارے تمام رئیس زادے انگریزوں کی تقلید کے شوق میں ان کے ناپسندیدہ حرکات و سکنات کو اختیار کرتے چلے جاتے ہیں نواب صاحب ممدوح نے انگریزی کی ان خوبیوں کو لینا اور اپنے انبائے وطن کے سامنے

پیش کرتا چاہا ہو جو اہل مغرب کی ترقیوں کے اصلی اسباب ہیں۔ اور جن کے لحاظ سے خدا نے اُن کو ہم پر فوقیت دی ہے۔

سرجان لبک کے عام تصانیف انگریزی و ان پبلک مین اُسی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں جس نگاہ سے کہ ہمارے ہم وطن سعدی شیرازی کی گلستان و بوستان کو دیکھتے ہیں۔ انگلستان میں شاذ و نادر ہی کوئی گھر ملے گا جس میں اُن کی کتابیں اور خاصہ ”یوز آف لائف“ نہ ملے جس کا یہ ترجمہ ہے۔ گلستان بوستان میں بھی اخلاقی تعلیم دی گئی ہے۔ مگر سرجان لبک کی یہ کتاب بتاتی ہے کہ انسان کو کیونکر اپنی زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اور ہر اخلاقی معاملہ پر دنیا کے مشہور و معروف مصلحان قوم کے ایسے ایسے چھبے ہوئے اور دل پر نقش ہو جانے والے فقرے عمدہ ترتیب سے ایسی خوش اسلوبی اور حسن و خوبی کے ساتھ جمع کر دیے گئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے دنیا میں اس وقت تک عینی اخلاقی ترقی تمام تمدن قوموں کی کوششوں سے ہوئی اُس کا ست اور جو ہر نکال کے ایک چھوٹی شیشی میں بھر دیا گیا ہے۔ ہمارے بوڑھوں جو ان دنوں بچوں اور عورتوں کو عام اس سے کہ ہندو ہوں یا مسلمان یا کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں اس سے بہتر قانون اخلاق اور دستور العمل زندگی نہیں نصیب ہو سکتا۔ اور اس مناسبت سے جناب مترجم نے اس کتاب کا نہایت ہی مناسب نام ”معاشرت“ رکھا ہے۔

مجھے امید ہے کہ ملک میں اس کی بے انتہا قدر ہوگی۔ یہ امر بھی تھوڑی داد کا مستحق نہیں کہ نواب صاحب نے بہت ہی فصیح اور خوبصورت زبان میں ترجمہ فرمایا ہے۔ جو بالعمادہ ہے۔ ادا کمال یہ ہے کہ دلچسپ بھی رہی ہے۔ جو امر کہ ایسی تصنیفوں میں بہت دشواری سے حاصل ہوا کرتا ہے۔

اب میں پھر ایک بار عالی مرتبہ مترجم جناب میر اسد علی خان بابر سے معذرت خواہ ہو کے اس کتاب کو ملک کے پُر شوق ہاتھوں میں دیتا اور رخصت ہوتا ہوں۔

محمد عبدالحمید شکر

فہرست کتاب "معاشرت"

۱	صفہ	سب سے اہم مسئلہ	پہلا باب
۳۱	"	خوش سلیقگی یا شعور	دوسرا باب
۳۹	"	کفایت شعاری	تیسرا باب
۶۲	"	تفریح	چوتھا باب
۷۸	"	تندرستی	پانچواں باب
۹۵	"	قومی تعلیم	چھٹا باب
۱۱۱	"	اپنی تعلیم آپ	ساتواں باب
۱۲۶	"	کتاب خانہ	آٹھواں باب
۱۴۲	"	کتاب بینی	نواں باب
۱۴۹	"	حب وطن	دسواں باب
۱۶۴	"	تو وطن	گیارہواں باب
۱۸۷	"	اخلاقی زندگی	بارھواں باب
۲۰۶	"	محنت و مشقت	تیرھواں باب
۲۲۴	"	عقیدت	چودھواں باب
۲۳۵	"	امید	پندرھواں باب
۲۴۶	"	نیکو کاری	سولھواں باب
۲۵۶	"	چلن	سترھواں باب
۲۷۲	"	اطمینان و مسرت	اٹھارھواں باب
۲۸۶	"	دین	انیسواں باب



انسان کو جس امر کے سیکھنے کی سب سے زیادہ ضرورت ہو وہ یہ ہو کہ کیونکر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ انسان کو زندگی سے زیادہ کسی چیز کی فکر نہیں۔ اور پھر لطف یہ کہ اس سے زیادہ بے پروائی بھی کسی امر میں نہیں کی جاتی۔

یہ کوئی آسان معاملہ نہیں بقراط اپنی ایک ڈاکٹری کتاب **افوریزم** کی شروع میں لکھتا ہے: ”زندگی تھوڑی ہی۔ علم وسیع ہو۔ موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہو۔ تجربہ بغیر متیقن ہو۔ اور اس حالت میں کوئی رائے قائم کرنا دشوار ہو۔“

مسرت و کامیابی کا دار و مدار ہماری حالتوں پر نہیں بلکہ خود ہماری ذات پر ہو۔ غیروں کے ہاتھ سے برباد ہونے کی جگہ بہت سے لوگ خود اپنے ہی ہاتھ سے برباد ہوئے ہیں۔ جتنے مکانات اور شہروں کو طوفانوں یا زلزلوں نے ویران کیا ہو گا ان سے زیادہ خود انسان کے ہاتھ سے مسمار ہوئے ہیں۔ بربادی و طرح

عہ بقراط یونان کا نامی گرامی طبیب و حکیم تھا۔ جو علم طب کا موجد مانا جاتا ہے۔ حضرت مسیح ع ۴ برس

قبل پیدا ہوا اور ۳۳ قبل مسیح وفات پائی۔

ہوتی جو نہ مانے کے ہاتھوں۔ اور خود انسان کے ہاتھوں۔

جو بربادی انسان کے ہاتھوں ہوتی ہو وہ تمام بربادیوں سے زیادہ فوسس ناک ہو۔ اور بقول **سنیکا جلیم** کے انسان کا سب سے بڑا دشمن وہ ہو جو خود اُس کے سینے میں بیٹھا ہو اور لا بر و سیر کہتا ہو ”بہت سے لوگ اپنا زیادہ وقت دوسروں کو آزار پہنچانے میں صرف کرتے ہیں“ **لالی** کا قول ہو کہ اکثر اوقات جوانی کے پرشہوت خون سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جن کا خمیازہ بڑھاپے کی بوسیدہ بڑیاں بھگتی ہیں۔ اس لیے کہ بقول **لوشیان** کے ”جو گذر گیا اور ہو گیا اُسے نہ **قلو تو** بنا سکتا جو نہ اُتر و پوس بگاڑ سکتا ہو۔ انسان اپنے سے محبت کرتے ہیں مگر عقلمندی سے نہیں بلکہ بہت اچھی طرح سے۔ مجھے بعض اوقات الزام دیا گیا ہو کہ میں اس بات کا قائل ہوں کہ دنیا میں مسرت بقا بلالم کے زیادہ ہو۔ مگر میں نے زندگی کی دشواریوں اور اُس کے المون سے نہ کبھی انکار کیا۔ اور نہ کبھی اُن کی طرف سے غفلت کی۔ میں نے کبھی نہیں کہا کہ آدمی خوش ہیں۔ ہاں صرف اتنا کہا کہ وہ خوش ہو سکتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اُنھیں مسرت نہیں حاصل ہو تو عموماً یہ خود اُنھیں کی کوتاہی ہو۔ یا یہ مطلب سمجھا جاوے کہ جتنی مسرت سے ہم لطف اٹھا سکتے

عہ سنیکا روم کے مشہور اور مستند فلسفیوں میں ہو حضرت مسیح کا معاصر تھا۔ اُن کی ولادت سے تقریباً تین سال پیشتر پیدا ہوا۔ اور اُن کے ۶۵ سال بعد وفات پائی۔

عہ بر و سیر فرانس کا ایک مقبول ہندو مصنف ہو۔ جو سنہ ۱۶۶۷ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۷۱۷ء میں راہی عدم ہوا۔ **عہ لی** جن کا پورا نام جان لی ہو انگلستان کا ایک لائق مصنف تھا جس کے ڈراما کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ **عہ لکلائز** جو کہ عہد کا پورا ایک یہ شخص بھی تھا جو سنہ ۱۶۵۷ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۷۱۷ء کے قریب مرا۔ **عہ لوشیان** ایک یونانی مشہور فیلسوف تھا جس کا سنہ ولادت و وفات نہیں معلوم لیکن یہ مشہور ہو کہ اُس نے بہت عمر پائی اور دوسو برس کا ہو کے مرا۔

عہ اہل ایران نے قدیم زمانے میں ہر کام کے لیے اک دو تہا مقرر کر رکھا تھا چنانچہ ان میں سے ایک قلو تو اور ایک ۲

ہین اُس سے زیادہ مسرت تو ہم ضائع کر دیتے ہیں۔ اور اسی سے سارے ترذات پیدا ہیں۔ وٹیر کے ایک شعر کا ترجمہ ہو کہ ”تھنے اندو ہناک لفظ زبان یا قلم سے نکلتے ہیں اُن سب میں زیادہ اندو ہناک لفظ یہ ہیں کہ ”یہ ہو سکتا ہے۔“

بہت سے معاملات ہیں جس چیز کو ہم بُرا کہتے ہیں وہ اصل میں خوبی ہی ہے جو بُری طرح استعمال کی گئی یا اُس کے برتنے میں ہم حد سے بڑھ گئے کسی پیسے کی سی کیل کو بھی اُس کی ٹھیک جگہ اور موقع سے ہٹا دو تو ساری کل بگڑ جائے گی۔ اسی طرح اگر ہم اپنے آپ کو نظام عالم کی ترتیب سے علیحدہ کر دین گے تو ہمیں بھی اسی ہی خرابی کی امید رکھنی چاہیے۔ حد سے زیادہ شجاعت دیوانگی محنت کمزوری اور کفایت شعارِ حرص و طمع بن جاتی ہے۔ یہ ضربِ اشل ہے کہ جو چیز ایک آدمی کے لیے غذا ہو دوسرے کے حق میں زہر ہوتی ہے۔ اس بات کا دعویٰ کرنے کی کوئی جرات نہیں کر سکتا کہ نظام قدرت میں تغیر و تبدل ہونے سے کوئی فائدہ حاصل ہو گا۔ ایک شخص گر پڑتا ہے اور اُس کا پاؤں ٹوٹ جاتا ہے مگر اُس سے کشش زمین کے مسئلہ میں جو تغیر ہوتا ہو اُسے کوئی کسی قسم کی ترقی نہیں کہہ سکتا۔

اہلِ فارس مسرت کو ہر مزہ یعنی خدا کی روح کی طرف منسوب کرتے تھے۔

عمر و پوس بھی تھے۔ چیلے کے معنی زندگی کا تاج جوڑنے والے کے اور دوسرے کے معنی زندگی کا مار توڑنے والے کو ہیں جو کام کہ ان دیوتاؤں کی طرف منسوب تھے۔

عمر و پوس بھی یورپ کا ایک نامی شاعر ہے۔

عمر مطلب یہ کہ کسی چیز کی امید کرنے ہی سے سارے مدوات پیدا ہوتے ہیں جب ہمارے دل میں ہوتی ہے کہ یہ بات ہو سکتی ہے تو سمجھتے ہیں کہ ہو بھی جائے گی۔ پھر اس کے بعد جب وہ نہیں ہوتی تو دل کو صدمہ ہوتا ہے۔ لہذا اگر ہم کسی چیز کی امید ہی نہ کیا کریں اور یہ خیال ہی نہ کریں کہ ہوگی تو ہمیں کبھی کسی بات کا بھی صدمہ نہ ہو۔ مترجم۔

اور ریچ و تکلیف کو اس مہرمن کی طرف چسے وہ بدی کا شیطان خیال کرتے تھے مگر حقیقت میں دیکھو تو زندگی کی مصیبتوں اور تکلیفوں کو اپنے اوپر اپنی لغزشوں اور غلطیوں سے ہم خود ہی لاتے ہیں۔ و دونوں طرح کی لغزشوں سے۔ پہلی اُن افعال کا ارتکاب جن کو ہم ہر وقت بُرا جانتے ہیں۔ اور دوسری جن میں غالباً لوگ زیادہ مبتلا ہیں یہ کہ بُرے افعال کو نادمی سے بُرا نہ سمجھا۔ جہاں تک پہلی قسم کی غلطیوں سے تعلق ہو اُن سے بچنے کے لیے ہم نے اپنے سینوں میں ایک ایسا رہبر قائم کر لیا ہو جو کبھی خطا ہی نہیں کرتا۔ اگر اس پر بھی خطا کریں تو گویا ہم آنکھیں کھلی رستے پر بھی ضلالت کے گرٹھے میں گرتے ہیں۔ کیونکہ اگر ہم نے جان بوجھ کے آنکھوں کو نہیں بند کیا ہو اور وہ یونہی بند ہیں تو سمجھنا چاہیے کہ ہم بے عقلی سے کام کرتے ہیں۔ لیکن اُسے گناہ نہیں کہا جاسکتا۔

رہیں دوسری قسم کی غلطیاں اُن سے بچنے کے لیے ہمیں عقل اور دلیل سے مدد لینی چاہیے۔ ماں باپ۔ بزرگوں۔ اور دوستوں کی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ اپنی تعلیم اور خود اپنی ذات کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ تعلیم دراصل ہماری ہی ذات کا ایک حصہ ہی۔ ہم سب کے پاس ایک شاگرد ہو۔ اور وہ چاہے جس درجے اور جس لیاقت کا ہو مگر ہمیں ضرور ہو کہ اُسے سکھائیں اور تعلیم دیں۔

بمقابل اُن چیزوں کے جو ہم نے اور وہ سے سیکھی ہیں وہ باتیں ہماری زندگی سے

عہ باری لوگ جنہیں آتش پرست کا لقب دیا گیا ہو نیکی اور نور کا خالق یزدان کو اور بُرائی و گناہ اور ظلمت کا خالق ابہرمن کو سمجھتے تھے۔ یہ مذہب اگرچہ معلوم ہوتا ہو کہ قدیم الایام سے چلا آتا تھا مگر قرآن نے بالکل نئی اور دلچسپ ترتیب سے اُسے باضابطہ بنایا۔ اور اسی وجہ سے وہ اس مذہب کا بانی خیال کیا جاتا ہو۔

زیادہ وابستہ ہو جاتی ہیں جنہیں ہم نے خود اپنی ذات سے سیکھا ہے۔ جب ہم ہکول کو چھوڑتے ہیں اُس وقت تعلیم ختم نہیں ہو جاتی۔ ختم ہونا کیسا یہ بھی مشکل سے کہا جاسکتا ہے کہ اُس وقت سے تعلیم شروع ہوئی۔ پھر اس کے بعد زندگی بھر اُس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ **سنیکا کا حکیم** نے کہا ہے جس طرح لوگ ورزش کر کے بدن کو بنایا کرتے ہیں اگر اسی طرح ریاضت کر کے دماغوں کو ٹھیک کیا کرتے۔ اور جتنی دشواریاں مسرت حاصل کرنے کے لیے برداشت کرتے ہیں اتنی ہی تکلیفیں نیکی کے شوق میں برداشت کرتے تو کیا خوب ہوتا ۴

بعض قومیں تقدیر کی قائل ہیں۔ اُن کی نظر میں ہر چیز پہلے ہی سے معطر ہو چکی ہے۔ اور جو ہونا ہے ضرور ہوگا۔ عام اس سے کہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں۔ انسان اُن کے خیال میں کسی دوسرے محرک کے حرکت دینے سے کام کرتا ہے۔ یا یون کہیے کہ اُس اعلیٰ قوت خداوندی کے ہاتھ کا کھلونا ہے۔ اُس کا فیصلہ کرنے کے لیے پہلے اس پر غور کرنا چاہیے کہ دنیا میں زندگی اور جاندار ہونا کوئی چیز ہے یا نہیں۔ ہم اپنے جہاز کو زمانے کے سمندر کے پارے جابستے ہیں یا اس بات کے پابند ہیں کہ جدھر ہوا بہا لے جائے یہ جابستے ہیں؟

جواب صاف ہے۔ جو **جین پول رشتیر** نے دیا ہے کہ ”انسان انسان ہو لو اپنی قسمت کا مالک ہے“ اور اگر ایسا نہیں تو سمجھنا چاہیے کہ گناہ اور لغزش ہر وقت اُس کے دروازے پر کھڑی ہے۔ جو کچھ کہ تم ہونا چاہتے ہو وہی ہو۔ کیونکہ ہمارے مرضی اُس ذات واجب الوجود سے مل کے اس قدر قوی ہو گئی ہے کہ مثبت

جین پول رشتیر ایک جرمن فلسفی اور مصنف ہے۔ جو ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۹۵۲ء میں وفات پائی۔

کے ساتھ اور سچے ارادے سے ہم جو ہونا چاہیں وہی ہو جائیں گے۔
 اس صورت سے اگر یہ قدرت ہم اپنے انجام پر رکھتے ہوں تو ہمیں اپنے
 دل سے یہ نہایت ہی اہم سوال کرنا چاہیے کہ ہم کیا ہونا چاہتے ہیں۔ اور کیونکر
 ہم اپنی زندگی کو بہت زیادہ سرسبز بنا سکتے ہیں۔ بعض اشخاص زندگی میں کوئی
 غرض رکھتے ہیں اور بعض کی کچھ غرض نہیں ہے۔ ہماری پہلی غرض یہ ہونی چاہیے
 کہ اپنے آپ کو عمدہ اور جس کام کے قابل ہو سکتے ہوں اُس کے قابل بنائیں۔
 ہم بولٹ کہتا ہوں ہر شخص کا مقصود یہ ہے کہ اپنے قویٰ کو نہایت ہی اعلیٰ اور
 مناسب تربیت سے ترقی دے کے مکمل اور مستقل بنائے۔ **جین پول شتیر** کا
 مقولہ ہے کہ انسان کو حتیٰ الوسع اپنے تئیں بہتر بنانا چاہیے۔ ہم کو اپنے بہتر بنانے میں کسی
 قسم کی خود غرضی کا قصد نہ کرنا چاہیے۔ اور نہ ہمیں پیشتر ہی سے یہ خیال کر لینا
 چاہیے کہ ہماری قسمت میں ناکامی ہی لکھی ہوئی ہے۔ **بیکن** کہتا ہے انسان کی
 اس زیت کی یہ عمدہ غرض نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے ہی واسطے دولت جمع کرے
 بہتر اور زیادہ اُلو العزم لوگ جیسے **افلاطون**۔ **ارسطو**۔ **بڈھا**۔ اور
پولوس مقدس اس بات پر کبھی قانع نہیں ہوئے کہ اپنی ذات کو صرف
 اپنے ہی واسطے تکمیل کو پہنچائیں۔

اب میں اس بات کو مان لوں گا کہ ہمیں اپنی ذات کو اور رون کے لیے درست

ہم بولٹ ایک نہایت ہی با وقعت اور مستند جرمنی فلسفی اور حکیم تھا جس کی سیاحت بھی مشہور
 ہے۔ وہ ۱۷۹۱ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۸۵۹ء میں اُس نے وفات پائی۔

عمدہ لاڑو بیکن مشہور اور گرانمایہ حکیم انگلستان جو موجودہ جدید فلسفہ کا بانی مانی ہے ۱۷۹۱ء میں پیدا ہوا
 اور ۱۸۶۲ء میں مرا۔ اس کے سوانح عمری اردو میں ایک سالے کی حیثیت سے دفتر نگار نے شائع ہوئے ہیں۔

اور بہتر بنانا چاہیے۔ اور مجھے اب بتلانے دو کہ یہ ایک کیسا دلچسپ کام ہمیں دیا گیا ہو۔ ایک یونانی مسلم الثبوت مقولہ بتاتا ہے کہ خود اپنے آپ کو بچا کر ناکس تر دشوار ہو۔ فرانسیسی مصنف **مونٹانیہ** کہتا ہے کہ میں نے خود اپنے نفس سے بڑھ کے نہ ساری دنیا میں کوئی طلسم دیکھا اور نہ اُس سے بڑا کوئی سحر پایا۔ **سمری** ہر فون جس کی زندگی بہت ہی کم پُر ماجرا یا پُر جوش تھی ہم کو یقین دلاتا ہے کہ اپنے زندگی اُسے ایک تیس برس کا معجزہ نظر آئی جس کو اگر وہ بیان کرتا تو تاریخ نہ سمجھی جاتی بلکہ اُس پر ایک شاعرانہ خیال یا افسانے کا اطلاق ہوتا۔

نصیحت کرنا رجحان (حضرت سلیمان کے بیٹے) کے زمانے سے لارڈ **چٹرفیلڈ** کے زمانے تک ایک محض بیگا سمجھا گیا۔ اور مجھ کو **نیوز لیٹنڈ** کے اُس نے ایمان لانے والے کا حال بھی بھولا نہیں ہے جس کی بابت دہان کے سردار نے ایک پادری سے بیان کیا کہ اُس نے ہمیں اس قدر زیادہ نصیحت کی کہ ہم نے عاجز آکر اُسے قتل کر ڈالا۔ تاہم **للی** کا قول ہے کہ جو شخص نصیحت کو استہدائیں سے دامن نہیں قبول کرے گا وہ آخرین پچپا کے اور اپنے اوپر ملامت کر کے قبول کرے گا۔ لہذا میری غرض یہ ہے کہ میں اُن لوگوں کے واسطے جو کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنی زندگی کو حتی الوسع عمدہ بنانا چاہتے ہیں چند باتیں بیان کر دوں یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ لوگ موقعوں کو ہاتھ سے نکل جانے دیتے ہیں۔ جو برکتیں بے پروائی اور بیہودگی سے ضائع کر دی گئیں اُن سے کتنے آدمی

عہدہ **مونٹانیہ** ایک مشہور فرانسیسی مصنف تھا جو لائق مضمون نگار تسلیم کیا گیا ہے۔ ۱۵۳۲ء میں پیدا ہوا۔ ۱۵۹۲ء میں عہدہ **برون** جس کا اصلی نام **اس برون** تھا انگلستان کا ایک زبردست و مشہور فلسفی تھا۔ ۱۵۷۵ء میں پیدا ہوا۔ ۱۶۲۷ء میں عہدہ **چٹرفیلڈ** انگلستان کا ایک درمناظ علم اور با مذاق امیر تھا جو ۱۶۹۹ء میں پیدا ہوا۔ ۱۷۵۹ء میں

مسرت حاصل کر سکتے ؟

خیال رکھو کہ تمھاری مسرتیں محض خیالی نہیں بلکہ حقیقی ہیں۔ ہم بہت سے کام کرتے ہیں اور اس لیے کہ انھیں مسرت سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ ایسے ہیں کہ اگر انھیں کسی اور نام سے یاد کیا جاتا تو ہم نفرت کرنے لگتے۔ بہت سے لوگ خیال کرتے ہیں کہ انھیں مسرت حاصل ہو۔ اور محض اس بنا پر کہ وہ کوئی مفید کام نہیں کرتے۔ بعض اور لوگ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مسرت کو صرف حواس ظاہری ہی سے تعلق ہے۔ حالانکہ بخلاف اس کے دلی مسرتیں نہایت ہی تشفی بخش بھی ہیں اور زیادہ پائدار بھی ہیں۔

ہم اپنے صرف ایک جسم کو جس کی صحت پر دل کی صحت منحصر ہو غفلت و بے پروائی سے ضرر پہنچا لیتے ہیں۔ اور ہنرمندی کے ذریعے سے جتنی مسرتیں حاصل ہو سکتی ہیں ان کی نصف بھی ہمیں نہیں نصیب ہوتی۔ میں یہ خیال کر کے متحیر ہو جاتا ہوں کہ جن لوگوں نے نیشنل گیلری سے فائدہ اٹھایا وہ لندن کی پوری آبادی کے مقابلے میں کتنے ہیں ؟ ہم اپنے آپ کو اس قابل ہی نہیں جانتے کہ علم طبیعی کی ایجادوں کی قدر کر سکیں۔ برلش میوزیم کی کتنے لوگ

عہ نیشنل گیلری لندن کی ایک عمارت کا نام ہے جس میں دہان کی حرفت و صنعت کے مکمل نمونے دکھائے گئے ہیں۔ اور جس میں جا کے انسان کو معلوم ہو سکتا ہے کہ انگلش قوم نے صنعت اور دستکاری میں کس قدر ترقی کی ہے۔

عہ یہ لندن کا سب سے بڑا عجائب خانہ ہے جس میں دنیا کے عجائبات کا سب سے بڑا خزانہ فراہم کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق جو کتب خانہ ہے وہ بھی عجیب چیز ہے۔ فرائس کے کتب خانے کے بعد ساری دنیا کے کتب خانوں سے یہ بڑا ہے۔ اور اس میں ہر علم ہر فن اور ہر زبان کی برائی اور نئی کتابیں جمع ہیں۔

سیر کر چکے ہیں ؟ اور اُن میں کتنے ہیں جنھوں نے اپنے نفس کو ایسا درست کر لیا ہو کہ اُس کی قدر کر سکیں ؟ جس زمین پر ہم رہتے ہیں جو آسمان ہمارے سروں پر ہو اُن کی خوبیوں اور اُن کی خوبصورتیوں سے ہم لطف نہیں اٹھاتے۔ موسیقی شاید ہمارے برتاوے میں زیادہ دخل ہو مگر وہ بھی اس قدر نہیں جتنی کہ ہو سکتی ہو۔ ہم فخر کرتے ہیں کہ حیوانات میں ادراک اور سمجھ نہیں ہو۔ اور انسان عقل و تمیز رکھتا ہو۔ مگر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اُس عقل نے جس پر ہمیں فخر ہو انسانی مسرت میں کس قدر کم اضافہ کیا ہو۔ سنیٹ خیال والے فلسفیوں کے سوال کے مطابق ابھی تک اس میں شبہ کیا جاسکتا ہو کہ آیا نفس پر قابو حاصل کرنا من حیث المجموع مصیبت و تکلیف کا باعث ہو یا مسرت و عیش کا ؟ حیوانات اپنے آپ کو تکلیف نہیں دیتے مگر ہم اپنے نفس کو تکلیف دیتے ہیں۔ انسان بیکار امور میں فکر کرتا ہو۔ اور بے ضرورت بھتا ہو۔ شکون۔ خطرون۔ فکرون۔ اور تردودوں سے ہم خود ہی اپنا فتنہ کیے ڈالتے ہیں۔ نامعلوم رموز ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ مگر ہمیں اُن کی وجہ سے بے صبر نہ ہونا چاہیے۔

لیکن باوجودیکہ ہمیں متروکہ نہ ہونا چاہیے پھر بھی ضرور ہو کہ اپنی حفاظت کے لیے ہم فکر کریں۔ جن لغزنیوں مبتلا ہونے کا ہمیں اُدنے و ہم ہواؤں سے بچنے کے لیے جتنی عقل و تمیز کی ضرورت ہو اُس سے زیادہ عقل و تمیز بھلائیوں اور نیکیوں کا امتیاز کرنے کے لیے درکار ہو۔ بُرائی کی صورت باوجود اُس کی تمام خرابیوں

عہد نامہ فلسفیوں میں سے ایک خاص خیال کے حکما سنیٹ کہلاتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ انسان بالطبع عشرت پرستی اور شہوت پرستی کی طرف مائل ہو۔ اور اسی خیال کی وجہ سے وہ لوگ دنیا کی تمام نعمتوں اور دنیا کی ہر چیز کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور قابل نفرت جانتے تھے۔

ہوں۔ اور ادھر ادھر سے ڈھونڈھ کے معمول سے زیادہ خوبصورت سیپیون یا سمند کی نازک شاخون کو جمع کر رہے ہوں۔ حالانکہ حقیقت کے اصلی سمندر پر اس وقت تک بالکل لاعلمی کا پردہ بڑا ہوا ہو۔ دنیا میں ایک چیز بھی ایسی موجود نہیں ہو جس کے کل منافع اور اُس کے تمام خواص ہم نے دریافت کر لیے ہوں۔ ہم صبح سے شام تک محنت کرتے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ محنت کرنے کو تیار ہیں اگر صرف اتنا معلوم ہو سکے کہ مادے کے تمام خواص اور قدرت کے کل تصرفات کیا ہیں۔ نظن غالب فقط ایک یاد و گھنٹے میں ہم اپنے جسم کے ضروری اور مناسب حوالے کو فراہم کر لیں گے۔ اور دل کی اصلاح کے لیے کافی وقت موجود ہوگا۔ بھاپ کی قوت سے ہنوز پورا فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا۔ برقی قوت ہمارے بچپن میں بالکل معلوم تھی اور اب ہم نے اُسے سمجھنا شروع کیا ہو۔ تلیوں کے دھارے میں جو قوت ہو وہ اس وقت تک بے کار جا رہی ہو۔ اگر ان الیش تھینکس ذرا اور جلدی دریافت ہو جاتی تو بہت سی زحماتیں جو انسان کو اٹھانا پڑیں اُن سے بچ گیا ہوتا ایسی مثالیں اگر لکھی جاویں تو ایک دفتر ہو جاوے گا۔ کوئی شخص مُشہبہ نہیں کر سکتا کہ ابھی ہزاروں ایسی باتیں بڑی ہیں جن کی تحقیقات نہیں ہوئی۔ بادجو دیکھ ہزاروں تحقیقاتیں ہو چکی ہیں۔ کیا یہ تعجب انگیز بات نہیں ہو کہ وہ توین جو سچی نام سے مشہور ہیں لاکھوں روپیہ صرف ضائع نہیں کرویتیں بلکہ ضائع کرنے سے بھی بدتر کاموں میں لینے ایک دوسرے کے تباہ کرنے اور ملک کے واسطے درندوں کی طرح لڑنے میں صرف کر دیتی ہیں جبکہ حق کا بحرِ اعظم اُن کے سامنے نامعلوم بڑا ہوا ہو۔

عہ ایک چیز جن کے لگانے سے حس کی قوت جاتی رہتی ہو۔ اور انسان کو درد وغیرہ نہیں محسوس ہوتا۔

گزشتہ زمانے میں ہم اس بات پر قانع تھے کہ ہماری اولاد بغیر لکھے پڑھے جوان ہو جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں اس زمانے میں بھی بہت سے لوگوں کو یکے تنے ہین کہ زیادہ تعلیم بے فائدہ ہو۔ لیکن اگر انصاف سے دیکھا جاوے تو بہت سی حالتوں میں یہ معلوم ہوگا کہ اس کہنے سے اُن کا مطلب محض اُس تعلیم سے ہو جو کہ روزمرہ کے کاموں سے کوئی تعلق نہ رکھتی ہو۔ بہت سے ایسے لوگ پڑھے ہین جو کہتے ہین کہ تعلیم میں روپیہ بہت صرف ہوتا ہو لیکن وہ اس سے بالکل غافل ہین کہ تعلیم سے زیادہ روپیہ جاہل رکھنے کی وجہ سے تباہ ہو جاتا ہو۔ اگرچہ اب ہماری کل اولاد کچھ نہ کچھ تعلیم پاتی ہوتا ہم ابھی اس بات پر شبہ کیا جاسکتا ہو کہ اب تک ہم نے مناسب طریقہ تعلیم دینے کا اختیار کیا ہو یا نہیں (میں اس جگہ اس مسئلہ پر بحث نہ کروں گا) مگر میں اس مقام میں اتنا ضرور کہوں گا کہ ہم لوگوں نے اس کو لون میں اخلاقی تعلیم کی طرف سے نامناسب غفلت کی ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہو کہ یہ عام قیاس تو قائم ہو گیا ہو کہ اگر کوئی شخص احکام الہی کو توڑ ڈالے تو ضرور ہو کہ وہ شخص غلط کر رہا ہو اور غالباً دوسروں کو تکلیف کا بھی باعث ہو گا۔ لیکن وہ شخص اس جان میں تو ضرور اپنے تئیں زیادہ مسرت پہنچالے گا اور آرام میں ہو جاوے گا نیز یہ کہ خود کامی۔ لایح سبے اعتدالی و کاہلی و دیگر عیوب کرنا کو منہا ہو مگر کوئی شخص اپنی ذات کے واسطے دوسروں کو نقصان پہنچا کر ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہو۔ اور یہ بھی ایک عام خیال پیدا ہو گیا ہو کہ اگر ایک شخص دوسروں کا خیال نہ کرے اور صرف اپنا ہی خیال رکھے تو اپنی خطری خواہش یہ ہوگی کہ آرام اور خوشی کے ساتھ زندگی بسر ہو۔ نیک اور پارسا ہونا گو کہ نہایت عمدہ اور قابل تعریف ہو مگر اس میں ایک شخص اُن مشغولوں سے بھی اپنی

طبیعت کو محفوظ نہیں کر سکتا جن میں نہ تو کوئی عیب ہو اور نہ کوئی گناہ۔ مختصر یہ کہ ان میں اُس کو اپنے نفس پر جبر ضرور کرنا پڑتا ہو۔ یہ خیال بالکل غلط ہی نہیں بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہو۔ یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ بُرائی کا راستہ اختیار کرنے میں کوئی رُوک ٹوک نہیں ہو اور بہت آزادی ہو۔ بلکہ جناب آپ اس کے خلاف یہ پاپے لگاکہ ایک بدکار آدمی بدترین مالکون کا غلام ہو بیٹے اپنی شہوتوں کا۔

بعض فوجوانوں کا یہ خیال ہو کہ بدکاری میں ایک قسم کی مردانگی ہو کرتی ہو لیکن اگر وہ غور کریں تو اس بات کو دیکھیں گے کہ ایک کمزور اور بُزدل بیوقوف بھی بدکار ہو سکتا ہو۔ دراصل پارسا اور صالح ہونے کے واسطے مردانگی ضروری ہو اور اُسی میں آزادی ہو۔ بدکاری حقیقتہً غلامی ہو۔ ایک خاص چال چلن کے طریقے کے نادرست ہونے کی یہ وجہ نہیں ہو کہ اُس میں منزل اور بے عزتی ہو بلکہ نادرست طریقہ منزل اور ذلت کا باعث ہوتا ہو۔ اگر احسناق میں کچھ ایسا غیر معمولی انقلاب واقع ہو جاوے کہ اب جو باتیں درست سمجھی جاتی ہیں نادرست ٹھہرائی جا دیں تب بھی وہ طریقہ حقیقت میں نادرست ہو ولی آرام اور مسرتوں کے واسطے مضر ہی ہوگا۔ میں اس بات کی تائید میں کسی علم الہی جاننے والے کے مقولہ کو نہیں پیش کروں گا جو کہتے ہیں کہ گناہ رنج کا باعث ہوتے ہیں اور اُن کا جُدا ہونا غیر ممکن ہے بلکہ میں اس بات کی تائید ایک دنیا دار آدمی کے کلام سے کروں گا۔ لارڈ چیپٹر فیلڈ نے ایک خط اپنے لڑکے کو تحریر کیا تھا جس میں بہت سی دانشمندانہ نصیحتیں کی ہیں اُس خط کا آخری جملہ یہ ہے ”پارسا اور صالح ہونے کے انعام ہمیشہ ایسے ہی ہوتے ہیں اور اگر تم بڑے اور نیک آدمی ہونا چاہتے ہو تو ایسے ہی لوگوں کے چال چلن کی تم

کو نقل کرنی چاہیے اور بس یہی ایک طریقہ خوشی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا ہے۔
 دُئی کارٹ نے اپنے قواعد کو زندگی کے عمل کے طریقے کے واسطے چار نصیحتوں
 میں یون بیان کیا۔ اول اُس ملک کے قانون سے اور اُس مذہب سے جس
 میں تربیت پائی ہو سرتابی نہ کرنا۔ دوم اُن موقعوں پر جن میں کام کی ضرورت ہو
 فوراً اور اپنی سمجھ کی حد تک کام کرنا اور جو کچھ نتیجہ ہو اُس پر بغیر ناگواری ظاہر کیے
 راضی ہو جانا۔ سوم اپنی خواہشوں کے محدود کرنے میں مسرت تلاش کرنا۔ نہ کہ
 اُن خواہشوں کے پورے ہونے کی کوشش میں۔ چہاں رم زندگی کا کام حق کی
 تلاش ہونا چاہیے۔

ملی اپنی ایک مشہور کتاب میں یون صلاح دیتا ہے ”پہراغ میں جی پڑتے ہی
 سو رہو اور جس وقت لارک جاگتی ہو اُٹھ بیٹھو۔ خوش و خرم رہو لیکن انکساری
 کے ساتھ سنجیدہ ہو مگر ترش رو نہ ہو۔ دلیر ہو مگر بالکل بے دھڑک اور مبیاک ہو جاؤ
 سادہ پوشاک پہنو۔ صحت بخش غذا کھاؤ لیکن بہت نہ کھاؤ۔ دل بہلاؤ مگر دل کے بہلانے
 میں وہ باتیں کرو جن میں کوئی ہرج اور ضرر نہ ہو۔ بے وجہ کسی کو بے اعتبار نہ سمجھو
 اور نہ ہر اک بات پر بلا ثبوت یقین کر لو۔ بغیر سمجھے جو جملے سے ہر ایک کی
 رائے کا نتیجہ نہ کر دو اور نہ اپنی ہی رائے پر ہٹ کر دو۔ خدا کی اطاعت کرو۔ خدا
 سے ڈرو اور محبت کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی برکتیں تم پر نازل کرے گا جیسا کہ تمہارا
 دل اور تمہارے دوستوں کی خواہش ہو۔“

عہ دئی کارٹ ”فرانس کا ایک نامی گرامی فلسفی گذرا ہے۔ جو ۱۵۹۵ء میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۶۵۰ء میں نیاسے نصبت ہوا
 عہ لارک انگلستان کی ایک نغمہ سنج چڑیا ہو۔ جو ترش کے سے اپنا ارغنون بجانا شروع کرتی ہو۔ اور اُسے
 ارض مغرب میں قریب قریب ایشیائی بلبل کی وقت حاصل ہو۔ اُس کے ساتھ اُسٹھے کا مطلب یہ کہ ترش کے اٹھو۔

نہ صرف خود غرض شریار اور بے خبر ہی اپنے فائدے کے واسطے اپنے تئیں اور دوسروں کو مصیبت میں ڈال دیتے ہیں بلکہ بہت سے قابل عزت لوگ اور بہت سی عمدہ کتابیں جو کہ اچھے ارادے کے ساتھ لکھی گئی ہیں ان میں بھی اسی قسم کی غلطی پائی جاتی ہے۔ ان کا یہ خیال ہو کہ زمانہ جو گناہ میں گذرتا ہو زیادہ خوشی کے ساتھ کٹتا ہو اور نیکی کو جھانکشی اور مذہب کو نفس کشی تصور کیا ہو اور اب بھی ہم کو روزمرہ ایسے قابل لوگ ملتے ہیں جن کا خیال ہو کہ مسرت بخش باتیں نا درست ہیں اور اصلی منشا مذہب کا ترش تلخ اور بُر غم ہو۔ اور یہ قدرتی بہارا اور رونق جو کہ ہم لوگوں کے گرد پائی جاتی ہو رحمت نہیں ہو بلکہ اس کو شیطان نے ہمارے بہکانے کے واسطے جمع کر رکھا ہو۔ اور یہ ہرگز اللہ تعالیٰ نے جو کہ بھلائیوں کا پیدا کرنے والا ہو ہم لوگوں کے آرام و آسائش کے واسطے نہیں پیدا کی ہیں۔ گو پھر کے دو دھچکپ مصرعون کا یہ مضمون ہو ”غم کا راستہ صرف یہی ایک ایسا راستہ ہو جو ایسی سر زمین کو گیا ہو جہاں کہ کوئی شخص ریخ و غم کے نام سے بھی واقف نہیں ہے۔“

یہ سچ ہو کہ زندگی میں ریخ و غم ضرور ہوتا ہو۔ اور نور بغیر سایے کے نہیں ہوتا قطع نظر ان ریخوں کے جو ہمیں اس تھوڑے سے زمانہ زندگی میں اپنے پیارے عزیزوں یا دوستوں کے مرنے پر ہوتے ہیں خود ہماری ہستی کی حالت کچھ ایسی چھیدہ ہو۔ اور دنیا کا ابھی اس قدر بچپن ہو۔ اور ہم کو آج تک اچھی طرح یہ بھی نہیں معلوم کہ ہماری ہستی کی ضروریات کیا ہیں طوے کے خواص اور اُس کی ماہیت کیا ہو۔ اور

عہ کو ہر ایک مشہور و مقبول شاعر گذرا ہو۔ جو لٹرائے میں پیدا ہوا تھا۔ اور شاعری میں مرا۔

قوت کی اصلیت کس طرح ہو۔ یہی اسی حالت میں کوئی تعجب نہیں اگر ہم کو رنج و تکلیف اٹھانا پڑے۔ کو پر کہتا ہے کہ غم کا راستہ۔ اور صرف وہی راستہ ہے جو سید بہشت کو چلا گیا ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہاں صیغ و آرام کرنا آخرت میں نصیب کا باعث ہوگا۔ اس غلط خیال نے بہت سے اندیشہ مند لوگوں کو تردد اور سرگردانی میں ڈال دیا ہے۔ بہت سے تیز فہم نوجوانوں نے خود ہی لامتنی کی کو فت اٹھائی اور اپنے آپ کو اذیت دی۔ اور صرف اس وجہ سے کہ ان کو مسرت کی دولت حاصل تھی۔ ان کو چاہیے تھا کہ اسی نعمت کا شکر کرتے اور اس بات کو سمجھتے کہ اس بے بہا موقع سے وہ ان لوگوں کے راستے کو منور کر سکتے تھے جن کے دلون میں خوشی اور مسرت کا جٹھ بوج غم یا بیماری کے خشک ہو گیا ہے۔ کو پر حقیقت یہی سچ ہے نہ تھا۔ تاہم کیا اُس کی نصیحتوں میں ان لوگوں کے منشا و کارنگ نہیں پایا جاتا ہے جن کی بابت مکالمے نے یہ کہا ہے کہ ”وہ ریچھ کو اذیت پہنچانے پر اس وجہ سے اعتراض نہیں کرتے کہ ریچھ کو تکلیف ہوتی ہے بلکہ اس وجہ سے کہ تماشا یون کو اُس سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔“

بہت لوگ ہستی کا راز دریافت کرنے کے لیے اپنے نفس کو بہت رنج اور تکلیف

عہ پورٹین عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے۔ ان لوگوں کا مذاق تصوف کا ہے۔ اور نقش کشی کے حامی ہیں۔ لکھنؤ سے پیشتر انگلستان میں ان لوگوں کا بڑا زور تھا۔

عہ مکملے جو لاڈلہ مکملے کے نام سے مشہور ہے انگلستان کا بڑا زبردست جادو کار مورتخ اور انشا پرداز تھا۔ ۱۸۳۴ء میں ہندوستان کی سپریم کونسل کا ممبر تھا۔ ہندوستانیوں کو تعلیم دلانے پر گورنمنٹ کو اُنہی نے مجبور کیا۔ اور یہ موجودہ تعلیم اُنہی کی برکت ہے۔ سن ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۸۵۹ء میں وفات

پائی۔

دیتے ہیں سو دمی کا مقولہ ہو کہ ”ایک نیک اور عقلمند آدمی کبھی دنیا پر غصہ کرتا
 ہو اور کبھی اُس کے واسطے رنج کرتا ہو لیکن یہ یقین جانو کہ جو شخص اپنا فرض اس
 دنیا میں ادا کرتا ہو وہ کبھی دنیا سے ناخوش نہیں ہوتا۔“ و پیر کا قول ہو کہ ”دنیا
 کا معنی صرف اُسی کی سمجھ میں آیا ہو جو خدا کو نیک جانتا ہو۔“ سنیکا کا کہنا ہو ”کوئی
 فرض ایسا ہی نہیں جس کے ادا کرنے میں ہم کو خوشی نہ حاصل ہو اور کوئی رغبت
 ایسی نہیں جس کا علاج موجود نہ ہو۔“ ملٹن کا کہنا ہو ”نیچر (قدرت) کو الزام نہ دو
 وہ اپنے حصہ کا کام کر چکی ہو۔ اب تم اپنے حصہ کا کام انجام دو اگر خالق کا
 منشاء یہ نہ ہوتا کہ ہم نیچر سے لطف اٹھا دیں تو یہ یقین جانو کہ وہ نیچر کو کبھی ایسا
 نہ بناتا کہ اُس کی صورتیں آنکھوں کو خوشنما اور اُس کی آوازیں کانوں کو نغمہ
 معلوم ہوتیں اس کا اندازہ کرنا قریب قریب غیر ممکن ہو کہ اپنی ذات کو درست
 اور آراستہ رکھنے سے انسان اپنے واسطے کس قدر خوشی اور دوسروں کے
 واسطے کس قدر چین مہیا کر سکتا ہو۔

اگر یہ زمانہ واقعی نہایت تعجب انگیز و عجیب اور تربیت یافتہ ہو تو اصل
 میں یہ ہماری خوش قسمتی ہو نہ کہ ہمارے افعال کا نتیجہ اور یہ ایسی بات ہو جس پر
 شکر کرنا چاہیے نہ کہ ہم فخر کریں۔

جبکہ ہم شکر گزاری کرتے ہیں اور زندگی کی برکتوں سے لطف اٹھاتے

عہ سودی انگلستان کا ایک نامی گرامی شاعر اور حاد و مکار ادیب تھا جو عہدِ مین پیدا ہوا
 اور ۱۷۵۸ء میں مرا۔

عہ ملٹن انگلستان کے ابتدائی اُمّان کے زمانے کا زبردست شاعر تھا جس نے ۱۷۰۷ء میں
 پیدا ہوا۔ اور ۱۷۷۴ء میں مرا۔

ہیں ایسی حالت میں ہم کو یہ امید نہ کرنی چاہیے کہ ہم کو بچ و افکار نہ ہوں گے۔
والپوٹل نے زندگی کو یوں بیان کیا ہو کہ ”وہ اُن لوگوں کے واسطے مسرت
 آگین ہو جو فکر و غور کرتے ہیں اور اُن لوگوں کے لیے باعث درد و غم ہوں جن میں
 دلی جذبات بھرے ہوئے ہیں“ درحقیقت زندگی اکثر دردناک ہوتی ہو اور
 بہت کم مسرت آگین۔ لیکن قاعدہ یہ ہو کہ ہم اُسے جیسا بنانا چاہیں ویسا ہی
 بنا سکتے ہیں۔ **سقراط** کا قول ہو کہ ”ایک نیک آدمی پر نہ تو جیتے جی کوئی مصیبت
 آسکتی ہو اور نہ بعد مرگ“ حقیقتہً جن لوگوں نے کہ امیدیں دلائیں اکثر اُن کا
 مذاق زیادہ سچا تھا بہ نسبت اُن لوگوں کے جنہوں نے مصیبتوں کی پیشین گوئیاں
 کیں۔ اصل بات یوں ہو کہ ہم لوگ خوشی کے برسوں کو بے خبری سے گزار دیتے
 ہیں اور درد و الم کے ہر ہر لمحہ کا شمار کیا کرتے ہیں۔

ہم ہمیشہ یہ امید نہیں کر سکتے کہ ہمیں کامیابی ہی ہوگی۔ کیونکہ بچہ کو بھی بعض
 اوقات ناکامیابی ہو جاتی ہو۔ بادشاہ **الفروٹ** نے **بوسیتھیس** کے ترجمے
 میں یوں کہا ہو کہ ”اپنی دولت اور اقبال مندی پر غور کی راہ سے سر بلند نہ کرو
 اور نہ مصیبت کے زلزلے میں بھلائی سے مایوس ہو جاؤ۔“

انجیل کے ایک مشہور فقرے کا ترجمہ یوں ہو ”وہ بچھاؤنگ کشادہ اور وہ راستہ
 چوڑا ہو جو ہلاکت کی طرف لیے جاتا ہو اور وہ لوگ کثرت سے ہیں جو اس بچھاؤنگ کی
 طرف جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ بچھاؤنگ دشوار اور وہ راستہ تنگ ہو جو زندگی کی

عہ ہوں ہیں ایک سوزناور نامی انگلش مصنف **ٹھاکر** عہ بن پیدا ہوا۔ اور **۱۹۷۷** عہ میں مر گیا۔
 عہ **الفروٹ** انگلستان کا ایک حکمران تھا جس نے روم میں حکم کا مسلم حاصل کیا۔ اور بہت سی لاطینی کتابیں ترجمہ
 کیں۔ **۱۹۷۹** عہ میں پیدا ہوا۔ اور **۱۹۷۹** عہ میں مرا۔

طرف گیا ہو۔ اور بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اُس کو باتے ہیں۔

میں خیال کرتا ہوں کہ لوگ اُس کے معنی غلط سمجھے۔ اس کے معنی یہ نہیں

کہ راستہ صاف نہیں ہو اور اُس میں زیادہ تکالیف ہیں۔ بلکہ اس کے معنی صرف یہ

ہیں کہ وہ رستہ تنگ ہو اور جلد ہی نہیں مل جاتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ

سیدھا راستہ صرف ایک ہی ہوتا ہو۔ گو کہ اُس رستہ کے ساتھ ہی ساتھ ہر جانب

پگھلے نڈیاں پھیلی ہوئی ہوں۔ جہاں تک رستہ سمندر میں صرف ایک ہی ہوتا ہو۔ اور

قطب نما میں جو اور بھی بہتے نقطے بنے ہوتے ہیں اُن پر عمل کرنے سے جہاز کبھی

کنارا مقصود کو نہ پہنچے گا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اُس راستے میں

سختیاں اور طوفان دوسرے راستوں سے زائد ہیں۔

در اصل کوئی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ باتیں جو نادرست ہیں

اکثر خوشی اور بعض اوقات ایک لمحہ بھر کے لیے مسرت بھی دے دیتی ہیں۔

اس سے انکار کرنا فضول ہو کیونکہ اس بات کے انکار سے رغبتوں کی ہستی پر

اعتراض لازم آتا ہو۔ جو بات میں ظاہر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہو کہ ان رغبتوں

کی اطاعت سے ہم کو ایک لمحہ کی خوشی کے واسطے اُس قدر غم اٹھانا پڑتا ہو۔

اور قلیل نفع کے بدلے میں نقصان کثیر برداشت کرنا ہوتا ہو۔

واقعی یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا (اور میں صرف اس دنیا کی زندگی کی بابت

کہتا ہوں) کہ اگر ہم خوشی کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو نیک ہونے کی

کوشش کرنی چاہیے جو دکامی سے زیادہ خود فراموشی میں مسرت حاصل

ہوتی ہے۔

اقبال مندی اور فلاح کے ساتھ مسرت ہمیشہ نہیں پائی جاتی ہے۔ اور بہت سے لوگ جن کے پاس بہ ظاہر ہر طرح کا سامان مسرت موجود ہے مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہیں۔ بوائے اہل کا قول ہے کہ "قسمت بہت کچھ دے سکتی ہے۔ لیکن یہ انسان کے دل ہی کا کام ہے کہ اُس کو بہت کافی سمجھے" "ڈاکٹر کے ایک شعر کا مضمون ہے کہ "میں اپنے دل میں ایسی عمدہ مسرتیں پاتا ہوں کہ وہ میرے لیے ایک سلطنت ہے۔"

واوینار گزکتا ہے یہ بات ہر ایک کے اختیار میں نہیں ہے کہ دولت عمدہ اور عزت حاصل کرے۔ لیکن نیک فیاض اور عقل مند ہر شخص ہو سکتا ہے۔ جو چیزیں ہمارے قبضہ میں ہیں وہ اصلی دولت نہیں ہیں۔ بلکہ جو کچھ ہیں ہم خود ہیں جس قدر فوقیت ہوتی ہے اُسی قدر ذمہ داری بھی بڑھتی ہے۔

سینٹ کری سوٹم کا قول ہے کہ "موجودہ حالت ایک تھکاوٹ ہے۔ اور انسان کا کاروبار ایک تماشہ ہے۔ دولت و کثرت۔ حاکمی و محکومی۔ اور ایسی ہی دیگر حالتیں تماشے کی نقلیں ہیں۔ جبکہ دن (یعنی زمانہ) ختم ہو جاوے گا تب یہ تھکاوٹ بھی بند ہو جاوے گا۔ اور ایکڑ لوگوں کے منہوں پر جو جہرے لگے ہوئے ہیں اُتر جاوین گے۔ اُس وقت ہر ایک آدمی کی اور اُس کے اعمال کی جانچ ہوگی۔

عہد بوائے رینڈ کا ایک انشا پر دانا اور فلسفی تھامس ہابز نے پیدا ہوا۔ اور ۱۶۹۰ء میں لندن میں مارا۔

عہد ڈائرام کے تین مشہور شخص ہوئے ہیں۔ مگر میان جارج ڈائرام سے مراد ہے جو بڑا شاعر محقق اور آثار قدیمہ کا محقق تھا۔ ۱۷۹۰ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۸۰۰ء میں دنیا سے رخصت ہوا۔

عہد واوینار گزاکٹا کہ اس مشہور حکیم کے حالات سے ہم مطلع نہیں ہو سکے۔

عہد سینٹ کری سوٹم بہت قدیم زمانے کا ایک مسیحی مقدس ہے۔ دین اور جادو میان تھا جو قسطنطنیہ کا اٹھف مقرر ہو گیا تھا۔ ۱۷۰۰ء اور ۱۷۱۰ء کے درمیان اٹالیہ میں پیدا ہوا تھا۔ اور ۱۷۱۰ء میں ایشیا جی کی ناگ میں دفن ہوا۔

اُس وقت اُس کی دولت - عمدہ - عزت - اور حکومت نہ پوچھی جائے گی بلکہ ہر شخص کی ذات اور اُس کے اعمال پوچھے جاویں گے۔ لہذا ہم کو یہ امید کرنی چاہیے کہ ہمارے اعمال پورے اُتریں۔“

وہ جانچ کیا ہوگی؟ یہ نہ دیکھا جاوے گا کہ ہم نے کس قدر کام کیا ہو بلکہ یہ دیکھا جاوے گا کہ ہم اپنی کوششوں سے کامیابی کے مستحق تھے یا نہیں۔
ووٹوں کہتا ہے کہ ”کیا ہی خوش قسمت وہ شخص پیدا ہوا جو اور کیسی اچھی اُس شخص نے تربیت پائی ہو جو دوسروں کی مرضی کا غلام نہیں ہو جس کا زرہ بکتر اُس کا ایماندارانہ خیال ہو۔ اور محض سچائی جس کا علم و ہنر ہو۔“

حقیقۂ عقل مندانہ اور ایماندارانہ زندگی مسرت آگین زندگی ہو۔ اور گناہ اسل میں جفاکشی ہو۔ حضرت سلیمان کی یہ نصیحت ہے کہ ”اے میرے بیٹے۔ تو میرے قانون کو فراموش نہ کر۔ میرے حکموں کو اپنے دل میں جگہ دے۔ کیونکہ اُن سے تجھ کو درازی ایام۔ بڑی زندگی! اور اطمینان خاطر ہی حاصل ہوگا۔“

دوسرا باب

خوش سلیقگی یا شعور

زندگی میں کامیابی کے واسطے قابلیت سے زیادہ سلیقے کی ضرورت ہے۔ جن لوگوں میں یہ مادہ خلقی نہیں ہو اُن کو آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔
 اُن اس بات کا خیال رکھنے میں کہ لوگ کیا چاہتے ہیں کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو سکتا ہے

عہدہ و نو انگلستان کا ایک صنف اور بدسلطنت تھا جو ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۹۱۷ء میں مرا۔

اگر تم کو خوش کرنے کا موقع ملے تو اُسے لہو سے نہ دو۔ سب کے ساتھ خلق سے پیش آؤ۔ لیڈی مانٹگیو کا مقولہ ہے کہ ”خلق کرنے میں کچھ خسچ نہیں ہوتا ہے اور ہر چیز بے دام لہو آجاتی ہے“ واقعی یہ بات بہت صحیح ہے۔ خلق سے بے دام ایسی چیزیں لہو آجاتی ہیں جو داموں سے نصیب نہیں ہو سکتیں پس تمھاری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ جس آدمی سے تمھاری ملاقات ہو جائے اُس کو تم اپنا بنا لو۔ بڑے نے ملکہ الزبتھ کو نصیحت کی کہ ”لوگوں کے دل کو اپنا کر لو۔ پھر اُن کے دل اور اُن کا مال و متاع تمھارا ہی ہو جاوے گا“ سلیقے کو اکثر اُس مقام پر بھی کامیابی حاصل ہوئی ہے جہاں کہ قوت کو ناکامی ہوئی ہو۔ للی نے سوچ اور ہدایت کی پُرانی کہانی کو یون نقل کیا ہے کہ ”ایک مرتبہ سوچ اور تھو این یہ جھگڑا ہوا کہ دیکھیے کسے فتح پائی ہوئی ہے۔ اتفاقاً ایک شخص جا رہا تھا۔ ہوانے یہ جا ہا کہ اُس شخص کی عبا اُتر والے۔ پس اُس نے بڑے زور و شور کے ساتھ چلنا شروع کیا۔ اور خوب خوب جھونکے مسافر کو لگے لیکن جتنی ہی زور کے ساتھ ہوا چلتی تھی اتنی ہی زیادہ عبا اُس کے بدن میں چبھتی جاتی تھی۔ تب سوچ نے کہا کہ اب تم مجھے کوشش کرنے دو اور سوچ نے اپنی کرین مسافر کے جسم پر ڈالیں۔ اور اُس کے جسم کو گرم کرنا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس گرمی سے مسافر کو پسینہ آگیا۔ اور اُس نے نہ صرف اپنی عبا ہی

عہ لیڈی مانٹگیو انگلستان کی ایک لائق اور مشہور مصنفہ تھی جس کی کتابیں مشہور ہیں۔ اس خاتون کا اصلی نام الزبتھ مانٹگیو تھا۔ عہ میں پیدا ہوئی۔ اور مشہور میں جام فنا کیا۔

عہ بڑے جو ملکہ الزبتھ کے عہد کا ایک نامور عہدہ دار تھا۔ اور جس کے مشورون پر وہ مشہور ملکہ اکثر عمل کیا کرتی تھی۔ عہ ام کے قریب پیدا ہوا۔ اور ۱۸۶۷ء میں مرا۔

اُتار ڈالی بلکہ اپنا کوٹ بھی اُتار کے پھینک دیا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر ہوا نے سورج کی فتح یابی کا اقرار کر لیا۔

ہمیشہ یاد رکھو کہ آدمیوں کو زبردستی کسی طرف لے جانے سے رہبری کر کے لے جانا آسان ہے۔ اور ہر حالت میں رہنمائی کرنا مجبور کرنے سے بہتر ہے۔ شیکسپیر کہتا ہے کہ تم اپنی مرضی کے موافق کام مسکراہٹ سے لے سکتے ہو۔ مگر لوگوں سے نہیں لے سکتے۔ بہ شیریں زبانی و لطف و خوشی تو انی کہیلے ہوئے کشتی؟ ہمیشہ کوشش کرو بلکہ اپنے تئیں اس قابل بناؤ کہ وہ لوگ جن کو تم سے ملنے کا اتفاق ہو تم پر بھروسہ اور اعتبار کریں بہت لوگوں کا اثر و وسوسہ پر اُن کی قابلیت کی وجہ سے نہیں بلکہ اُن کے چال چلن کی وجہ سے پڑا ہے۔ سڈنی اسمتھ نے فرینس ہارنر کی بابت جس کا بغیر کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہونے کے ایک عجیب و باوقوعی مجلس حکمرانی پر تھایون کہا ہے کہ ”اُس کی شکل میں دسوں حکام الہی کندہ تھے (یعنی اُس کی صورت ہی سے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ اُن دسوں احکام الہی کا پابند ہو جو حضرت موسیٰ کو ملے تھے)۔

جس حد تک ایمان اور عقل کے ساتھ ممکن ہو لوگوں کی غواہشیں پوری کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن ”نہیں“ کہنے سے نہ ڈرو۔ ہر ایک شخص ”ہاں“ کہہ سکتا ہے۔ مگر ہر شخص خوشی کے ساتھ ”ہاں“ نہیں

عہ انگلستان کا سب سے بڑا شاعر جس کے ڈراما درناٹک فصاحت و بلاغت اور شاعری کے انتہائی کمال پر اُنے جاتے ہیں اور انگریزوں کے خیال میں اُس سے بڑا شاعر دنیا میں نہیں پیدا ہوا۔ ۱۵۶۶ء میں پیدا ہوا۔ ۱۶۱۶ء میں مرا۔

عہ سڈنی اسمتھ انگلستان کا ایک مشہور اعلیٰ مرتبہ متقدم دین اور دانش پرآز محاسبہ میں پیرا۔ ۱۷۵۸ء میں مرا۔

کر سکتا۔ لیکن ”نہیں“ کہنا نہایت ہی دشوار ہو۔ بہت لوگ صرف اس وجہ سے تباہ ہو گئے کہ ”نہیں“ نہ کر سکے۔ پلوٹارک نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ”ایشیا مائنر کے باشندے محض اس وجہ سے تباہ ہوئے۔ اور وہ ”نہیں“ کا لفظ تھا“ اگر ہمارے روزمرہ کے کاموں میں ”نہیں“ کی بہت ضرورت ہو تو یہ بھی اُس سے کم ضروری نہیں ہے کہ ہم اُسے خندہ پیشانی سے کہیں۔ یہ ہمیشہ ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہر شخص جس سے ہمارا کچھ بھی ہو بار ہو اپنے دل میں سمجھے کہ ہمارے ساتھ کاروبار کرنے میں اُسے خوشی ہوتی ہو۔ اور اُس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو جائے کہ وہ پھر ہمارے یہاں آوے جس قدر لوگ خیال کرتے ہیں اُس سے بدرجہا زیادہ علاقہ کاروبار تجارت کو حالات و جذبات انسانی سے ہے۔ ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ ہمارے ساتھ مہربانی اور خلُق کا برتاؤ ہو۔ سادگی اور بنناشت کا برتاؤ اکثر اوقات معاملات کو اپنے موافق فیصلہ کر لیا کرتا ہو بمقابلہ اس کے کہ پچاس فی صد کمی کمیشن کا لالچ دیا جاوے۔

ہر شخص اگر چاہے تو اپنے تئیں خندہ پیشانی بنا سکتا ہو۔ خوش کرنے کی خواہش آدمیوں کو قریب قریب خندہ پیشانی بنا دیتی ہے۔ جس شخص کو کسی کے خوش کرنے کی خواہش نہ ہوگی وہ کسی کو خوش نہ کرے گا۔ ایسی عمدہ نعمت کو اگر تم لڑکپن سے نہ حاصل کر دو گے تو پھر یہ بات تمہارے واسطے بہت مشکل

عہ بادمارک یونان کا ایک نامی گرامی موضع ہے جس نے مشاہیر کے سوانح عمری اور علم اخلاق پر کتب میں تصنیف کیں۔ حضرت مسیح کے تقدیم ۴۸ برس بعد ہوا۔ اور بہت بوڑھا ہو کے مر گیا۔

ہو جاوے گی۔ بہت سے آدمیوں کو اپنی زندگی میں ظاہری کامیابی محض اچھے بتاؤ اور چال چلن کے ہاتھوں نصیب ہوئی۔ نہ محض قابلیت کی وجہ سے۔ بخلاف اس کے بہت سے قابل عزت آدمیوں نے جن کے دل نہایت ہی اچھے تھے اور جن کے دماغ میں مہربانی کرنے کے خیال بھرے ہوئے تھے بہت سے لوگوں کو کچھ خلقی کی بدولت اپنا دشمن بنا لیا۔ علاوہ برین خوش کرنے کی قابلیت ہونا خود ہی ایک خوشی کی بات ہو۔ اس کی کوشش کرو اور تم کبھی مایوس نہ ہو گے۔

ہوشیار رہو اور مزاج میں آہستگی رکھو۔ تمہارا دماغ رکھنا ویسا ہی ضروری ہو جیسا کہ برجوشنل تحریر میں استقلال اور دھیمے الفاظ بہت ہی قیمتی ہیں۔ ان باتوں سے تم خطرے اور مشکل کے وقت میں محفوظ رہو گے۔

اگر تم سے ایسے لوگوں سے ملاقات ہو جو تمہارے برابر ہوشیار نہ ہوں تو تمہیں اُن کو حقارت سے دیکھنے کا کوئی استحقاق نہیں ہو۔ جیسے بڑی جائداد کے وارث ہونے میں کوئی فخر کا موقع نہیں ہو اُسی طرح زیادہ لیاقت کے وارث ہونے میں بھی کوئی ناز کرنے کا محل نہیں۔ دونوں حالتوں میں صرف اُن کا اچھی طرح استعمال کرنا قابل تعریف ہو۔ علاوہ برین بعض اوقات ایک شخص جیسا ظاہر میں نظر آتا ہے اصل میں اُس سے زیادہ ہوتا ہو۔ چال چلن دریافت کرنے میں آنکھ ہی بڑی رہتا ہو۔ امرسن کا قول ہے کہ ”جب آنکھیں ایک بات بتاتی

عہ امرسن ایک مشہور اور مستند ادیب و انشا پرداز تھا جس سے امریکہ کی سرزمین کو فخر حاصل ہو۔

مسئلہء عین شربوسٹن میں پیدا ہوا تھا۔ اور گزشتہ صدی کے آخر میں مرا۔

ہوں اور زبان دوسری بات کہتی ہو تو دانا آدمی آنکھ ہی کی بات پر اعتبار کرتا ہو
 ہر شخص کے نیک مزاج ہونے کا حد سے زیادہ اعتبار محض اُس کئے یا اس
 کی باتوں پر نہ کر لو۔ پہلی نظر میں نہ تو مرد مردوں سے محبت کرنے لگتے ہیں اور نہ
 عورتیں عورتوں سے۔ اگر کوئی اجنبی تم سے حد سے زیادہ محبت کا اقرار کرے
 اور بہت کچھ دکھائے تو تم اُس کی باتوں کا یقین واثق نہ کر لو۔ ممکن ہو کہ اُس نے
 جھوٹ نہ کہا ہو تاہم شاید جتنا وہ کہتا ہو اتنا اُس کا مطلب نہ ہو۔ یا شاید وہ
 شخص تم سے کوئی غرض رکھتا ہو۔ لہذا محض اس بنا پر کہ کوئی شخص دوستی کا اظہار
 کرتا ہو یہ یقین نہ کر لو کہ وہ تمہارا دوست ہو اور نہ اس بات کو جلدی سے باور
 کر لو کہ فلاں شخص میرا دشمن ہو۔

ہم اس بات پر ناز کرتے ہیں کہ ہم فہم اور ادراک رکھتے ہیں لیکن یہ فرض کر لینا
 کہ انسان ہمیشہ ادراک و فہم کی ہدایت کے مطابق عمل کرتا ہو۔ بہت بڑی غلطی
 ہے۔ ہم ایک عجیب متضاد اور متلون مزاج مخلوق ہیں۔ زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ ہم
 اپنے جوش اور بدظنی کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تم لوگوں کو
 اُن کے جذبات کا خیال رکھنے سے اپنا ساتھی بنا لو گے مگر اُن کو قائل کر کے ایسا
 نہیں بنا سکتے۔

مباحثہ اور استدلال کسی قدر خطرناک ضرور ہے اس سے اکثر افسردگی اور
 کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تم بحث میں جیت جاؤ اور کسی دوست
 کو ہمت سے کھو دو۔ مگر یہ اچھا سودا نہیں ہے۔ اگر تم کو بحث کرنا لازمی ہے تو تمہیں
 اس بات کا احتیاط حاصل ہو جو چاہو مان لو۔ لیکن ہمیشہ اس بات کے ظاہر کرنے کی

کوشش کرو کہ گویا کوئی نہ کوئی لفظ تم سے سہو ہو گیا ہو۔ بہت کم آدمیوں کو اس بات کا علم ہوتا ہے ہمارے دلیل میں کس مقام پر زیادہ خرابی تھی۔ اور اگر اس بات کا علم ہو بھی جاتا ہے تو وہ اس کو پسند نہیں کرتے۔ ملاوہ برین اگر اُن کو اپنے بار جانے کا علم بھی ہو جاوے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ قائل بھی ہو گئے۔ اور اُن کو اطمینان بھی ہو گیا۔ شاید یہ کہنا نامناسب نہ ہو گا کہ کسی شخص کو دلیل سے قائل و معقول کرنے کی کوشش کرنا بے فائدہ ہے اپنے بیان یا اپنی غرض کو جہاں تک ممکن ہو صاف اور اختصار کے ساتھ ادا کر دو اور اگر تم نے اتنا بھی کر لیا کہ اُس شخص کو اپنی رائے پر جس قدر اعتقاد تھا وہ ڈگمگایا تو بس یہ کافی ہے اور اس سے زیادہ امید تم کو نہ رکھنی چاہیے۔ اور یہی تمہاری کامیابی کا پہلا قدم ہے۔

بات چیت کرنا بجائے خود ایک فن ہے۔ اور یہ لازمی بات نہیں ہے کہ جن لوگوں کے پاس زیادہ مضمون ہوں وہی اچھے تقریر کرنے والے بھی ہوں۔ اگرچہ لارڈ چیپٹر فیلڈ کا یہ کہنا حد سے بڑھ جاتا ہے کہ لٹٹون کے سرداروں میں بہت ہی کم ہیں جو دومی کا رٹ یا سر آیزک نیوٹن سے بہتر ذہن صحبت نہ ہو سکتے ہوں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اچھا سننے والا ہونا بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ اچھا مقرر ہونا۔ یہ بات یعنی اچھا سننے والا ہونا کسی طرح آسان نہیں ہے اور قریب قریب اُسی قدر ضروری ہے جس قدر کہ اچھا مقرر ہونا۔ جو کچھ کہا جائے اُس کو نکتہ چینی کی نظر سے نہ دیکھو۔ اور نہ اس نگاہ سے دیکھو کہ گویا تم اُس بات کی منصف قرار دیے گئے ہو۔ بلکہ اپنی رائے کو ملتوی رکھو اور یہ کوشش کرو کہ جو کچھ مقرر کے

خیالات و جذبات ہیں اُن میں تم کو دخل ہو جاوے۔ اگر تم مہربان اور ہمدرد ہو گے تو اکثر تمھاری صلاح لی جاوے گی۔ اور تم کو اس بات کی خوشی حاصل ہوگی کہ تم سے لوگوں کو تکلیف اور ترزدگی کی حالت میں مدد ملی۔ جب تک تم نو عمر ہو اُس وقت تک اس بات کی بہت زیادہ امید نہ رکھو کہ لوگ تمھاری طرف زیادہ متوجہ ہوں اور تمھارا خیال کرین بیٹھو۔ سنو۔ اور دیکھتے رہو۔ یہ ایک مثل ہے کہ ”جو لوگ کنارے کھڑے ہوئے ہوتے ہیں وہ تماشے کو خوب دیکھتے ہیں“ جو کچھ ہو رہا ہو تم اُس کو بخوبی دیکھ سکتے ہو۔ چاہے لوگ تم کو نہ دیکھیں اور تم سے خبر نہ ہوں اِس کو تم ایسا ہی سمجھو کہ گویا تم لوپ انجن لگائے ہوئے ہو۔ تم سب کو دیکھتے ہو اور تمھیں کوئی نہیں دیکھتا۔“

اپنے سوچنے کی تکلیف سے بچنے کے لیے چونکہ لوگوں کو سوچنا ناگوار ہوتا ہے لوگ تمھارا اندازہ اُتنا ہی کر لیں گے جتنا کہ تم نے خود اندازہ کیا ہے۔ لا بر و سیر کا مقولہ ہے کہ ”اس دنیا میں کوئی شخص اپنے تئیں جتنا بنانا چاہتا ہے اُس سے زیادہ نہیں بنا سکتا ہے۔“

تم لوگوں کو اپنا دشمن نہ بنا لو کیونکہ اس سے زیادہ بُری کوئی بات نہیں ہے۔ ایک بیوقوف کو اُس کی حماقت کے موافق جواب نہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھلی سی کے سے ہو جاؤ۔

یہ یاد رکھو کہ نرم جواب غصے کو دور کر دیتا ہے مصرعِ نبردِ قزِ نرم را تیغ تیز۔ تاہم ایک غصے کا جواب اتنی بڑی حماقت نہیں جتنا کہ طنز یہ جواب دینا ہے۔ نوپے فی صدی آدمی گالی اور ضرر کا اتنا بُرا نہ مانیں گے جتنا کہ اُن کو بنایا جانا اور

اُن پر ہنسا جانا ناگوار ہوگا۔ وہ سوائے تضحیک کے اور ہر بات کو جلدی بھول جا دیں گے۔

لوگوں کو دھوکے میں رہنا زیادہ خوش آتا ہو بہ نسبت اس کے کہ وہ کسی دھوکے سے نکل جائیں طراسیلوس نام ایک ایتھنز کا رہنے والا اتفاقاً مجنون ہو گیا اور اُس کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جتنے جہاز پیریس میں ہیں وہ سب میرے ہی ہیں۔ پھر جب وہ کریٹو کے علاج سے اچھا ہو گیا تو اُس نے کریٹو سے اس بات کی بڑی شکایت کی کہ میں لٹ گیا۔ لارڈ چیپر فیلڈ کا قول ہے کہ ایک دوست کو مذاق کے واسطے کھو دینا بڑی حماقت ہے لیکن میرے نزدیک ایک اچھے لفظ کو استعمال کرنے کی وجہ سے بھی کسی شخص کو اپنا دشمن بنالینا کسی طرح اُس سے کم درجے کی بیوقوفی نہیں ہے۔

جلدی سے اپنے دل میں اس شک کو جگہ نہ دے دو کہ تمھاری توہین کی گئی اور نہ یہ خیال کر لو کہ تم ہی ہنس گئے۔ اس کرب اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے ”مجھے یقین ہے کہ اُن لوگوں نے میرے ہی بابت کچھ کہا کیونکہ وہ اس قدر ہنسے کہ ہنستے ہنستے دم ہو گئے۔ بخلاف اس کے اگر تم ہنسے جاؤ تو تمھاری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ تم اُس ہنسنے پر غالب آ جاؤ۔ اگر تم لوگوں کے ساتھ خود بھی اپنے اوپر ہنسو گے تو بالآخر ہی ہاتھ رہے گا اور تم بجائے نقصان کے فائدے ہی میں رہو گے۔ ہر ایک شخص ایسے آدمی کو پسند کرتا ہے جو کہ اپنے اوپر فقرہ کہے جانے کا برا نہیں

عہ اس برائی حکیم کے حالات ہمیں نہیں معلوم ہو سکے اور نہ اس کے کچھ حالات معلوم ہو سکے ہیں۔

مانتا بلکہ ہنستا ہوا اور انصاف کی بات بھی ہو کہ اس سے اُس کی خوش مزاجی اور خوش فہمی معلوم ہوتی ہو۔ اگر تم اپنے اوپر خود ہنسو گے تو اور لوگ تم پر نہ ہنسن گے۔

تم کو اپنی رائے پر قائم رہنے کی ہمت رکھنی چاہیے۔ تم کو یہ پہلے سے سمجھ لینا چاہیے کہ اکثر لوگ تم کو ہنسن گے۔ جب تم ایسے ہو جاؤ گے تب تم کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ جیسے تم ہو لوگوں کی نظروں میں ویسا ہی معلوم ہونا کوئی تضحیک کی بات نہیں۔ ہاں یہ البتہ تضحیک کے قابل بات ہو کہ جتنے تم حقیقتاً نہیں ہو اپنے تئیں اتنا بناتے یا دکھاتے ہو۔ بہت لوگ بعض وقت محض خیالی شکایت کے سبب سے اپنے آپ کو آزار پہنچاتے اور دوسروں سے ناراض اور افسردہ دل ہو جاتے ہیں۔

لوگوں سے صاف رہو۔ مگر اپنے تئیں ذرا لیے رہو۔ اپنے متعلق بہت زیادہ باتیں نہ کرو۔ تمہاری باتیں نہ اپنی نہ اپنے لیے اور نہ اپنے خلاف ہوں۔ بلکہ معمول رکھو کہ اور لوگوں کو جتنا وہ اپنی بابت کہنا چاہیں کہہ لینے دو۔ اگر وہ اپنے متعلق باتیں کرتے ہوں تو تم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اُس کو پسند کرتے ہیں۔ پس اگر تم اُن کی باتوں کو خموشی سے سنو گے تو اُن لوگوں کا خیال تمہاری نسبت اور بھی زیادہ اچھا ہو جائے گا۔ کیونکہ تم نے اُن کی باتیں سن لیں۔ تمہیں یہ نہ چاہیے کہ اس بات کو ظاہر کر دو کہ تم اُس شخص کو بیوقوف یا موٹی عقل کا سمجھتے ہو۔ (لیکن ہاں اگر یہ ظاہر کرنا تمہارا فرض ہو تو مجبور رہی ہو)۔ اگر تم نے ایسا کیا تو اُس کو بیشک شکایت کا موقع ہو گا۔

ممکن ہو کہ تمھاری رائے غلطی پر ہو اور اگر ایسا ہوا تو وہ شخص تمھاری نسبت بھی وہی رائے قائم کر لے گا جو تم نے اُس کی نسبت قائم کی تھی۔

برکتے ایک مرتبہ کہا کہ ”میں کسی پوری قوم پر کبھی جرم نہ لگا سکا“ ایک فرقہ بھر پر یا کل آدمیوں پر جو ایک پیشے کے ہیں حملہ کرنا دانشمندی سے بہت بعید ہو۔

ایک شخص بھول جاتا ہوا اور معاف بھی کر دیتا ہو لیکن ایک جماعت کے دل سے کبھی بات نہیں نکلتی علاوہ ہرین ایک شخص واحد بھی ضرر رسانی کو بہت ہتک کے جلدی معاف کر دے گا۔ بیودہ بنائے جانے سے زیادہ کوئی اور بہت دل میں نہیں کھٹکتی ہو۔ لوگوں کو برہم کرنے یا بنانے سے تم کو اپنے مقصد میں کبھی کامیابی نہ ہوگی۔

گیٹھ نے ایکریٹین سے گفتگو کرنے میں ہمارے ملک یعنی اہل انگلستان کی بہت تعریف کی ہو۔ وہ کہتا ہو کہ ”انگریز لوگوں کی آمد اور طرز معاشرت میں کچھ ایسا استقلال ہو اور وہ بھی خاموشی کے ساتھ ہوتا ہو کہ آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ گویا ہر جگہ کے یہی مالک ہیں اور ساری دنیا انھیں کی ہو۔“ ایکریٹین نے جواب دیا ”اگر اس میں شک نہیں کہ نوجوان انگریز جرمن کے نوجوانوں سے نہ تو زیادہ ہوشیار ہیں نہ زیادہ تعلیم یافتہ اور نہ اُن کا دل ان سے زیادہ صاف اور اچھا ہو۔“ گیٹھ نے جواب دیا ”جو میں کہتا ہوں وہ

عہد برک انگلستان کا ایک نامی ادیب اور گران پابہ در مملکت تھا ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۹۲ء میں دنیا سے رخصت ہوا۔

عہد گیٹھ سب سے بڑا جرمنی کا ادیب تھا۔ ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۸۹۲ء میں ملا۔

یہ بات نہیں ہو بے شک ان باتوں میں وہ لوگ بڑھے ہوئے نہیں ہیں۔
اور نہ ان کو دولت اور نسب کا فوق ہو۔ مگر ان کی فوقیت یہ ہو کہ ان میں ویسے
ہی ہونے کی ہمت ہو جیسا کہ فطرت نے اُنھیں بنایا ہو۔ وہ ادھر سے نہیں
ہیں۔ وہ پورے آدمی ہیں مین مانتا ہوں کہ بعض وقت وہ پورے ہیوقوف
بھی ہوتے ہیں لیکن اس میں بھی ایک بات، اور وہ قابل قدر ہو۔

ہر ایک کام اور تحریر میں بردباری اور تحمل سے کام لو۔ بہت سے لوگ یہ
زیادہ پسند کریں گے کہ آپ ان کی پوری داستان کو سنیے بمقابلہ اس بات
کے کہ آپ ان کی درخواست کو بغیر سنیے منظور کر لیں۔

کبھی آپ سے باہر نہ ہوا۔ اگر کبھی برہم ہو بھی جاؤ تو اپنی زبان بند رکھو
اور کوشش کرو کہ تمھاری برہمی ظاہر نہ ہو۔ غصے کو موقوف کرو۔ برہمی کو
چھوڑ دو۔ اور بُرائی کرنے کے واسطے بے قرار نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ ایک نرم جواب
غصے کو دور کرتا ہے اور آزر دہ کرنے والی باتیں غصے کو بڑھا دیتی ہیں
ایسی جگہ کبھی نہ گھس پڑو جو تمھاری ضرورت نہ ہو یا تم نہ بٹائے
گئے ہو۔ دنیا بھر میں تمھارے واسطے جگہ پڑی ہو کنگ جمیس نے کھی سے
کہا کہ ”کیا میرے پاس تین سلطنتیں نہیں ہیں؟ اور تجھے میری ہی آنکھ میں
گھسنا فرض ہو؟“

بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہو کہ یا تو غلط بات کہیں گے یا ایسی بات
کہیں گے جس سے پُر لال واقعات تازہ ہو جائیں اور اختلاف رائے
پیدا ہو۔

جو علم آدمیوں کے حق میں مفید ہو اُس سے زیادہ مفید کوئی سائنس
 نہیں ہے۔ یہ سب سے زیادہ ضروری ہو کہ تم عقلمندی سے نہ صرف اس
 بات کا فیصلہ کرنے کے قابل ہو کہ کس آدمی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور
 کس پر نہ کرنا چاہیے بلکہ اس بات کا بھی کہ کہاں تک اور کس معاملے
 میں تم کو اُن پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ یہ چیز آسان نہیں ہو۔ یہ بہت ضروری
 ہو کہ تم اُن لوگوں کو جو تمھارے ساتھ یا تمھاری ماتحتی میں کام کر رہے
 طرح پسند کر لو۔ اور جس وضع اور جس کام کا ہو اُسے اُسی وضع اور اُسی کام
 میں لگاؤ۔

کن فیوٹیشس کا قول ہے ”جس آدمی کی طرف سے تم مشکوک ہو
 اُسے کبھی نہ نوکر رکھو۔ اور اگر نوکر رکھو تو پھر اُس پر شک نہ کرو۔“
 شکی آدمیوں کی بہ نسبت وہ لوگ جو لوگوں کا اعتبار کر لیتے ہیں
 اکثر زیادہ درستی پر ہوتے ہیں۔

اعتماد کلی ہونا چاہیے لیکن اندھا نہ ہو جانا چاہیے۔ مرلن باوجود کچھ
 عاقل تھا لیکن چونکہ اُس نے کوتاہ فہمی سے **وائی ویمین** کی اس التجا
 کو منظور کر لیا کہ ”یا تو میرے اوپر پورا بھروسہ کرو یا بالکل نہ کرو۔“ اور آخر

عہ کن فیوٹیشس چین کا بہت بڑا فلسفی مقنع اور مقتدا ہے دین گذرا ہو جو آج تک چین میں
 اور کوریا میں مانا جاتا ہے۔ اُس نے اخلاقی اصلاح ہی نہیں کی بلکہ چین کی سلطنت بھی مضبوط کر دی
 یہ حکیم حضرت مسیح سے چھ سو برس پیشتر تھا۔

عہ مرلن ایک بہت چڑانا انگریز انشا پرداز ہو جو شک و شبہ میں تھا۔ وہ اپنے زمانے میں ایک
 جادوگر اور کاہن خیال کیا جاتا تھا۔ خلاف عقل اور جادو کی سی کہانیاں اُس کی طرف منسوب ہیں
 اس کا اور وائی ویمین کا قصہ بھی اسی قسم کا ہے۔

اسی کے نتیجے میں اپنی جان گنوا دی۔

ہمیشہ عقل سے کام لو۔ اور آپ خود ہی اپنے مشیر رہو۔ کیونکہ اگر خود ایسا نہیں کرتے ہو تو یہ امید کرنا فضول ہو کہ دوسرا تمہارے واسطے کرے گا۔ ایک عقلمند آدمی کا منہ اُس کے دل میں ہوتا ہے۔ اور بیوقوف آدمی کا دل اُس کے منہ میں ہوتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ وہ جانتا ہے یا خیال کرتا ہے اُسے فوراً بک ڈالتا ہے۔

اپنے دماغ سے کام لو۔ اپنی عقل سے صلاح لو۔ یہ بات نہیں ہے کہ عقل سے غلطی ہی نہیں ہوتی لیکن اگر تم ایسا کرو گے تو بظن غالب تم سے کم غلطی ہوگی۔

گفتگو اگر چاندی ہے تو خموشی سونا ہے۔

بہت سے لوگوں کی غرض بات کرنے سے یہ نہیں ہوتی کہ اُن کو کچھ کہنا ہوتا ہے بلکہ اُن کو محض باتیں کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ گفتگو دماغ کی مشق کے واسطے ہونی چاہیے نہ زبان کی مشق کے لیے۔ محض باتیں کرنے کے شوق میں بک بک کرنا کامیابی کے واسطے مضر ہے۔ ڈاکٹر ٹیلر لکھتا ہے کہ ”آدمی باتیں کرتے کرتے کچھ ایسے جوش میں آجاتے ہیں کہ اپنی دھن میں وہ باتیں کہنے لگتے ہیں جو اُن باتوں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں جن کے کہنے کا انھوں نے شروع میں ارادہ کیا تھا اور جنہیں کہ کے تھوڑی دیر کے بعد وہ بچھتاتے ہیں کہ اگر ہم نے نہ کہا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ بارہا ایسا

مہ ذاکر ٹیلر انگلستان کا ایک مشہور مستند مورخ ہے۔ علامہ امین پیدائش ۱۹۰۱ء اور انتقال ۱۹۷۸ء میں مر گیا۔

ہوتا ہو کہ ایسی غیر مناسب باتیں اُن کے منہ سے نکل جاتی ہیں جن کے کہنے میں اُن کا مقصد سوائے زبان کو کام میں لانے کے اور کچھ نہ تھا۔ زبان کی بے لگامی اور بے سوچے سمجھے کچھ کہ بیٹھنا بے شمار بُرائیوں اور تکلیفوں کا باعث ہوتا ہو۔ اس سے اُن لوگوں کے دلوں میں گھینہ پیدا ہو جاتا ہو جن کی بابت بات چیت ہوئی ہو۔ لوگوں میں جھگڑے اور فساد کا بیج بوجاتا ہو۔ اور اس کی وجہ سے وہ ذرا ذرا سے قصور اور ناگواریاں مشتعل ہو جاتی ہیں ہوا اگر ان باتوں کے ذریعے سے یاد نہ دلائی جاتی تو خود بخود جاتی رہتیں۔

لابرویمیر کا قول ہو کہ ”عدہ تقریر کے لیے جس قدر ماتے کی ضرورت ہو اُس سے محروم رہنا اور نہ اُس قدر داغ ہونا جس کی مدد سے کہ وہ بنا ہی جاسکے ایک بہت بڑی بد قسمتی کی بات ہو“ پلوٹا رک بنے ڈمی میٹیس کی بابت یون لکھا ہو کہ ”ایک مرتبہ وہ ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنی زبان بند کیے ہوئے تھا۔ اُس سے پوچھا گیا کہ کیا تو بیوقوف ہو یا تیرے پاس بولنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں جو تو خاموش بیٹھتا ہو؟ اُس نے جواب دیا ”حمق اپنی زبان کبھی نہیں روک سکتا۔“ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا ہو ”اگر تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو باتیں کرنے میں بہت جلد باز ہو تو یہ جان لو کہ ایک بے وقوف شخص اُس سے زیادہ اپنا کام چلا سکتا ہو“ اپنی فوقیت یا بڑائی کے ظاہر کرنے کی کبھی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ انسان کو کمتر سمجھے جانے کا خیال سب باتوں سے زیادہ ناگوار معلوم ہوتا ہو۔

عہ ایک بڑا مشہور یونانی حکیم اور مدبر جو حضرت مسیح سے ۳۱۷ برس پیش تھا۔

اپنے بیان پر حد سے زیادہ یقین نہ رکھو۔ باوجودیکہ تم کو اُس پر یقین کامل ہو مگر ممکن ہو کہ تم غلطی پر ہو۔ حافظہ ہمیں عجیب عجیب چکے دیتا ہوا اور بعض اوقات آنکھ اور کان دونوں دھوکا کھا جاتے ہیں ہمارے قصبات اور ہارسی بدگمانیاں باوجودیکہ عرصے کی ہو گئی ہوں مگر ممکن ہو کہ اُن کی کوئی قومی بناء نہ ہو۔ علاوہ برین اگر تم راستی پر ہو تو حد سے زیادہ یقین نہ ظاہر کرنے سے تمہارا کچھ نقصان نہ ہو جائے گا۔ اپنے کام پر بھی حد سے زیادہ یقین نہ رکھو۔ اور جب کبھی کسی کام کا موقع مل جائے تو اُسے ہاتھ سے نہ جانے دو۔ نہ معلوم آئندہ کیا ہو۔ اور اونٹ کس کروٹ بیٹھے **شعر** بیک لحظہ بیک ساعت بیک دم دگرگون می شود احوال عالم کہا گیا ہو کہ جن لوگوں کو انتظار کرنا آتا ہو۔ اور موقع کو پانے کے بعد ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ہیں انھیں ہر چیز مل جاتی ہو۔ جس شخص کو کام کرنے کا موقع حاصل ہوا در نہ کرے تو یہ یاد رکھو کہ جب وہ کرنا چاہے گا تو اُس وقت اُس کو موقع نہ ملے گا۔

اگر ایک مرتبہ تم موقع کو ہاتھ سے نکل جانے دو گے تو پھر دوبارہ تم کو کبھی موقع نہ ملے گا۔ **ع** گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں احتیاط رکھو مگر اس بات میں حد سے نہ گزر جاؤ۔ اس بات سے بہت زیادہ نہ ڈرو کہ ہم سے غلطی ہو جاوے گی۔ کیونکہ جو شخص کبھی غلطی نہیں کرتا وہ کچھ بھی نہ کرے گا۔

ہمیشہ سُتھرے لباس میں رہو۔ چونکہ پہننا ضروری ہو لہذا ہم کو

اچھے کپڑے پہنا چاہیے۔ مگر حد سے زیادہ اچھے نہیں اور نہ ایسے فضول کپڑے جن میں وقت اور روپیہ ضائع ہو۔ مگر اُن اس کا محاذ رہے کہ چیز اچھی ہو۔ یہ بڑی تعجب انگیز بات ہو کہ لوگ کس قدر زیادہ دوسرے لوگوں کی نسبت اپنی رائے محض اُن کی پوشاک پر قائم کر لیتے ہیں۔ جن لوگوں سے تم ملتے ہو اُن میں سے بہت ایسے ہوتے ہیں جو اپنی رائے ہر حالت میں محض ظاہری وضع و قطع پر قائم کیا کرتے ہیں۔ اور بہت زیادہ ایسے ہیں جو تمہارے اوصاف کی بابت کچھ نہیں جانتے۔ اور مجبوراً اُن کو تمہاری شکل اور صورت ہی پر رائے قائم کرنی پڑتی ہو۔ آنکھوں اور کانوں کے ذریعے سے دل میں جگہ ہو جاتی ہو۔ کیونکہ ننانوے فی صدی تم کو محض دیکھیں گے۔ اور فی صدی ایک شخص کو تمہارے اوصاف کا علم ہوگا۔ علاوہ برین اگر تم اپنی بابت بے خبر ہو اور صاف مستقر نہیں رہتے تو یہ نتیجہ نکالنا غیر مناسب نہ ہوگا (بادجو دیکھ لازمی نتیجہ نہیں) کہ تم دوسرے امور میں بھی بے خبر ہو گے۔

جب تم سوسائٹی میں شریک ہو تو ہمیشہ اُن لوگوں کے طرز کو دیکھو جن کا طور و طریقہ اچھا اور دل فریب ہو۔ ایک بڑا ہی مثل ہو کہ ”طرز انسان بنادیتا ہو“ اور دل فریب شکل ایسی سفارشی چٹھی ہو جو ہمیشہ اور ہر وقت کام آتی ہو۔ بادجو دیکھ اس مثل میں کسی حد تک مبالغہ ضرور ہو لیکن اس میں بہت کچھ سچ بھی ہو۔ بشپ ٹلٹن کا قول ہو کہ ”طرز کو ہر ایک شخص

بشپ ٹلٹن انگلستان کا ایک بڑی مقتدا اور محقق مصنف تھا۔ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۹۰۷ء میں مر گیا۔

کچھ نہ کچھ ضرور مانتا ہو۔ لیکن بعض آدمیوں کے نزدیک طرز ہی سب کچھ ہو
 لیاقت اور علم دون کو نہیں چھین سکتے۔ ان اگر دل ان کے قبضے میں
 آجادیں تو بیشک پھر نہ نکل سکیں گے۔ آنکھوں کو اپنی وضع صورت اور
 حرکات و سکنات اپنا فریفتہ کر لو اور کانوں کو اپنی گفتگو کی لطافت و نازگی
 سے خوش کر دو تب غالباً (بلکہ میں یہ کہوں گا اغلب ہو کہ) دل خود ہی تمھارا
 ہو جاوے گا۔ آنکھیں اور کان ہر شخص کے پاس ہوتے ہیں مگر بہت کم
 ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کی اسے بھی سلیم ہو۔ دنیا ایک سٹیج ہو۔ اور
 ہم سب لوگ ایکٹرز ہیں۔ اور ہر شخص اس بات کو جانتا ہو کہ تماشے کی کامیابی
 اُس کے اچھا کھیلے جانے ہی پر منحصر ہو۔

لارڈ چیپٹر فیملڈ نے اپنے لڑکے کے بابت یوں کہا ہو ”لوگ
 مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ جہاں کہیں اُس کو لوگ جانتے ہیں اُس سے
 محبت کرتے ہیں۔ مجھے اس بات کی بہت خوشی ہو۔ مگر میری خواہش یہ ہو
 کہ لوگ اُس کو جاننے سے پہلے پسند کریں۔ اور بعد ازاں محبت کریں۔“
 اگر تم وضع اور طرح وغیرہ کو ضروری نہیں سمجھتے تو یہ جان لو کہ تم لوگوں
 کے طبائع سے بہت ہی کم واقف ہو۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ ان کی طرف
 تم جتنی زیادہ توجہ کرو کم ہو۔ یہی ایسی چیزیں ہیں جو دل کو بہت مرغوب
 معلوم ہوتی ہیں۔ اور دل کو گرویدہ بنا لیتی ہیں۔ جن کا سمجھنا عقل کے
 واسطے حیات کا حکم رکھتا ہو۔

گر میسر زندگی میں قریب قریب اُسی قدر مدد دیتی ہو جس قدر کہ

میٹونرز۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ایک شخص گھوڑا چڑا لے جاتا ہے اور مضائقہ نہیں کیا جاتا۔ اور دوسرے شخص کو جھاڑی کی طرف دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دی جاتی۔ اس کا باعث ایہ کہ ایک شخص اپنا کام خوشگوار سی کے ساتھ کرتا ہو اور دوسرا بھونڈے پن سے ہمارے ساتھ کتا ہو کہ ”یوتھ اور مر کر می جو خوش بیانی اور ہنر کے دیوتا تھے بغیر گریسیٹر (اسی زینت کی دیوی) کی مدد کے بے دست و پا تھے۔“

تیسرا باب

کفایت شعاری

کفایت شعاری کی انگلستان میں جتنی قدر ہوئی چاہیے نہیں ہوتی۔ ہمارے ہم وطن سخت محنت کرتے ہیں۔ اور معقول آمدنی بھی رکھتے ہیں۔ لیکن کفایت شعاری میں دوسری قومیں ہم سے بڑھی ہوئی ہیں۔ ایک بڑے عقل مند کو میکرنے کہا ہو ”اس بات کا فیصلہ کہ تو امیر ہو گا یا نہیں اس پر مبنی نہیں ہو کہ تو کس قدر پیدا کرے گا بلکہ اس بات پر ہو کہ تو کیا خرچ کرے گا۔“

عہ میوزیو نائیون کے عقیدے میں لیاقت و انانی کا دیوتا تھا۔ اور گریسیو نائیون کی ایک بیوی تھی جس کی جانب زینت و آرائش کے اوصاف منسوب کیے جاتے تھے۔

عہ ہارس جس کا نام یونانی میں پیرا شیوس تھا ایک شیریں زبان یونانی شاعر تھا۔ جو حضرت مسیح سے ۱۰ سال پیش پیدا ہوا تھا اور ۸ سال قبل مر گیا۔

عہ عیسائیون کا ایک فرقہ جس کے پیروکارانی وغیرہ سے ہمت اجنباب کرتے ہیں۔

قطع نظر اس خیال کے کہ کفایت شعاری سے تم امیر ہو جاؤ گے
 آئندہ کی ضرورتوں کے واسطے بھی بچا رکھنا مناسب اور ٹھیک ہو۔ ایک
 بھونڈی مثل ہو کہ ”جب مفلسی دروازے سے داخل ہوتی ہو تو محبت کھڑکی
 کی راہ نکل بھاگتی ہو۔“ لیکن یہ دیکھنا کہ ہمارے جو رو بچوں کو کھانا کپڑا
 میسر نہیں ہو۔ یا ہمارے پاس اتنا روپیہ نہیں ہو کہ بیماری کے وقت ہم
 اُن کا علاج کر سکیں۔ یا اُن کو آرام و آسائش دے سکیں۔ یا جب کہ ہم کو
 اس بات کا خیال آوے کہ اگر ہم نے مناسب مشقت کی ہوتی یا ہم نے
 اپنے ساتھ بے ضرورت فیاضیان نہ کی ہوتیں تو آج اُن کو تکلیف اور
 فکر سے بچا لیتے۔ کس قدر پُراندوہ اور پُر حسرت حالت ہو؟ اس میں
 شک نہیں کہ کفایت شعاری محض روپیہ جمع کرنے کی غرض سے ذلت
 ہو۔ لیکن اس خیال سے کہ ہم کو دوسروں کی محتاجی نہ رہے نہایت
 درست اور مردانگی ہو۔

ہمیشہ حساب و کتاب رکھو۔ اور بہت ہوشیاری کے ساتھ۔ میرا
 یہ مطلب نہیں ہو کہ ذرا ذرا سے خرچ کی بھی تشریح کرنا ضروری ہو۔
 بلکہ میرا منشاء صرف اس قدر ہو کہ تم کو یہ بات معلوم رہے کہ روپیہ
 کس طرح خرچ ہوتا ہو اور تمہیں اشیاء کی بابت کس قدر قیمت دینی پڑی
 ہو۔ جس کو یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ میری آمدنی کس قدر ہو اور میں کتنا
 خرچ کرتا ہوں وہ ہرگز فضول خرچ نہیں ہو سکتا۔ فضول خرچ لوگ
 اپنی آنکھیں بالکل بند کر لیتے ہیں تاکہ اس امر کو نہ دیکھیں کہ ہم کیا کر رہے

ہیں اس امر کو اپنی آنکھ سے دیکھنے کی جرات کرنی نہیں کر سکتا کہ وہ تباہی کے نشیب میں پھسلتا ہوا چلا جا رہا ہو

تم جو بات کرو اپنی آمدنی کے موافق کرو۔ ہر سال کچھ بچاؤ چاہیے اور بالکل قلیل ہی ہو۔ لیکن سب باتوں سے زیادہ یہ بات ضروری ہو کہ تم قرض نہ لو۔ دیکھنا کس گستاخ اگر ایک آدمی کی سالانہ آمدنی بیس روپیہ ہو۔ اور اُس کا سالانہ خرچ اُنیس روپے ہوئے سولہ آنے ہو تو اس کا نتیجہ خوشی ہو گا۔ اور اگر اُس کی آمدنی بیس روپیہ ہو اور خرچ بیس روپیہ اور ایک پیسہ ہو تو یہ سمجھ لو کہ نتیجہ مصیبت ہو گا۔ باوجودیکہ دونوں میں صرف دو ہی پیسے کا فرق ہے۔

یہ کہنا زیادہ سخت نہ ہو گا کہ قرضہ غلامی ہو۔ جو شخص قرض لیتا ہو وہ غم نول لیتا ہو۔ بہت چیزیں زندگی میں ناگوار و نا پسند ہوتی ہیں۔ مہواریس گریلی نے جو کہ ایک بہت بڑا تجربہ کار آدمی تھا نہایت خوب اور سچ کہا ہو کہ ”بھوک۔ سردی۔ چھٹیڑے۔ سخت مشقت۔ امانت۔ اور بیجا ملامت سب باتیں ناگوار ہوتی ہیں لیکن قرض ان سب سے کمین زیادہ بڑھا ہوا ہو۔ کبھی قرض نہ لو۔ اگر تمھارے پاس صرف چار آنے ہوں اور ہفتہ بھر تم کو کچھ اور ملنے کی امید نہ ہو تو چنے

سے ڈیکس انگلستان کا سب سے زیادہ باوقفت و مذاق اور مقبول و ہر دل عزیز ناول نویس تھا جسے انگریز جرنیٹ ناول نویسی کے سبب اول جگہ دیتے ہیں۔ اسلئے عربی پیدا ہوا۔ اور اسلئے عربی مرا۔

سے ہو رہی گری کے حالات سے ہم انوس کے ساتھ رکھتے ہیں کہ واقف نہیں ہو سکے۔

خرید لو اور انھیں بھٹانے کے رکھ چھوڑو۔ ان پر بھر کرنا اس سے اچھا ہے کہ کسی سے ایک روپیہ قرض لو۔ کاب ڈن کہتا ہے ”دنیا میں صرف دو قسم کے آدمی ہیں (۱) جو بچاتے ہیں (۲) جو خرچ کرتے ہیں۔ یعنی کفایت شعار اور فضول خرچ۔ یہ کفایت شعار ہی لوگ ہیں جن کی بدولت مکافون کپڑے بننے کی کلون۔ پکون۔ اور جہازون کی تعمیر ہوئی۔ اور انھیں لوگوں کے تصدق میں وہ بڑے بڑے کام انجام پائے جن کی وجہ سے انسان کو شائستگی اور خوشی حاصل ہوئی اور جن لوگوں نے اپنے مال و دولت کو لٹا دیا وہ ان لوگوں کے ہمیشہ غلام رہے۔ یہ قانون قدرت ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ اور اگر میں کسی گروہ سے یہ کہوں کہ آپ لوگوں کی ترقی اُسی وقت ہوگی جب آپ ناعاقبت اندیشی سے خبری اور کاہلی پر کمر باندھ لیں تو جان لیجئے کہ میں غائب آدمی ہوں“

پلوٹارک کہتا ہے آرمیس کے مندر واقع شہر افسوس میں جو قرض دار جا کے پناہ لیتا ہے وہ قرض خواہ سے مطمئن اور محفوظ ہوتا

عہ کاب ڈن انگلستان کے ایک ضلع کے ایک کسان کا بیٹا تھا جو تجارت کے ذریعے سے ترقی کر کے اس درجے کو پہنچا کہ پارلیمنٹ کا ممبر ہو گیا۔ اور ایسا لائق اور جادو بیان اسپیکر ثابت ہوا کہ بہت کم لوگ اُس کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۹۱۵ء میں راہی ملک عدم ہوا۔

عہ آرمیس قدیم ہند پرستان یونان کا ایک دیوتا تھا جس کا بڑا مندر ایشیائے کوچک کے شہر افسوس میں قائم تھا۔ اور اُس کو یہ حق حاصل تھا کہ جو قرض دار اُس میں جا کے پناہ لے اُس قرض خواہ کسی قسم کی باز پرس نہ کر سکتا تھا۔

ہو۔ لیکن دانا آدمی کے واسطے کفایت سفاری کی دارالامان ہر جگہ موجود ہو۔ جس میں اُسے عزت اور خوشی ملتی ہو۔ اور آرام و آسائش کے واسطے دانی جگہ موجود ہو۔ سولے کاروبار کے نہ قرض لونہ دو۔ کیونکہ نہ تم کو روپیہ ہی واپس ملے گا اور نہ قرضدار تمہارا شکریہ ادا کریں گے۔ قرض دار بھی ہمیشہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ بے انصافی کی گئی اور ہم کو ضرر پہنچا۔ جتنا تم فیاضی سے دے سکتے ہو دو لیکن اُس کے پھر ملنے کی امید نہ رکھو۔

اگر پہلے پہل تمہارے پاس روپیہ آہستہ آہستہ آوے تو بہت نہ مار دو کیونکہ وہ گلی بہت لمبی ہوتی ہو جس میں کوئی موڑ نہیں ہوتا۔ اور اگر ایسا واقع ہو کہ پہلے پہل تمہارے پاس روپیہ آسانی سے آجائے تو سب کا سب خرچ نہ کر ڈالو بلکہ کچھ بارش کے موسم کے لیے بھی بچا رکھو۔ یہ یاد رکھو کہ سب گلیوں میں خواہ وہ اچھی ہوں یا بُری موڑ ضرور ہوا کرتے ہیں۔ اور جو جو وقت گذرتا جائے گا تم کو خرچ کی ضرورتیں بڑھتی جائیں گی۔ بہت لوگ کاروبار میں اس وجہ سے تباہ ہو گئے کہ ادائل میں حد سے زیادہ خوش قسمت ثابت ہوئے تھے۔

امیر ہونے کی بہت جلدی نہ کرو۔ رسکن کہتا ہے اگر تم قیمت کو تصویر پر حکمرانی نہ کرنے دو گے تو ایک وقت ایسا آوے گا جب تصویر قیمت پر حکمرانی کرے گی۔ یعنی اگر تم تصویر کو اس قیمت پر نہ بیچو ڈالو گے جو تم کو پہلے پہل دی جاتی ہو تو ایک وقت آئے گا کہ اُس کی تم جو قیمت

مانگو گئے گی۔ روپے کے واسطے مترود نہ ہو۔ باوجودیکہ چند ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو بہت مالدار ہو جانے کی امید ہوتی ہو۔ لیکن سخت اور کفایت شامی سے ہر شخص اپنا پیٹ بال سکتا ہو۔ ہم لوگوں کو اکثر کہتے سنتے ہیں کہ ”فلان شخص کے پاس دولت ایسا نداری سے نہیں آئی ہو“ لیکن یہ بات شاید ہی سنی جاتی ہو کہ ”مغلسی کسی کے پاس ایسا نداری سے آئی ہو“ وہ شخص مغلس نہیں ہو جس کے پاس روپیہ کم ہو بلکہ اصل میں مغلس وہ ہو۔ جس کی ضروریات بہت ہیں۔

سرجمین پچیٹ جو ڈاکٹری کے مستند عالم تھے ایک ایڈرس میں جو کہ اُنھوں نے اپنے چند ایسے شاگردوں کے متعلق دیا تھا جن کے حالات زندگی سے وہ بخوبی واقف تھے بیان کیا ہو کہ ”بجملہ ایک سبزرالبر کے دوسو نے تو پیشہ ہی کو چھوڑ دیا اور دیگر ذرائع سے دولت مند ہو گئے یا اوائل ہی میں مر گئے باقی ماندہ آٹھ سو میں سے چار سو نے اچھی دولت حاصل کی اور جنھوں نے اُن میں سے بہت ہی زیادہ ثروت حاصل کر لی الغرض ایک ہزار میں سے صرف چھپن ایسے تھے جن کو بالکل ناکامی ہوئی اُن میں سے پندرہ تو ایسے تھے جو کبھی امتحانوں میں پاس نہ ہوئے تھے۔ دس عیاشی اور بے اعتدالی کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔ اور ایک ہزار میں صرف پچیس ایسے تھے جن کو ناکامی ایسے اسباب سے ہوئی جو بظاہر اُن کے اختیار سے باہر تھے“ تم کو یقین کر لینا چاہیے کہ ڈاکٹری

سرجمین پچیٹ انگلستان کا ایک مشہور ڈاکٹر تھا۔ اس کے والد و وفات کا ہم یہ نہیں لے سکے

کی طرح دوسرے حکمون میں بھی اگر تم اپنے تئیں فائدہ مند بناؤ گے تو ضرور پوچھے جاؤ گے۔

درحقیقت کسی شخص کو اپنی زندگی کی ضروریات کی زیادہ فکر نہ کرنی چاہیے۔ منجیر تم سے مانگتا کم جو اور دیتا بہت ہو۔ بخلاف اس کے عیش و عشرت کے سامانوں میں بہت زیادہ روپے کی ضرورت ہو جیسا رسکن نے کہا ہے کہ جتنا روپیہ ایک بُرے کام میں صرف ہوتا ہو اتنے میں در بچون کی اچھی طرح پرورش ہو سکتی ہے۔
یاد رکھو کہ بقول ڈیوک آف ویلنگٹن کے جہان روپے پر سود زیادہ ملتا ہو دلمان اصل روپیہ محفوظ نہیں ہو۔

ایک ٹوکرے میں حد سے زیادہ انڈے نہ رکھو۔ تنھاری سمجھ جا، کیسی ہی اچھی ہو اور تم نے چاہے کیسی ہی اچھی طرح ایک ممالے میں غور کر لیا ہو مگر پھر بھی ممکن ہو کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ تمھارا حساب درہم برہم ہو جائے۔ دانا ترین سوداگر اور مہاجن بھی غلطیاں کرتے ہیں ایک سمجھدار کاروبار می آدمی بس اتنی ہی امید کر سکتا ہو کہ میں نے جو سوچا ہو وہ عام طور سے ٹھیک اُترے گا۔ ہم اپنے بچپن میں یہ سیکھتے ہیں کہ دوا درد چارہ مہوتے ہیں۔ لیکن دوا درد

وہ انگلستان کے متاخر الزمان انتشار داز دن میں رسکن اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اُس کی تحریر حیرت انگیز سمجھی جاتی تھی۔ لہذا اہل تہذیب پیدا ہوا تھا۔ اور ابھی چند روز ہوئے ملے ہو۔

نئے ڈیوک آف ویلنگٹن انگلستان کا ایک نامی اور زبردست سپلائی اور لائی و فائنی مین برسلٹ تھا۔ جس پر وہ فرخاں ہو کر نیپولین پرنا پارٹی کے ماتحتین گرفتار ہوا۔ لہذا وہ اپنے پیارے دوستوں میں مرا۔

بائیس بھی ہو جاتے ہیں۔

معاملات کو خموشی کے ساتھ چلاؤ۔ لارڈ بر و ہم کی بابت یہ نقل مشہور ہے کہ وہ اتنی دیر بھی ساکت نہیں رہ سکتا تھا کہ اُس کی تصویر کھینچ لی جاسکے۔ لہذا اُس کی تصویر میں ہمیشہ عیب ہو جایا کرتا تھا۔

بیچ ہاٹ کہا کرتا تھا کہ ”بہت لوگ کاروبار میں صرف اس وجہ سے تباہ ہو گئے کہ وہ ایک کمرے یا دوکان میں خاموش نہ بیٹھ سکے۔“

ایک معنی کر ہر شخص کاروباری آدمی ہو۔ چاہے کاروباری ہو نا چاہے یا نہ چاہے۔ ہم سب کو فرائض ادا کرنے ہیں۔ مکان کا انتظام دیکھنا ہو۔ اور اپنے اخراجات کو ترتیب دینا ہو۔ چھوٹے چھوٹے معاملات بھی بعض اوقات بڑے بڑے معاملات کی طرح مشکل اور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

خوش قسمتی سے کاروبار میں کامیابی لیاقت سے کمین زیادہ زود فہمی۔ ہوشیاری اور دھیان پر منحصر ہو۔ ایک پُرانے طرز کی مثل ہے کہ ”تم دوکان بھری رکھو! دوکان تمھیں بھرا پُر رکھے گی ستر نو فون“

عہ لاڈ بر دم انگلستان کا ایک رئیس انشا پر داز اور معزز صاحب اثر و بر سلطنت تھا۔ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۸۸۵ء میں مر گیا۔

عہ بیچ ہاٹ غالباً یہی شخص ہے جس کا نام لارڈ ہاٹ تھا۔ انگلستان کا ایک ناول نویس تھا۔ اور ۱۸۵۷ء میں مر گیا۔

عہ ہونان کے شہر ایٹھنر کا ایک مشہور جہل غسفی اور مورخ جسے سقراط کی شاگردی کا فخر حاصل تھا حضرت مسیح سے ۳۰۰ سال پیش پیدا ہوا۔ اور ۳۰۰ سال قبل مر گیا۔

نے بھی اسی قسم کی ایک روایت لکھی ہو کہ۔ ایک فارس کا پادشاہ اپنے ایک عمدہ گھوڑے کو بہت جلد تیار کرانا چاہتا تھا۔ لہذا اُس نے اُن لوگوں سے جن کو کہ اس علم میں دخل تھا پوچھا گھوڑے کو سب سے جلد کیا چیز تیار کر دے گی۔ جس کا جواب یہ ملا کہ ”مالک کی نظر“

اس بات کی بہت ضرورت ہو کہ انسان اپنے تئیں اُن عادتوں کا عادی کرے جو کاروباری لوگوں میں ہوتی ہیں۔ بہت عرصہ نہیں گذرا کہ میرے ایک دوست نے جو بہت مشہور و معروف آدمی تھا مجھے یقین دلایا کہ جب میں نے اس بات پر غور کیا کہ اُن لوگوں کی ناکامی کی کیا وجہ ہوئی جو بہت بڑے قابل اور نہایت عمدہ چال چلن کے آدمی تھے تو مجھ کو اکثر حالتوں میں یہ معلوم ہوا کہ وہ سُست اور کاہل تھے اُن میں وقت کی پابندی نہ تھی۔ دوسروں کے ساتھ دل لگا کے کام نہ کر سکتے تھے۔ اور فراز اسی بات میں ضد کرتے رہتے تھے۔ یعنی درحقیقت اُن میں کاروباری آدمیوں کی سی عادتیں نہ تھیں۔

چھوٹے چھوٹے امور میں بھی بڑے بڑے امور کی طرح ترتیب اور منابطہ کی سخت ضرورت ہو۔ ہر ایک چیز کو اُس جگہ رکھنا جہاں وہ موزون ہو نہایت ہی عمدہ قاعدہ ہو اور اگر تم ذرا اسی تکلیف اٹھا کے اُن چیزوں کو جن کا اب تم کو کام نہیں رہا جو اُن کے معینہ مقام پر رکھ دو تو پھر جب کبھی تم کو اُن کی ضرورت ہوگی تو بہت آسانی سے مل جاویں گے۔

زوفون کہتا ہو ”میرے نزدیک بے ترتیبی ایسی ہی ہو جیسے کہ کوئی کسان بجائے اس کے کہ ہر قسم کے اناج کو علیحدہ علیحدہ رکھے اپنی کوٹھری میں گیہون جو اور مشرب کو ایک ہی ٹیکے میں بھر دے۔ اور جب اُسے گیہون جو یا مشرب کی روٹی پکانے کی ضرورت ہو تو اُس اناج کو ایک ایک دانہ جُن کے الگ کرے۔“

اسی بارے میں اُس نے ایک بہانہ کی مثال بھی پیش کی ہو۔ وہ کہتا ہو۔ ”جب سمندر میں طوفان آجاتا ہو تو اتمانہ وقت نہیں ملتا کہ جس چیز کی ضرورت ہو اُس کو ڈھونڈنے بیٹھیں۔ یا ایسی چیز کو استعمال کریں جو مشکل سے کام میں لائی جاسکتی ہو۔ کیونکہ دیوتا غافل آدمیوں کو دھمکا اور سزا دیتے ہیں۔ اگر دیوتا صرف اُن لوگوں کو غارت کرنے سے چھوڑ دیں جنھوں نے کوئی بُرائی نہیں کی ہو تو ہم کو اس پر قناعت کرنی چاہیے اور اگر وہ اُن لوگوں کی جان بھی بچا دیں جو ہر ایک چیز کی ٹھیک طور سے خبر رکھتے ہیں تو ہم کو اُن کا شکریہ ادا کرنا چاہیے لہذا ہر ایک چیز کو اُس کی مناسب جگہ میں رکھو۔“

ارسطا طالیس سے لے کر کارلائل تک جتنے فلاسفر گزرے

ہیں اُن میں بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے اہل حرفت و تجارت کی بہت

عہ ارسطا طالیس ہی گرامی یونانی حکیم۔ فلسفہ مشائی کا موجد اور منطق کا پہلا استاد جسے معلم اول کا خطاب دیا

گیا ہو۔ حضرت مسیح ۳۸۴ سال پہلے پیدا ہوا۔ اور ۳۲۳ سال پہلے مرے۔

عہ کارلائل سکاٹ لینڈ کا ایک بردست اور عجیب غریب شخص کا انشا پر دار تھا جس کا نام میں یہ ہوا اور اُس نے برسوں پہلے

زور سے مذمت کی ہو یا یون کہنا چاہیے کہ انھوں نے حرفت و تجارت کو بہت حقیر اور ذلیل سمجھا ہو فلاطون نے اپنے اصول جمہوری میں سے سودا گروں کو شہری ہونے کے حقوق سے بالکل خارج کر دیا ہے۔ اور یہ ذلیل کام صرف غیر ملک والوں کے واسطے چھوڑ دیا ہو کہ اگر وہ چاہیں تو کریں۔ چنانکہ بہت لوگ ایسے ہیں جن کو حرفت و تجارت مجبوری کی حالت میں کرنی پڑتی ہے۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ حرفت اور تجارت کا اثر چال چلن پر ایسا ہوتا ہو کہ انسان کا چال چلن بگڑ جاتا ہو اور نیز وہ دماغی تربیت کے واسطے ناموافق ہو تو یہ بڑے افسوس کی بات تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا کہ رو باری لوگ اپنا بچا ہوا وقت دوسرے کاموں میں بھی صرف کر سکتے ہیں۔ اس بارے میں میں صرف سائنس اور لٹریچر سے مثالیں فراہم کروں گا۔ فیس مائٹھ مصور بھی تھا اور علم نجوم بھی جانتا تھا۔ گروٹ مورخ بھی تھا اور مہاجن بھی سرجے ایوانکس کا غذا بنانے والا بھی تھا آثار قدیمہ کی جستجو کرنے والی سوسائٹی کا پریسیدنٹ بھی تھا۔ اور خزانچی بھی تھا۔ ہر سیچ پہلے سو اگر بعد ازاں آکس فورڈ یونیورسٹی میں علم معدنیات کا پروفیسر رہا۔

عہد فلاطون یونان کا سب سے نامی گرامی فلسفی الہیات کا اہر۔ اور سقراط کا شاگرد رشید تھا۔

حضرت مسیح سے ۴۲۵ سال پیش پیدا ہوا۔ اور ۳۸۷ سال پیش مر گیا۔

عہد فیس مائٹھ ایک زبردست انجینئر اور بہت سی کھون کا موجد تھا جو مسئلہ مین پیدا ہوا تھا اور اُس صدی کے آخر میں مرا۔

عہد گروٹ نے اپنی یونان کی تاریخ سے نہایت ہی مقبولیت اور شہرت حاصل کی۔ عہد مین پیدا ہوا اور عہد مین مرا۔

روجرس مارجن اور شاعر تھا۔ پیرٹڈ مارجن اور شاعر اور میلر باپ خود
بنیکر اور علم ریاضی کا جاننے والا تھا اور بہت زمانے تک رائل سوسائٹی
کا خزانچی اور دائس پریسیدنٹ تھا۔ اور بھی بہت سے لوگ ایسے ہی
گزرے ہیں۔

کارلائل: بازار کے بہت ہی گر جانے کے وقت خریدنے اور بازار
کے بہت زیادہ چڑھے ہونے کے وقت بیچنے کے اصول پر بہت زور
و شور سے اعتراض کیا ہو۔ وہ یہ رائے دیتا ہو کہ ہم کو روٹی کی کم سے
کم قیمت مقرر کر دینی چاہیے۔ یعنی کم سے کم جو مقرر کر سکتے ہوں مقرر کر دین
پھر نہ گھٹائیں نہ بڑھائیں۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ اور چیزوں کی بھی قیمت
معین ہونی چاہیے۔ اور ہم کو یہ کہنا چاہیے کہ ”فی الحال ہم روٹی کے اور
زیادہ ارزان کرنے کی کچھ پروا نہیں کرتے“ اور ہم کو دوسری قوموں
سے ستانہ بیچنا چاہیے۔

”بھائیو ہم دوسری قوموں سے ستانہ بیچیں گے ہم اُس نرخ پر بیچیں گے
جو بھاؤ کہ اوروں نے لگا دیا ہو۔“ اس بات میں صرف اتنا ہی نہیں کہ
اس پر عمل درآمد نہیں ہو سکتا بلکہ بالکل غلط بھی ہو۔ اگر ہم سوتی چپڑن
کم بیچیں گے تو یہ بھی ضروری ہو کہ اُن کے مقابلے میں ہم کھانے کی چیزیں
کم خریدیں گے۔ کارلائل خود اس بات کا معترف ہو کہ کم دام پر بیچنے سے

عہد رجسٹرننگ کا ایک نامی گرامی شاعر گذرے۔ جو سٹیم میں پیدا ہوا۔ اور سٹیم میں رہی عدم ہوا
عہد پر پڑھی ایک انگلش مقبول شاعر تھا۔ جو سٹیم میں پیدا ہوا۔ اور سٹیم میں
رہی ملک عدم ہوا۔

مال زیادہ بکتا ہو پھر اگر اُس کے قاعدے پر عمل کیا جاوے تو انسان کو کپڑے کی ضرورت ہوگی۔ مگر وہ مقرر قیمت نہ دے سکیں گے۔ سہم کا لال کی بتلائی ہوئی قیمت سے کم پر بیچتے تو بیچ لیتے۔ مگر وہ ہین کم پر بیچنے سے روکتا ہو۔ لہذا یہ بات لازمی ہوگی کہ دوسروں کو کپڑا نہ ملے گا اور ہم کھانے سے محروم رہیں گے۔ تجارت کا اصل اصول یہ ہو کہ جو چیز تمہیں بہت سستی مل سکتی ہو اُسے اُس چیز کے بدلہ میں دوجو نہ مل سکتی ہو۔ جب نرخ گھٹتا ہوا ہو اُس وقت خریدنا اور جب بھاؤ چڑھتا ہوا ہو اُس وقت بیچنا صرف اسی قدر نہیں کہ تجارت کا ایک ضروری اور مسلمہ قاعدہ ہے بلکہ یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی اور اصول ہی نہیں سکتا۔ اس طریقے سے تم اُن شخصوں سے خریدتے ہو جن کو کہ اپنی پیداوار بیچنے کی بہت ضرورت ہو اور اُن لوگوں کے ہاتھ بیچو گے جن کو تمہارے اشیاء کے خریدنے کی بہت ضرورت ہوگی اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہ تجارت ایسا ہوگا کہ جیسے کوئی شخص نیوکیل میں کولا بیچنے لے جاوے جہاں اُس کی کان ہو۔ مصرع بشوخی جو فلفل بہندوستان۔ جتنے لوگ بہت بڑے۔ خوش و خرم اور نیک گذرے ہین اُن میں زیادہ حصہ اُنھیں لوگوں کا ہو جو غریب آدمی تھے وروٹوس ورتھ اور اُس کی بہن کی صرف تیس شلنگ ہفتہ وار آمدنی تھی اور میں یقین کرتا ہوں کہ یہ زمانہ اُن کی بہت خوش و خرمی کا زمانہ تھا لہذا گرامیر ہونا تھا رسی قسمت میں نہیں ہو تو کوئی مضائقہ نہیں میل جول اور اُنس و محبت سے تمہیں کوئی سادی

سی جگہ کوئی ٹوٹا پھوٹا جھوپڑا۔ اور کوئی پیاری شکل ضرور مل جائے گی جس کے
ملنے سے ایسے خوش ہو گے کہ گویا تم کو تمام دنیا مل گئی۔

یہ واقعی بہت تعجب کی بات ہو کہ بڑے بڑے لوگ اکثر مفلس ہی ہوتے
ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول زیادہ مبالغہ نہیں ہو کہ خدا نے جتنے
پیغمبر مبعوث کیے سب چرواہوں ہی میں سے منتخب کیے گئے تھے۔

ایک شاعر کہتا ہے: *ایوزر تو خدا نہ ولیکن بخدا ستا رعیوب*
قاضی الحاکم جاتی۔

مگر روپے کی قوت کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا ایک عام غلطی ہو چکا ہے
دیکھنا چاہیے کہ روپیہ ہمارے واسطے کیا کر سکتا ہو۔ اول کھانے کے
معائے میں دیکھو۔ *سر آرٹھیل* کا قول ہو ”اگر امیر آدمی تندرست رہنا
چاہتا ہو تو اُس کو لازم ہو کہ غریب آدمی کی طرح رہے۔ صبح کے ناشتہ
کے واسطے چار۔ کافی۔ روٹی۔ کھن یا ایک انڈے۔ مچھلی اور شہد سے
بڑھ کے کون چیز ہو سکتی ہو؟ دوپہر کے کھانے کے لیے روٹی پنیر اور بیر
کے ایک گلاس سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہو۔ بھوک کے وقت سادی
غذا جو اچھی پتی ہوئی ہو ویسی ہی مزے دار معلوم ہوتی ہو جیسا کہ لارڈ میر کی
دعوت کا کھانا۔ صحت بخش اور عمدہ غذا میں اگر بگڑ نہ گئی ہو تو کچھ بہت زیادہ

عہ لندن میں وسط شہر کے پولیس پر ایک معزز عمدہ دارمکران رہا کرتا ہو جس کی حیثیت کو تول
سے بڑھ کے بہت بڑے معزز عمدہ دار کی ہوتی ہو۔ ہر سال نیا لارڈ میر منتخب ہوا کرتا ہو۔ وہ منتخب
ہوتے ہی عام شرفاء و معززین کی ایک بڑی بھاری دعوت کیا کرتا ہو۔ اور اُس دن شہر میں ہر حکم
جشن ہوتے ہیں۔ اس دعوت کا کھانا مکلفات میں مشہور ہو۔

نہیں صرف ہوتا۔ لیکن ہاں اگر وہ بگڑ جاتی ہو تو مزہ نہیں باقی رہتا ہے۔ ایک انڈے میں عموماً وہی مزہ ملتا ہو جو کہ دعوت کے کھانوں میں ملتا ہو بلکہ بعض حالتوں میں اُس سے بھی زیادہ لذیذ معلوم ہوتا ہو۔

اور کتا بون کے معاملے میں؟ واقعی دراصل غریب وہی شخص ہو جس کے پاس اتنا روپیہ نہیں ہو کہ جن کتا بون کو پڑھنا چاہتا ہو انھیں خرید نہ سکے عمدہ کتا بین مثل انجیل۔ اور شکسپیر اور ملٹن وغیرہ کے تصانیف کے اب اس قدر ارزان ہیں بیان سے باہر ہو۔

کیا روپے سے تندرستی۔ عقل۔ دوست۔ خوبصورتی یا حساندانی فارغ البالی ہو سکتی ہو؟

کنفیو شئیس کہتا ہو ”ڈیوک آف ٹیک بہت ہی امیر آدمی تھا مگر اُس سے کسی شخص کو محبت نہ تھی اور پنی کی بھوکوں مر گیا مگر اب تک لوگ اُس کے واسطے رنج و الم ظاہر کرتے ہیں۔“

علاوہ برین ٹیک کہتا ہو کیا دولت خوشی دے سکتی ہو؟ اپنے چاروں طرف دیکھو کہ کیسے کیسے امیر تباہی اور تکلیف میں مبتلا ہیں اور کیسے کیسے دولت مند مصیبت میں گرفتار ہیں۔ مجھے ان لوگوں کی جھک و ہک پر حسد نہیں کرتا۔ اور نہ میں اُن کے اُن ملع کیے ہوئے آلام پر شک کرتا ہوں۔“

عہ نیگ انگلش قوم کا ایک مشہور ادنیٰ شاعر ادراشا پر داز گورا ہو۔ سلام میں پیدا ہوا۔ اور شاعرا م میں مر گیا۔

لیکن کتا پڑ لوگ جب بہت زیادہ مالدار ہو جاتے ہیں تو بالکل آپے سے باہر ہو جایا کرتے ہیں۔ اور جب وہ کاروبار کے جھنجھڑ میں پھنس جاتے ہیں تو انھیں اتنا وقت بھی نہیں ملتا کہ اپنی جسمانی یا دماغی صحت قائم کرنے کی طرف توجہ کریں۔

یڑیان سب خراب ہی ہوتی ہیں۔ چاہے وہ سونے ہی کی کیوں نہ ہوں۔ روپیہ ہزاروں فکر و ن کا گھر ہو۔ جس طرح مٹھی میں انکار ہوتے ہیں ویسے ہی امیری بھی فکر و ن سے خالی نہیں ہو۔ اور بہت سے لوگ ایسے مالدار ہیں جو اصل میں دیکھو تو روپے کے مالک نہیں بلکہ اُس کے بندے ہیں۔ بٹشپ ولسن کا قول ہو کہ ”بہت سی حالتوں میں دولت جن لوگوں کے پاس ہوتی اُس سے اُن کو صرف فکر ہی نہیں پیدا ہو جاتی ہو بلکہ باعث اذیت ہوتی ہو۔“

اس میں شک نہیں کہ بہت لوگ روپے ہی کی وجہ سے تباہ ہو گئے اور عموماً امیر لوگ جتنے روپے کے معاملے میں متردد ہوتے ہیں اتنے غریب لوگ نہیں ہوتے۔ دولت عقل مندوں کے سوا کسی کو خوشی نہیں دیتی۔

جس آدمی کو امیر ہونے کا حد سے زیادہ شوق ہو وہ ہمیشہ غریب ہی رہے گا۔ رہسکن کہتا ہو ”چھوٹے مکان میں رہنا اور وارگ کے قصر کو تعجب کی نگاہ سے دیکھنا بہ نسبت اس کے کہ وارگ کے قصر میں رہیں اور کوئی ایسی چیز نہ ہو جسے دیکھ کر حیرت معلوم ہو شاید

زیادہ مسرت بخش ہو گا۔

اگر دولت سے لطف اٹھانا چاہتے ہو تو تمہیں چاہیے کہ اُس سے اپنا دل نہ لگاؤ۔ شیخ سعدی کا قول ہو کہ ”دکانی چہ نہ تم کو لے جائے گی لیکن اگر وہ زیادہ ہو جائے گی تو تمہیں اُس کو لے جانا پڑے گا۔“ نہ برائے سوارم نہ چوشت زریہ بارم + نہ خداوند رعیت نہ غلام شہریارم + غم موجود پریشانی معدوم نہ دارم + نفسے می زخم آسودہ و عمرے بسر آرم +

بیکن کا قول ہو ”واقعی دل کے واسطے یہ بہت ہی تکلیف دہ حالت ہو۔ کہ خواہش بہت کم چیزوں کی ہو اور ڈر بہت باتوں کا ہو۔“ شیکسپیر لکھتا ہو۔ اگر تو امیر ہو تو بے شک تو غریب ہو۔ کیونکہ مثل ایک گدھے کے جس کی پیٹھ دھاتوں کے بوجھ سے ٹوٹی جاتی ہو تو اپنی دولت کا بوجھ لادے ہوے سفر کرتا رہتا ہو یہاں تک کہ موت اس بار کو تیری پیٹھ پر سے اُتار لیتی ہو۔“ اور مگر لکھتا ہو کہ ہم آئندہ کے واسطے روپیہ جمع کرنے کی فکر میں اپنی جان کیوں گنوائیں۔ کیا یہ مال و دولت جب ہمیں بیماری کی اذیت ہوگی تو اُس سے بچالے گی۔ کیا ہمارے بیمار دل کو یہ خوش کر دے گی؟ یا ہماری دھجھی کر دے گی؟ کیا یہ دولت ہماری زندگی کو ایک نفسہ کی مقدار بھی زیادہ کر دے گی؟ یا موت کی تکلیف دہ وقت میں ہم کو تسکین دے گی۔“

عہ گئے جو ”جان گئے“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اگر نرون کا بہت اعلیٰ اور مستند شاعر اور مصنف تھا جو شاعر میں پیدا ہوا۔ اور ۱۶۰۰ء میں مر گیا۔

دولت سے لالچ بہت بڑھ جاتا ہے ورنہ نڈل مذاق میں کہتا ہے کھٹو
 زور زمین کی چندان پروا نہیں ہے میرے پاس ایک آدھ جا بندا
 رہن کر دو کچھ بنک میں جمع کیا ہوا روپیہ ہنڈی یا ایک چھوٹا سا
 ریلوے کا حصہ مجھ کو دے دو۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ قسمت
 مجھ کو جتنا کہ میں خرچ کر سکوں اُس سے ذرا زیادہ دے دے۔
 سنیکا کہتا ہے ”غریب آدمی کو بہت چیزوں کی حاجت ہے لیکن لالچی
 آدمی ہر ایک چیز کا محتاج ہے۔“

یہ طنز یہ کہا گیا ہے کہ اگر دوپٹے اور تیل کا معاملہ نہ ہوتا تو بہت
 سے اچھے شعور مرنی پیدا ہو جاتے۔

بیکن کا قول ہے دولت کی مسلسل جستجو ہمارا بہت وقت لے لیتی
 ہو باوجودیکہ ہم کو اس سے زیادہ عمدہ چیزوں کو مشاہدہ کرنا ہے
 کیونکہ دولت صرف اس لیے اچھی ہے کہ اُس سے زندگی کو فائدہ
 پہونچے نہ کہ زندگی سے دولت کو فائدہ حاصل ہو۔ مال از بہر

عہ و نڈل امریکا کا ایک نای گرائی شاعر اور طبیب گذرا ہے۔ جو قشتاع میں پیدا ہوا۔ اور آخر صدی میں مر گیا۔
 عہ یہ ارض مقدس کے ایک تاریخی واقعے کی طرف اشارہ ہے جو عیسائیوں میں بہت مشہور ہے۔ اصلی واقعہ
 یہ ہے کہ ایک یہودی بیت المقدس سے شہر ایشور بارہ تھا۔ اتفاقاً درمیان میں قزاق مل گئے اور اس کا مال
 وہاں بچپن لیا۔ اور اُسے زخمی کر کے چلے گئے ایک پادری جو کہ اُس نے کہا تھا اُس نے سُنے دیکھا اور رہنے لگا
 کہ جلا گیا ہی طرح ایک اور فسرادھر سے گذرا اور اُس کی کچھ مدد نہ کی لیکن ایک ٹومرون کا رہنے والا اُس کا
 ہم مذہب نہ تھا اتفاقاً وہ فسرادھرا نکلا اور سُنے اس حالت میں دیکھ کر اپنے پاس سے تھراپ بھال کر اُسے بلائی جس
 کے زخموں پر تیل پکڑا دیا۔ اور اپنے پتھر پر سوار کر کے سڑک پر لے گیا۔ جہاں اُس کی دو دوپٹے اپنے پاس سے بھال
 کے دیو کر اُس کے علاج میں صرف کرے اور کہتا میں اُس کے وقت اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہو گا دے دوں گا۔

آسانش عمر است نہ عمر از بہر گرد کردن مال" یہ ایک کہاوت ہو کہ "مفسی طالب علم کی دھن ہو" اور ایمر سن کہتا ہو کہ "وہ شخص جس کے پاس اڑن کھٹولا ہو وہ اچھی طرح اپنے خچر اور جھابے کو بچا سکتا ہو" ہم ہمیشہ یہ سنتے ہیں کہ فلاں شخص روپیہ پیدا کر رہا ہو یا بڑا مالدار ہو یا اُس کو یہاں روپیہ پنا پڑا ہو لیکن یہ کبھی نہیں سنتے کہ فلاں شخص روپے سے لطف اٹھا رہا ہو اور اصل حقیقت یہ ہو کہ جو لوگ روپیہ پیدا کرتے ہیں وہ اپنے واسطے نہیں پیدا کرتے صرف دولت کا ذخیرہ جمع کرتے ہیں اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُسے کون صرف کرے گا۔

زنوفن کے یہاں دعوت میں ارشמידس نے دعوے کیا کہ مفسی دولت سے بہتر ہو کیونکہ اُس نے کہا "یہ ایک طے شدہ امر ہو کہ اپنے تئیں محفوظ سمجھنا خوف میں رہنے سے بہتر ہو۔ آزاد ہونا غلام ہونے سے اچھا ہو اس بات سے کہ آپ کے ملک والے آپ پر بھروسہ نہ کریں یہ بہتر ہو کہ آپ کے ملک والے آپ پر اعتماد رکھیں۔ لیکن جب کہ میں اس شہر میں ایک امیر آدمی تھا تو اولاً مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو کوئی آدمی میرے یہاں لقب لگائے میرے روپیہ پر قبضہ کر لے۔ یا مجھ کو جسمانی مضرت پہنچا دے۔ مگر اب مفسی میں آرام سے سو سکتا ہوں۔ اب میرے پاس اتنا مال ہی نہیں کہ گورنمنٹ مجھ پر شبہ کر سکے۔ اب میں آزاد ہوں

جب چاہوں شہر کو چھوڑ دوں اور جب تک چاہوں رہوں جب
میں امیر تھا مجھے لوگ اس بات پر ملامت کرتے تھے کہ میں سقراط
اور دوسرے غریب فلسفیوں سے میل جول رکھتا ہوں۔ اب مجھے
اختیار ہو کہ اپنے لیے جیسے دوست چاہوں منتخب کر لوں۔ اور وہ
یہ کہ جب سے میں غریب ہو گیا ہوں اُس وقت سے کوئی شخص میری
طرف زیادہ توجہ ہی نہیں کرتا۔ جب میرے پاس بہت کچھ تھا اُس
وقت میں بد بخت تھا کیونکہ میں ہمیشہ کچھ اپنا ہی گنوا یا کرتا تھا۔ مگر
اب جب سے میں غریب ہو گیا ہوں میں کچھ نہیں کھوتا۔ کیونکہ اب میرے
پاس رکھا ہی کیا ہو جسے کھو دوں گا۔ اور باوجود اس کے یہ بات
مجھے برابر تسلی دیتی رہتی ہو اور خوش رکھتی ہو کہ مجھے کچھ نہ کچھ
مل ہی جاوے گا۔

ارشمیدس نے جو کچھ کہا اُس میں بہت کچھ سچ تھا۔ لیکن سب
کا سب صحیح نہ تھا۔ علاوہ برین جس وقت اُس نے یہ کہا تھا اُسی وقت
اُس نے لذیذ غذائیں کھائیں تھیں۔ اور راگ سنگر بہت ہی مسرور
ہوا تھا۔

روپیہ اگر عقل مندی کے ساتھ استعمال کیا جاوے تو اُس سے
بہت کچھ ہو سکتا ہو۔ سونا قوت ہو۔ ایک پُر مذاق فرانسیسی نے کہا
ہو کہ روپیہ ساوَرِن کا ساوَرِن ہو یعنی بادشاہوں کا بادشاہ ہو

عہ ساوَرِن ایک سوئے کے نکلے کو بھی کہتے ہیں اور ساوَرِن یعنی شہنشاہ ۱۲

روپیہ چار سی خواہشوں کے پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہو۔ اگر تازی
ہوا۔ عمدہ مکان۔ کتابیں۔ اور گانا وغیرہ قابل اس کے ہیں کہ اُن سے
لطف اٹھایا جاوے تو روپیہ سے یہ سب مل سکتے ہیں۔ اگر فرصت
فائدہ مند ہو تو روپیہ ہی سے بہکو حاصل ہو سکتی ہو۔ اگر دنیا
کی سیر مسرت بخش ہو تو روپیہ ہی کی بدولت ہم سفر کر سکتے ہیں۔
اگر دوستوں کو مدد دینا اور مصیبت زدوں کو تکلیف سے بچانا
کوئی عمدہ بات ہو تو روپیہ ہی ہم کو یہ بڑی برکت مرحمت
کرتا ہے۔

سوفٹ کا قول ہے کہ ”روپے کو دماغ میں رکھو اور دل
میں جگہ نہ دو“

بخیل وہ شخص ہو جس کو روپے کی محبت شخص روپے ہی کے
واسطے ہوتی ہو۔ جو کفایت شماری میں حد سے زیادہ گزر
جاتا ہو۔ اور جو صرف ایک لاپچی کل ہو۔ ایک سبق جو ہم کو اس
زندگی میں لینا ہو وہ یہ ہو کہ ہم کو اپنے تئیں ذلیل اور حقیر
فکروں سے آزاد رکھنا چاہیے۔ اور روپیہ کی محبت سب سے
زیادہ ذلیل ہو۔

دولت کا عقل مندی سے استعمال کرنا بہت بڑی بات ہے
حضرت سلیمانؑ نے فرمایا ہے ”جو شخص دیتا ہو اُس کی دولت

عہ سوفٹ انگریزی قوم کا ایک بڑا دوست مصنف اور مقدادین تھا۔ جو عہدِ امیرین میں پیدا ہوا اور عہدِ امیرین میں

بڑھتی ہو۔ اور جو شخص درجہ مناسب سے زیادہ روپے کو روک رکھتا ہو وہ منجر با فلاس ہو جاتا ہو۔

اڈورڈ کورٹنے جو آرل آف ڈیون شائر تھا اس کی قبر کے پتھر پر لکھا ہوا ہے کہ ”جو ہم نے دیا وہ ہمارے پاس ہے۔ جو ہم نے صرف کیا وہ ہمارا تھا۔ اور جو ہم نے چھوڑ دیا وہ گویا ہم نے کھو دیا۔“ اور اسی خیال کو دوسرے الفاظ میں یون ادا کیا ہے کہ ”جو ہم نے جمع کیا وہ ہم نے کھو دیا۔ جو ہم نے خرچ کیا وہ ہمارا تھا۔ اور جو ہم نے لوگوں کو دے دیا وہ ہمارے پاس موجود ہے۔“

فیاضی کبر ولیکن لٹاؤ نہیں۔ دنیا میں ایسے لوگ ہیں جن کے پاس کچھ نہیں ہے اور اس پر بھی امیر ہیں۔ اور ایسے بھی لوگ پڑے ہوئے ہیں جن کے پاس سب کچھ موجود ہے اور مفلس ہیں۔ وہ شخص جو غریبوں پر رحم کرتا ہے وہ گویا خدا کو قرض دیتا ہے۔ اور جس شخص نے ایسا کیا اُس کو اس کا اجر ملے گا۔

وہ نصیحت جو حضرت عیسیٰ نے نوجوان امیرون کو کی وہ ہر شخص کی بابت موزون ہو سکتی ہے کہ ہمیں اپنے بچوں اور غریبوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ تمہاری آمدنی تمہاری ہی ہے لیکن جو کچھ تم نے اپنے مورث اعلیٰ سے پایا وہ صرف تمہارا نہیں ہے۔ جن کے پاس دولت ہے وہ اپنے مالک کے (یعنی خدا) کے نوکر ہیں۔

ہم کو حساب دینا پڑے گا۔ دولت ایک امانت ہے جو ہمارے پاس رکھوائی گئی ہے۔ روپے پر کسی کو فخر و ناز کرنے کا موقع نہیں ہے۔

کئی مومئی لکھتا ہے ”جو لوگ اس دنیا میں امیر ہیں اُن سے کہہ دو کہ بہت فخر نہ کریں اور ناپائدار دولت پر بھروسہ کریں صرف خدا پر بھروسہ رکھیں جو ہر جگہ موجود ہے اور جو اپنی رحمت سے لطف اٹھانے کے لیے ہمیں طرح طرح کی نعمتیں عطا کرتا ہے۔“ اُنہیں نیکی کرنی چاہیے۔ اور صرف اس بات کو امارت خیال کرنا چاہیے کہ روپیہ اچھے کاموں میں صرف کریں۔ خیرات کرنے کے واسطے ہمیشہ تیار رہیں اور خوش مزاجی سے بات چیت کریں۔

جو وقت آنے والا ہو اُس کے واسطے روپے سے قوی بنا ڈالنا اچھا ہے تاکہ ہم کو زندگی جاوید حاصل ہو۔

یہ روپیہ نہیں بلکہ روپے کی محنت ہے جس کی بابت ہم کو خجیل بتاتی ہے کہ ”بڑائیوں کی جڑ ہے“ اگر دولت بڑھے تو تم اپنا دل اُس سے نہ لگاؤ۔

اپنے واسطے زمین پر خزانہ نہ جمع کرو جہاں کیڑے اور مورچے اُسے خراب کر دیتے۔ جہاں جو رقبہ لگانے اور چورالے جاتے ہیں۔ بلکہ اپنے واسطے آسمان پر خزانہ جمع کرو جہاں نہ تو کیڑے اور مورچے ہی خراب کرتے ہیں اور نہ جہاں جو رقبہ

لگا کر اُسکو چڑا سکتے ہیں اس لیے کہ جس جگہ تمہارا خزانہ ہوگا
وہیں تمہارا دل بھی ہوگا۔

چوتھا باب

تفریح

مثل مشہور ہے کہ ”سب وقت کام کاج ہی میں لگے رہنے
سے اور کھیلنے نہ پانے سے لڑکا کند ذہن اور سست ہو جاتا
ہو، جس کام کو لڑکا کرے اگر وہ ایسا ہو کہ اس میں باہر کی
آمد و رفت کی ضرورت نہیں تو لڑکا نازک ہو جاوے گا اور
جوانی پر بھی کمزور رہے گا۔ کھیل سے کسی طرح وقت کا نقصان
نہیں۔ کھیل جسم کی طیارمی کے واسطے بہت مفید ہو۔ خاصہ جسم
کے اوپر والے حصے کے لیے۔ مثلاً بازو اور سینہ جن کو ہمارے
معمولی کاروبار بجائے پھیلانے کے سمیٹ دیتے ہیں۔

کھیل صرف اتنا ہی نہیں کہ انسان کی تندرستی قائم رکھتے
ہیں بلکہ اُس میں کام کرنے کی جرات پیدا کرتے ہیں۔ کھیل آدمی
کو دوستوں کے ساتھ بسر کرتا۔ حقیر باتوں سے درگزر کرنا۔ ایماندار
کا برتاؤ کرنا اور کامیابی سے فائدہ اٹھانے میں حد سے نہ
گزر جانا سکھاتے ہیں۔ اُن سے ہم کو سموت جسمانی کی طرح اخلاقی
صحت بھی حاصل ہوتی ہو۔

ہمت - ضبط - اپنے اوپر اختیار - اور خوش مزاجی جو اسے
 اوصاف ہیں کہ نہ کتابوں سے حاصل ہو سکتے ہیں اور نہ تعلیم
 سے ہمیں کھیل ہی کی بدولت نصیب ہوتے ہیں ڈیوک
 آف ولینگٹن نے پیچ کہا ہو کہ "واٹر لوکا معرکہ اصل میں
 اُس کھیل کے میدان میں جیتا گیا تھا جو ایٹن کالج میں ہو۔
 بلکہ سکولوں کو بہت عمدہ اور فائدہ مند سبق عموماً وہی ہوتے
 ہیں جنہیں لڑکے پہلے گروونڈ (کھیل کے میدان) میں حاصل
 کرتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے کھیل صرف تفریح کے واسطے
 ہونا چاہیے اس کو کار زندگی نہ سمجھ لینا چاہیے۔

اس امر کے ثبوت میں کہ کھیل تندرستی کے لیے کس قدر ضروری
 ہو میں دو بڑے علم موجودات کے جاننے والوں کی رائے
 پیش کرتا ہوں۔ سبریمس سچیٹ کہتا ہو "تفریح کے تمام اجزاء میں
 کھیل قابل تعریف ہو۔ لیکن علاوہ اسی کے کھیل کا بیش قیمت
 اخلاقی اثر کاروبار یا روزمرہ کے معاملات پر بڑتا ہو کہ
 کھیل میں جب لڑکے اور جوان لوگ باہم مجتمع ہوتے ہیں تو
 اس جمع ہونے سے اُن کی غرض نہ تو کوئی مالی فائدہ ہوتی ہے
 اور نہ اور کوئی ذلیل غرض ہوا کرتی ہو۔ کھیل سے ہم کو یہ سبق
 ملتا ہو کہ نیک باتوں میں ہم اُن لوگوں کا ساتھ دین اور اُن
 شخصوں کے دوست ہو جا دین جو ہمارے ساتھ راستی اور نیکی

سے کام کرتے ہیں۔ کھیل سے ہم میں دوسرے لوگوں کے ساتھ کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے جو ایک ایسی قوت ہے کہ زندگی کی ہر حالت میں کامیابی کے واسطے نہایت ہی مفید ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کھیل میں ایمان داری سکھانے کا مادہ فطرۃً نہ ہو مگر ہر حیثیت ایک دستور کے وہ ہمیں ضرور ایمان داری سکھاتا ہے۔ سب کھیلنے والوں میں مسلم ہے کہ کھیل میں بے ایمانی کرنا عام طور پر ذلیل ہے چاہے وہ کھیل کتنا ہی سخت مقابلے کے واسطے کیوں نہ ہو تفریح میں ایمان داری کا خیال رکھنا ہم کو اس بات میں مدد دیتا ہے کہ ہم اُن چیزوں کو بھی حقارت کی نگاہ سے دیکھیں جو کہ بمشکل قانون کی حد کے اندر آتے ہیں۔ اب میں خیال کرتا ہوں کہ اگر ہم غور سے دیکھیں کہ عمدہ تفریح کے کیا خواص ہیں اور کن خاصیتوں پر اُن کا فائدہ منحصر ہے تو ہم کو یہ بات معلوم ہوگی کہ سب تفریحوں میں ذیل کی تین چیزوں میں سے ایک ضرور پائی جائے گی (۱) تذبذب (۲) تعجب (۳) ہنر کے استعمال کرنے کا موقع۔ ایسے کاموں میں جو روزمرہ کے بندھے ہوئے کاموں سے جدا گانہ ہیں ہمیں ان تین چیزوں کی مناسبت کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ ہمارے واسطے خاص کر ایسی مسرت دہ تبدیلیاں مہیا کر دیتے ہیں جو اُن کاموں سے بالکل جدا گانہ ہوتی ہیں جن میں بہت سے آدمی عموماً مشغول رہتے ہیں۔ اور ان چیزوں کی وجہ سے ہم کو یہ موقع مل جاتا

ہو کہ اپنی قوتوں اور خوش مزاجی کو کام میں لاوین چو ملہ چیسپیرین
روزمرہ کی کاروباری زندگی میں بہت ہی کم استعمال کی جاتی ہیں لہذا
یہ اندیشہ رہتا ہو کہ ایسا نہ ہو وہ قوتیں کمزور یا زائل ہو جائیں۔

پروفیسر میکیل فاسٹر جو فی الحال رائل سوسائٹی کے سکریٹری
ہیں اپنے حال کے اک لکچر میں یوں کہتے ہیں کہ ”ایسے کام میں
بھی جن میں محض رگون اور پٹھون سے کام لیا جاتا ہو خاص کر
دماغ ہی تھکا کرتا ہو۔ اور ہم سب لوگ اس بات سے بھی بخوبی
واقف ہیں کہ اکثر ایسے کام ہیں جن میں دماغ تھک جاتا ہو باوجودیکہ
اُن سے رگون اور پٹھون کو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہمارے
مجموعی واقفیت اس بات کو ظاہر کرتی ہو کہ اُن کاموں کی طرح جن
میں رگون اور پٹھون سے کام لیا جاتا ہو دماغی کام سے بھی کیمیاوی
تبدیلیاں ہوا کرتی ہیں۔ یہ کیمیاوی تبدیلیاں جو دماغ میں ہوا کرتی
ہیں ان میں وہی ترتیب ہوتی ہو جو رگون اور پٹھون کی کیمیاوی
تبدیلیوں میں ہوا کرتی ہو۔ ہاں جزئی طور پر کچھ فرق ضرور ہو جاتا
ہو۔ دیگر یہ کہ دماغ میں ذرا سی تبدیلی بھی اگر واقع ہوتی ہو تو اس کا
بہت بڑا اثر ہمارے اُس مادے پر پڑتا ہو جس کی بدولت ہمیں
حس کرنے کی قوت حاصل ہو لیکن رگون اور پٹھون کے اندر تبدیلیوں
سے اتنا بڑا اثر نہیں پیدا ہو سکتا۔

اگر رگون اور پٹھون کی زندگی کے واسطے ایک خاص مقدار

تک ایسے خون کی ضرورت ہو جو ادنے درجے کے اعضا کے باہم کام کرنے سے صاف ہوا ہوتا کہ وہ سرمایہ جس سے جسم کو اندرونی کارخانے کا کام چلتا ہو جلدی جلدی از سر نو تازہ اور نیا ہوتا ہو۔ اور مضرت رسان مادے جو اندر پیدا ہو گئے ہوں اُن کو بہا لوجی تو ایسا خون دماغ کی زندگی کے واسطے اس سے بھی زیادہ ضروری ہو۔ علاوہ برین اسٹریگل فاؤنڈیشن (زندہ رہنے کے واسطے مفید و مضر مادوں سے جو مقابلہ ہوتا رہتا ہو) نے دماغ کو ایسا بنا دیا ہو کہ وہ ہمیشہ اپنی مددگار اعضا سے جو اُس سو کم درجے کے ہیں بہت لے جاتی کی کوشش کرتا رہتا ہو۔ اور سب سے بہتر اور باقاعدہ انتظام جسمانی مین کافی کام کرنے کا زمانہ جب کہ یہ پیچیدہ اندرونی کلین کام کرنا شروع کرتی نہیں اور وہ زمانہ جب سے تھکاوٹ شروع ہو جاتی ہو بہت ہی تنگ حدود کے اندر گھرا ہوا ہو۔ جو کچھ مین نے تم سے کہا ہو اگر اس مین کچھ سچ ہو تو عمدہ طریقہ ان حدود کے بڑھانے کا یہ ہو کہ دماغ کو یون چست و چالاک نہ بناؤ کہ اُس پر زیادہ کام کا بار ڈال دو بلکہ جو اعضا اُس کے مددگار ہیں اُن کو مدد دے تاکہ اُن کا باہمی کام کرنا تھکن کے حملے سے دماغ کو بچائے رکھے۔

عام زبان میں لفظ سپورٹ شکا رکھینے نشانہ بازی کرنے اور مچھلیاں پکڑنے کے واسطے مخصوص ہیں۔ یہاں تک کہ وہ

لوگ بھی جو ہماری طرح شکاری کتوں - بندوق اور ڈگن کے ذریعے
 سے درزن اور تفریح نہیں کرتے اُن کا میلان بھی ان چیزوں کی
 طرف ہوا کرتا ہو۔ ہم نے ان چیزوں کو اپنے آباؤ اجداد کے درختے
 میں پایا ہو جو اس دنیا میں صرف شکار وغیرہ پر بسر ہی نہیں کرتے
 تھے بلکہ خیال کرتے تھے کہ آخرت میں بھی ان چیزوں سے مسرت
 حاصل ہوگی۔ اُسی میں کہتا ہو ”بندیل اُن کی قبروں پر دوڑتا ہے
 لیکن اُن کے آرام میں خلل نہیں ڈالتا۔ وہ یعنی اُن کی روحیں اب بھی
 اپنے جوانی کے سپورٹ (یعنی شکار وغیرہ) کو چاہتی ہیں اور
 ہوا پر خوشی خوشی اُڑتی پھرتی ہیں“

باوجودیکہ اس بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہو کہ ہم صاف پانی کے
 بہت زیادہ احسان مند ہیں۔ مگر پھر بھی اس میں شک نہیں کہ ہم کو تازہ
 ہوا سے بھی اُسی قدر فائدہ ملتا ہو۔ یہ کس قدر تعجب انگیز بات ہو!
 ہوا ہمارے سانسے جسم کے اندر گھس جاتی ہو۔ وہ ہماری کھال کو
 اس آہستگی سے غسل دیتی ہو کہ ہمیں اُس کی موجودگی کا علم نہیں ہوتا۔
 باوجودیکہ وہ خود اس قدر طاقت دار ہو کہ پھول کی خوشبو کو اُدھلوان
 کو اُڑا کر ہمارے کمرے میں لے آتی ہو جہاں وہ کو سمندر میں چلاتی ہو
 اور سمندر اور پہاڑوں کے لطیف انجرات کو اُٹھا کے ہمارے
 عہ اُسی میں اسکا ٹلینڈ کا ایک بہت ہی قدیم شخص جس کی نسبت خیال کیا جاتا
 ہو کہ قیسری صدی عیسوی میں تھا۔

شہرون کے اندر برساتی ہو یہی آواز سنائی دینے کا ذریعہ ہے۔
یہی ہمارے پاس اُن لوگوں کی آواز کو پہونچاتی ہو جن سے ہم محبت
کرتے ہیں اور نیچر کا شیعہ راک اسی کی بدولت ہمارے کانوں میں
گوونجا ہو۔ یہی منہ کا ایک بہت بڑا خزانہ آب ہو جس سے ہماری زمین
کی آبپاشی ہوتی ہو۔ یہی دن کی گرمی اور رات کی خنکی میں کمی پیدا
کرتی ہو یہی ہمارے سر کو ایک جلیل الشان نیلگوں محراب سے ڈھانکو
ہوے ہو۔ اور یہی ہو کہ جس کی وجہ سے صبح اور شام آسمان پر شفق
نمایاں ہوتی ہو۔

جفر نے کہتا ہو ”دنیا میں کوئی اور چیز ایسی شیریں نہیں ہو جیسی
شیریں کہ ہوا ہو۔ ہوا ایک بڑا پھول ہو جو حسن کی خوبصورت دیوی
و نیس کی ایسی نازک بانہیں ہمارے گلے میں ڈالے ہوئے ہو۔
اور یہ گنبد نیلی گویا ایک سوسن کا پھول ہو جو ہمارے اوپر جھکا
پڑتا ہو۔ اور جس کی جادو بھری خوشبو نے تمام دنیا کو معطر کر رکھا ہو۔
ہوا کا جنگلی پھول سب چیزوں سے زیادہ شیریں ہو۔ ستاروں کے سر
روشن پھول جو اپنے حُسن پر اترا رہے ہیں دریا کے کنارے کنارے
ہری گھاس کو ہٹا ہٹا کر اپنا سر بلند کرتے ہیں۔ سارے راستے کا
حُسن اُن کی وجہ سے دو بالا ہو رہا ہو اور اُن کے دیکھنے سے مختلف
عہ جفر نے انگلستان کا ایک بڑا لائق معما۔ جس نے بڑی عزت حاصل کی بھر قید ہوا۔

۱۹۴۸ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۹۵۸ء میں قید میں مرا۔

قسم کے خیال دل میں آتے ہیں۔ مین ہر صبح کو دریا کے کنارے جایا کرتا تھا اور لپ جو پر جو ان پھولوں کی چمک سے منور تھا ٹھہرا رہا کرتا تھا۔

مجھے یہ بات بہت زمانے کے بعد معلوم ہوئی کہ اُسی راستے سے مین کیوں جاتا تھا۔ اور تبدیلی کو کیوں نہ پسند کرتا تھا۔ مین فی الحقیقت کوئی تغیر نہیں چاہتا۔ مین پھر وہی پُرانی چیزیں چاہتا ہوں جن سے مجھے ایک زمانے میں اُنس تھا۔ وہی جنگلی پھول۔ وہی درخت۔ وہی نرم نرم گھانس۔ وہی جڑیاں جو درختوں کی شاخوں پر بیٹھ کر اپنی سُری اور دلکش آواز میں نغمہ سرار ہا کر تین اور شام کے وقت اپنے دلچسپ راگ کو بند کر دیا کرتی تھیں۔ باوجودیکہ ہمارے ملک میں اس قدر مختلف رنگوں کے پھول نہیں ہیں جتنے کہ سوئٹزر لینڈ میں ہیں مگر پھر بھی ہمارے یہاں موسم ہمارے باغوں کو بہت قسم کے پھولوں سے زینت حاصل ہو جایا کرتی ہوتی۔

ہم اکثر یہ سنتے ہیں کہ موسم خراب ہو۔ لیکن حقیقت میں کوئی موسم خراب نہیں ہو۔ سب موسم فرحت انگیز ہیں مگر مختلف صورتوں میں۔ بعض موسم کسانوں اور فصل کے واسطے خراب ہو سکتے ہیں۔ لیکن انسان کے واسطے کوئی موسم خراب نہیں ہو سکتا۔ دھوپ خوشگوار مینہ تازگی بخش ہوا۔ ہمیں اپنے آغوش میں بیٹے ہوئے ہیں۔ اور

برف فرحت بخش ہو۔ جیسا کہ رسکن نے کہا ہو ”حقیقۃً کوئی موسم خراب نہیں۔
صرف یہ مختلف قسم کے اچھے موسم ہیں۔“

سستانا سستی نہیں ہو۔ اور بعض اوقات گرمی کے ایام
میں کسی درخت کے سایے کے نیچے گھانسن کے مٹھی فرش پر لیٹ
جانا پانی کے چشمے کے بہنے کی آواز سنا۔ یا ابر کو نیلگون آسمان
پر ادھر اُدھر جاتے دیکھنا۔ ہرگز وقت کا ضائع کرنا نہیں ہو سکتا۔
علامہ برین ہوا اور ورزن ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ لہذا اگر تم سیر
کر وگے تو تم کو دونوں فائدے حاصل ہوں گے۔

ہر شخص کو چاہیے کہ روز کم سے کم دو گھنٹے کشتادہ ہوا میں جانی
کو اپنا اول اور پاک فرض سمجھے۔

تازمی ہوا دماغ کے واسطے اُسی قدر مفید ہو جس قدر جسم کے
واسطے۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہو کہ نیچر خود ہی یہ کوشش
کر رہا ہو کہ ہم سے کچھ بات کرے گو یا اُس کو ہم سے کوئی بہت بڑا
راز کھنا ہو۔ اور ہو بھی یوں نہیں۔ اُس کے پاس بہت بڑے بڑے
راز ہیں جنہیں بے شک ہم کو بتلانا چاہتا ہو۔

زمین و آسمان۔ صحرا و میدان۔ جھیلیں اور دریا۔ پہاڑ اور سمندر
بہت ہی عمدہ اسکول ماسٹر ہیں اور ہم میں سے بعض لوگوں کو ایسی
باتیں تعلیم کر دیتی ہیں جو کتابیں ہم کو ہرگز نہیں سکھا سکتیں۔
برگ درختان سبز در نظر ہوتا ہے ہر درخت دفترِ بیت معرفتِ کردگار

علاوہ اس کے اگر تم بستی کے باہر جاؤ اور دریا میں کشتی کھیلو۔
صحرا میں پھول جمع کرو۔ یا مختلف قسم کے جمادات کو تلاش کرو۔
سمندر کے کنارے سپیان اور گھونگھیاں اکٹھا کرو۔ گیند کھیلو۔
اپنے تین تازمی ہوا سے تازہ کرو۔ یا کسی اور قسم کی ورزش
کرو تو تم کو یہ معلوم ہوگا کہ نہ صرف اس سے تمہاری تندرستی
درست ہوئی بلکہ یہ نظر آئے گا کہ گویا ہوا تمہاری فکر و تکلیفوں
اور ترددات کو بھی اڑا لے گئی۔ یا کم سے کم اتنا ضرور معلوم
ہوگا کہ وہ ریج و غم کا باہوس سے تم دبے ہوئے تھے ہلکا ہو گیا۔
نینچر ہم کو تسکین بخشی اور طاقت دیتا ہو اور دماغ کو اُس سے سکون
اور مسرت حاصل ہوتی ہو۔

ایک زندگی جو خوشی اور تفریح کے واسطے وقف کر دی جا
وہ نہ صرف خود غرضی کی زندگی ہوگی بلکہ ایک ناقابل برداشت
اور بد مزہ زندگی ہوگی۔ کھیل کو کبھی کار زندگی نہ سمجھ لینا چاہیے۔
مگر ان اُن سے اعتدال کے ساتھ لطف حاصل کرنا کا ہلی نہیں ہو۔
تفریح کے اجزاء کیا ہیں؟ دو قسم کی خوشیاں ہوتی ہیں۔ ایک
سچی اور دوسری جھوٹی۔ افلاطون کے بیان کے مطابق
پروٹارکس نے سقراط سے پوچھا سچی خوشیاں کیا ہیں؟
سقراط نے جواب دیا کہ ”وہ خوشیاں جو ہم کو خوبصورت رنگ و
صورتوں۔ خوشبوؤں اور آوازوں سے حاصل ہوتی ہیں اور نیز

اُن چیزوں سے جن کا ہونا ہم کو معلوم نہیں ہوتا اور نہ تکلیف دہ ہوتا ہو لیکن اُن کی موجودگی ہم میں حس پیدا کرتی ہو اور ہم کو مسرت بخشتی ہو۔“

باوجودیکہ ہمارے حواس ہم کو سچی خوشی دیتے ہیں لیکن یہ اعلیٰ درجے کی اچھی باتیں نہیں۔ سقراط ہی نے یہ بھی کہا کہ ”فعلی لیس“ کی یہ رائے تھی۔ کہ لطف۔ خوشی۔ مسرت اور دیگر اسی قسم کے جذبات ہر ایک ذمی روح کے واسطے اچھے ہیں مگر میری یہ رائے ہے کہ یہ چیزیں نہیں۔ بلکہ عقل۔ علم۔ حافظہ اور دیگر اسی قسم کی دماغی قوتیں مثلاً رائے سلیم اور ٹھیک بحث کرنے کی طاقت خوشیوں سے بہتر ہیں اور زیادہ تر اس قابل ہیں کہ جو لوگ اُن سے بہرہ اندوز ہوتے ہوں اُن کی خواہش کریں اور یہ چیزیں اُن لوگوں کے واسطے جن میں ان سے لطف اٹھانے کی قابلیت موجود ہو یا ہو جائے گی سب چیزوں سے زیادہ فائدہ مند ہیں۔

سچی خوشیاں قریباً ہمیشہ ہین۔ عزیز و اقارب۔ دوست۔ گفتگو۔ کتابیں۔ راگ۔ نظم۔ ہنر۔ ورزش۔ آرام۔ نیچر کی خوبصورتیاں طح طرح کے رنگ۔ گرمی جاڑا۔ صبح و شام۔ رات دن دھوپ اور آندھی۔ جنگل اور میدان۔ دریا جھیل اور سمندر۔ حیوانات و نباتات۔ برگ و درخت۔ پھول پھل ان سب میں چند خوشیاں ہیں مین ٹی گنیرا کہتا ہے ”جب ہم یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے خدا ہم کو

زمین کے پیل عطا کر تاکہ ہم اُن سے لطف اٹھا دین تو ہم خدا عز و را
سی رحمت کے خواہنگار نہیں ہوتے ہیں۔“

اگر زندگی سے ہم لطف نہیں اٹھاتے تو یہ ہمارا ہی قصور ہے
رسکن کہتا ہے ”ہر شخص لطف اٹھا سکتا ہے لیکن بہت ہی کم ہیں جو
لطف اٹھاتے ہیں۔“

الف لیلہ میں جو سب سے بڑا طلسم ہے وہ ایک طلسمی قالین ہے
جس پر بیٹھ کے انسان جہان چاہے چلا جاوے۔ ریل آج کل
ہم سب کے ساتھ یہی کر رہی ہے۔ رسکن کہتا ہے ”جون جون ہم
اپنی نظر کو وسیع کرتے جاتے ہیں اُسی قدر ہم اپنے تصور کو خزانہ
کو بڑھاتے جاتے ہیں۔“

دنیا میں جتنی خوشیاں موجود ہیں اُن میں خوش بیانی کا بڑا
مرتبہ ہے۔ یہ ایک عجیب مقوی دوا ہے جس سے دلغ اور جسم کو
غذا پہنچتی ہے۔ ہیریٹ نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ ”میں
بن جافس کا نہایت ہی احسان مند ہوں“ اور اُن کے یہاں س کے
شام کے کھانے کو یون بیان کیا ہے کہ ”جب ہم ایسے لوگوں
کے مجمع میں تھے جن کی مزے دار باتیں ہم کو خوش تو کرتی

تھیں ہیریٹ ایک مشہور انگلش شاعر گذرا جو ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوا۔ اور
۱۸۷۳ء میں مرا۔

عے بن جانسن۔ ایک مقبول عام انگریز شاعر اور ڈراما نویس تھا۔ ۱۸۷۵ء میں پیدا
ہوا۔ اور ۱۸۹۷ء میں مر گیا۔

تھیں مگر مجنون نہیں بناتی تھیں اُس وقت ہر ایک شعر غذا اور شراب
شوخ سے سبقت لے جاتا تھا۔

جانسن جب کسی مسرت وہ شام کا ذکر کرتا تھا تو یہ کہتا تھا کہ
”جناب ہم نے مزے کی باتیں کیں۔“ خود میرا بھی یہ حال ہو کہ اگر
ایک گھنٹہ ڈارون یا لائل۔ کنکس لے یا رسکین۔ ہو کہ
ہگسلی یا ٹنڈل کی صحبت میں صرف ہوا تو وہ گھنٹہ مجھے ویسا
ہی تازگی بخش معلوم ہوا جیسے کہ تازمی ہوا کا ایک زندگی بخش
جھونکا۔ تمام نعمتیں جو انسان کو عطا ہوئی ہیں اُن میں کسی میں
آدمی ایک دوسرے سے اس قدر مختلف نہیں ہیں جس قدر
کہ گفتگو کرنے کے ہنرمین بہت سے لائق آدمیوں کو جانتا ہوں
اور ایسے لوگوں کو بھی جن کی صحبت میں بہت مزا آ سکتا تھا۔ لیکن
آپ اُن سے کوئی بات نہیں سن سکتے تا وقتیکہ انھیں بار
بار چھپرے کے نہ پوچھیں خوش تقریر شخص جس جگہ جائے گا لوگ
اُسے آنکھوں پر بٹھا دیں گے۔ اور ہنزدن کی طرح یہ ہنر بھی
تربیت سے حاصل ہو سکتا ہو۔ اور کوئی شخص بغیر مشق کیو عمداً
اور فصاحت سے گفتگو نہیں کر سکتا۔

سر ولیم ٹیمپل کہتا ہو ”خوش بیانی کا پہلا جز راستی ہو۔ دوسرا
خوش فہمی۔ تیسرا خوش مزاجی۔ اور چوتھا ظرافت۔ اور اول وائے

سر ولیم ٹیمپل ایک معزز انگریز دربار سلطنت اور مصنف ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۸۹۹ء میں مر۔

تین اجزاء تھوڑے بہت ہر شخص کے اختیار میں ہیں۔
 بہت لوگوں نے بہت کچھ گفتگو کے ذریعے سے سیکھ لیا ہے۔
 بیکن کہتا ہے جو شخص زیادہ پوچھتا ہے بہت کچھ سیکھ لے گا اور اپنا
 اطمینان کر لے گا۔ خاص کر اگر وہ شخص اس فن کے متعلق سوالات
 کرے جس میں جواب دینے والا دخل رکھتا ہو۔ کیونکہ اگر ایسا
 کرے گا۔ تو مخاطب نہایت خوشی سے جواب دے گا۔ اور
 سائل اپنے واسطے بہت سا علم جمع کر لے گا۔
 حُسن کا ذوق ہم نہ خود اپنے ذات میں پیدا کرتے ہیں اور
 نہ اپنے بچوں میں۔ اور اس کے سوا کون خوشی ایسی پاک۔ بیدام
 اور سہل الوصول ہو سکتی ہو!

ایک آدمی سامنے کے منظر درختوں اور پتوں۔ پھل اور پھول۔
 نیلگوں آسمان۔ ابرو کے ٹکڑوں۔ چمکتے ہوئے سمندر۔ جھیل کے ہلکے رو۔
 دریا کی جھلک۔ سبزے کے رنگ۔ اور چاند اور تاروں سے
 بہت زیادہ مسرت حاصل کر سکتا ہے۔ چاند اور تارے کیانے
 فائدہ چمکتے ہیں؟ کیا پرند اور تینگے۔ درخت اور پھول۔ دریا اور
 جھیل۔ آفتاب مانتاب اور ستارے انسان کو خوشی نہیں
 دیتے ہیں؟

مہیم ٹن کہتا ہے ”ہمارے ایجاد کیے ہوئے رنگ ہمارے
 ناز کرنے کے لیے کافی ہیں۔ لیکن اگر ان رنگوں کا مقابلہ ایک مو

کے پرکے رنگ سے یا غائب ہونے والی ابر کی بوقلمون چلا دیا
جا دے تو وہ بالکل ہی حقیر معلوم ہوں گے۔“

یہودی کی کتب طالمو و کے شارحین کا بیان ہے کہ ^{عہ} مین نائین۔
ہر شخص کو وہی مزا ملتا تھا جو اُسے مرغوب ہوتا تھا۔ اسی طرح نیچر
مین اگر تلاش کی جائے تو ہر شخص کو اپنے مزے کی چیز مل جائے گی۔
میرا ارادہ اس بات کی کوشش کرنے کا نہیں ہے کہ سچی خوشیوں
کی پوری فہرست لکھ ڈالوں۔ جب دنیا میں ہمارے واسطے
ایسی خوشیاں کثرت سے موجود ہیں جن سے لطف اٹھانے میں
کوئی گناہ نہیں ہے تو پھر ہم کیوں اُن خوشیوں کو تلاش کریں جو
خراب یا مشکوک ہیں؟ جتنی اچھی خوشیاں ہیں پہلے اُن کو ختم
کر لیجیے پھر اُن دوسری خوشیوں کا خیال کیجیے گا۔

جن لوگوں نے دنیا کو دیکھا ہو اور جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم کو دنیا
کے متعلق بہت واقفیت ہے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اُن لوگوں کی
ہستی کی حقیقت ایک کسان سے بھی کم ہے جو اپنے گائون سے کبھی
باہر تو نہیں گیا مگر اُس نے ہر چیز کو عقل کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔
ایک ناز و نعم کی زندگی جس کو لوگ غلطی سے مزے دار زندگی
کہتے ہیں اصل میں بوجھو تو مسرت بخش زندگی کا ایک تکلیف دہ

عہ میں نائین تم کے زہر کا نام رکھا گیا ہے جس میں کہ نہ رنگ اور نہ مزا ہوتا تھا۔ اس
زہر کو ایک اٹلی کی عورت سبلی طوفانی ڈیون میں بیچا کرتی تھی اور جس اُس نے ۱۰۰ آدمیوں کو ہلاک کیا تھا۔

جھوٹا نمونہ ہو۔ جو لوگ اُس میں پڑ جاتے ہیں وہ آخرین دنیا کی شکایت کرتے ہیں حالانکہ انھیں خود اپنے آپ کو الزام دینا چاہیے۔ ہیرٹن کا قول ہے جب مسرتیں ہمیں تھکا دیتی ہیں تو ہم یقین کرتے ہیں کہ ہم انھیں صرف کر چکے۔

دومی مسٹ نے کہا میں جوان ہوں اور ابھی عمر کا صرف آدھا راستہ طو کیا ہے مگر میں تھک گیا ہوں اور مجھے پھر بھر کر دیکھتا ہوں۔ یہ اقرار کیسا غمگین اقرار ہے! اگر اُس نے اپنی زندگی عقل کے ساتھ بسر کی ہوتی تو گزشتہ ایام کو شکرگذاری کی آنکھ سے دیکھتا اور آئندہ زمانے کو امید کی نظر سے۔

زندگی کی قدر کا اندازہ اُس کی اخلاقی قیمت ہے۔ جریمی ٹیلر کہتا ہے ”روح اور جسم سے ایک پورا آدمی اُس وقت بنتا ہے جبکہ روح عقل مندی کے ساتھ حکم دیتی ہو۔ محبت سے حکومت کرتی ہو اور جسم کی خبر اسی طرح رکھتی ہو جس طرح کہ اُس کے واسطے مفید ہو اور اُس کی ضرورت کے واسطے کافی چیزیں مہیا کر دیتی ہے اور جسم کے ساتھ جو اُس کا کم مرتبہ ہم نشین ہو رجحانہ برتاؤ کرتی ہو۔ لیکن اگر جسم روح پر حکومت کرے اور قوت شہواتی کی زبردستی سے پہلی قوت ناطقہ کو خراب کر دے اور بعد ازاں قوت متحرکہ اور قوت امتیاز پر مسلط ہو جاوے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ روح

جریمی ٹیلر انگلستان کا ایک زبردست مذہبی عالم تھا جو سلاسل میں پیدا ہوا اور ۱۷۹۱ء میں مر گیا۔

اور جسم مناسب ہم نشین نہیں ہیں۔ اور آدمی بے وقوف اور بد بخت ہو۔ اگر روح کی حکومت جسم پر نہیں تو وہ مناسب ہم جلیس نہیں۔ روح کو یا تو حاکم ہونا چاہیے یا غلام۔

پانچواں باب

تندرستی

روح انسان میں سب سے شریف حصہ ہو۔ لیکن ہماری موجودہ حالت میں روح صرف جسم ہی کے وسیلے سے کام کر سکتی ہو۔ فیر ڈوئی جو ہمارے ملک میں ایک بڑا شخص گذرا ہو اُس نے اس کی ایک بہت دلچسپ مثال پیش کی ہو۔ جسے یون شروع کیا ہو کہ ”جان ایک لڑکے کی مثل ہو جو کسی کیمٹ کی دکان میں نوکر تھا۔ ایک مرتبہ مالک نے پہلے پہل اُسے ایک گاہک کے مکان پر بھیجا تو اُس نے مکان پر جا کے دستک دی مگر کسی نے نہ سنا۔ پھر اس بات کے دریافت کرنے کے لیے کہ آیا مکان میں کوئی موجود ہے یہ نہیں اُس نے اپنا سر سنجھون کے اندر ڈالا ساتھ ہی اُسے یہ فکر پیدا ہوئی کہ میں سنجھون کے کس طرف ہوں۔ جس کا فیصلہ اُس نے یون کیا کہ آدمی اُس جگہ ہوتا ہو جہاں اُس کا سر ہوا کرتا ہو اتنے میں قبل اس کے کہ وہ وہاں سے

عہ قریب و آگشتان ایک شوہر حال تھا جو پیر فلانسی میں کمال کھاتا تھا ۱۹۷۹ء میں پیدا ہوا۔ ۱۹۷۹ء میں ملا۔

علحدہ ہو دروازہ یکایک کھلا اور اُس کی ٹانگیں سیخون کے درمیان میں پڑ کے کچل گئیں۔ اُس وقت اُس کو اُس پُرانی کمائی کا جو سرا دربانوں کے بابت مشہور تھی یقین آیا۔

ہماری موجودہ زندگی کی حالت کے واسطے یہ بہت ضروری ہو کہ ہم حفظ صحت کی طرف بالتخصیص متوجہ ہوں۔ ہمارے آباؤ اجداد زیادہ تر دیہات۔ اور کشادہ ہوا میں رہا کرتے تھے اور کاشتکاری کا پیشہ کرتے تھے۔ اب ہم لوگ زیادہ تر شہر دن میں رہا کرتے ہیں اور زیادہ کام مکانون اور دکانوں اور کارخانوں میں کیا کرتے ہیں۔ ہمارے کام زیادہ تر ایسے ہوا کرتے ہیں جن میں حرکت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ زیادہ جھکنا پڑتا ہو۔ اور دماغ پر بہت زور پڑتا ہو۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کر سکتا کہ وہ لوگ جو ہمارے بڑے بڑے شہروں میں موجود ہیں اتنے طاقتور نہیں ہیں جتنے کہ اُن کے باپ اور دادا تھے۔ اگر کوئی شخص لندن کے اُن مقامات میں جاے جہاں غریب آدمی رہتے ہیں یا جہاں کارخانے موجود ہیں تو یہ غیر ممکن ہو کہ اُسے کمزور شکلیں۔ زرد چہرے۔ اور مرد اور عورتوں کے شکرٹے ہوئے سینے نہ نظر آدیں۔ علاوہ برین ہمارے حفظ صحت کی ترقیان ایک اس سبب سے بھی خطرناک ہیں کہ ہم کمزوروں اور بیماروں کو زندہ رہنے دیتے ہیں۔ زیادہ تر بیماریا

کی مصیبت ایسے خفیف سببوں سے ہو ا کرتی ہو جن کی طرف اگر
تھوڑا غور اور خیال کیا جائے اور لوگوں کو حفظِ صحت کے قواعد
کا علم ہو جائے تو بہت زیادہ دشواریاں رفع ہو جائیں۔

جہاں تک ہمیں تاریخ سے پتہ چلتا ہو شروع زمانے میں عقل مند
مدبرانِ سلطنت تندرستی کا بہت خیال رکھتے تھے۔

اپنی تندرستی کا خیال رکھنا ہمارا متبرک فرض ہو۔ بعض اوقات
کہا جاتا ہو کہ حضرت موسیٰ کی مذہبی تعلیم میں زیادہ حصہ انھیں
قواعد کا ہوا کرتا تھا جن کو حفظِ صحت سے تعلق ہوتا تھا۔ میں خیال
کرتا ہوں کہ یہ بیان بمشکل صحیح ثابت ہوگا۔ مگر ہم کو یہ یاد رکھنا
چاہیے کہ جو کچھ کتبِ آسمانی میں ہو وہ قوانین کا ایک ضابطہ ہے
جس میں دیوانی اخلاقی اور مذہبی قوانین شامل ہیں۔ ہر کیف
اگر قانونِ تندرستی جزو مذہب نہیں تو بھی مذہب میں اُن کا بہت
کچھ لحاظ رکھا گیا ہو۔ مقدس پوپ لوس کہتا ہو ”کیا! تم کو یہ نہیں
معلوم ہو کہ تمہارا جسم اُس پاک روح کا معبد ہو جو تم میں موجود ہو
جو خدا کی دی ہوئی ہو اور تمہاری ملکیت نہیں ہو۔ مصری لوگ
جسم کی جس قدر عزت کرتے تھے اُس کے اصول زیادہ تر عقل پر
بنی تھے۔ بمقابلے اُس حقارت کے جو قرونِ وسطیٰ میں کی جاتی
تھی۔ چلیٹرڈن اور دُھول میں بالذات کوئی خوبی نہیں ہو۔ بلکہ

عہدِ مسیح سے لیکر ۱۶۹۹ء تک کے زمانے کے قرونِ وسطیٰ کہتے ہیں۔

بلکہ اصل معاملہ اس کے خلاف ہے۔

کنگسلی کہتا ہے ”اہل یونان نے طب اور نیز دماغی تسلیم کو ایک مستقل فن بنا دیا۔ اُن کی عورتیں طرح طرح کی نازک و بزرگ کیا کرتی تھیں اور بعض اُن میں سے سخت کثرتین بھی کرتی تھیں۔ اُن کے جسم کا نمو آزادی اور تندرستی کی زندگی سے ہوا کرتا تھا۔ وہ شکلیں انسانی خوبصورتی کا ایسا نمونہ تھیں جو ہمیشہ یادگار رہے گی اور جس کا نظیر کبھی نہ پیدا ہو گا۔“

ایک پُرانی مثل ہے کہ ”خدا شناسی کے مرتبے کو بعد صفائی کا مرتبہ ہے“ اور آج کل کی طبی تحقیقات سے صرف اس پُرانی کہاوت کی تصدیق ہی نہیں ہوتی بلکہ دلائل سے ثابت کر دیا گیا کہ صفائی اور طہارت کا یہ مرتبہ کیون قرار دیا گیا۔

ہم کو یہ بات معلوم ہے کہ بہت سی بیماریاں اس وجہ سے نہیں پیدا ہوتیں کہ ہمارے جسم کے اندرونی اجزاء اور ریشوں میں کسی قسم کی بے فاعدگی آگئی ہو۔ بلکہ اکثر دیگر اجسام کے حملوں سے پیدا ہوا کرتی ہیں جو نیچر میں موجود ہیں۔ ہریضہ چھپک و اکثر اس قسم کو اور امراض ہم میں خود بخود نہیں پیدا ہو جاتے بلکہ اُس وقت ہمیں عارض ہوتے ہیں جب اُن کا بیج کسی نہ کسی طرح ہمارے جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے

عہد ایشیائی اور گریک ناول نویسوں کا رہا جو عہد میں پیدا ہوا۔ اور شہداء میں مر گیا۔

صفائی کی شدید ضرورت صرف ہمارے جسم کے واسطے نہیں
ہو بلکہ اُن مکانوں کی بھی جن میں ہم رہتے ہیں۔ اُن کپڑوں کی بھی
جنہیں ہم پہنتے ہیں۔ اُس پانی کی بھی جس کو ہم پیتے۔ اور اُس ہوا
کی بھی جو سانس کے ذریعے سے ہمارے جسم کے اندر جاتی ہو۔
انسان کا جسم ایک زندہ معجزہ ہو! ذرا دیر کے واسطے غور
کر دکھنا بڑا علم ہمارے دماغ کے خزانے میں جمع ہو! ذرا
خیال کرو کہ کتنی جلد ہمارے رگ اور سیٹھے قوت متحرک کے حکم کی
تعمیل کرتے ہیں!

سر جسمیں سچیٹے کہتا ہوا ایک بہت ہی مشاق بجانے والا ایک
پیانو پر ایک پل میں چوبیس سُر بجا سکتا ہو۔ ایک سُر کے بجانے
میں ایک عصبانی حرکت دماغ سے انگلیوں تک پہنچتی ہو۔ اور
اُسی طرح انگلیوں سے دماغ کو جاتی ہو۔ ہر سُر میں انگلی کو تین حرکتیں
ہوتی ہیں (۱) جھکنا (۲) اٹھنا (۳) اُدھر اُدھر ملنا۔ یعنی ایک
پل میں بہتر حرکتیں ہوتی ہیں۔ اور ہر حرکت میں قوت متحرک اپنا
فعل جُدا جُدا دکھاتی ہو۔ اور بغیر کسی غلطی کے ایک خاص رفتار
اور خاص قوت کے ساتھ کسی خاص مقام کی طرف رجوع کرتی ہو۔
اور کھال بہت نازک اور مکمل عضو ہو۔ اس میں ہزاروں لاکھوں
سوراخ ہیں۔ اور اتنی اور اتنی لمبی رگیں شریانیں اور اعصاب ہیں۔
جو اگر پھیلائی جائیں تو میلوں تک ہوں۔ یہی عضو بینی کھال متواتر

اپنے تئیں از سر نو تبدیل کرتا رہتا ہو۔ اور اپنی اس خدمت کے انجام دینے میں اس کو تھوڑی خبر گیری اور بہت بانی کی ضرورت ہو کر پتی ہو۔ برٹش کا استعمال کھال کے واسطے اُسی قدر ضروری ہو جتنا کہ بالون کے واسطے۔ اس عجیب حصہ جسم کو تندرست رکھنے کے لیے ضرور ہو کہ اکثر اجزاء کام میں مشغول رہیں۔

اکثر بیماریوں کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہو کہ اُن کی خاص بیماری محض سکون ہے۔

سنیکانے کہا ہو کہ مقام کیمپینیا کے عیش و عشرت نے ہنریال کو کمزور کر دیا ہے آلیس کی برف بھی کبھی شکست نہیں دے سکی تھی۔ اپنے اسلحہ کے استعمال میں وہ ہمیشہ فتح مند رہا لیکن عیش پرستی نے اُسے شکست دے دی۔

ہمارے حواس چاہے ان میں ایسی ہی مسرتیں کیوں نہ ہوں جو گناہ نہیں ہیں اگر ہم اپنے تئیں اُن کے اختیار میں دے دیں گے تو بے شک وہ ہمیں زندگی کی کسی چٹان سے ٹکرا کے یا کسی گرداب میں ڈال کر یقیناً تباہ کر دیں گی۔ ہم لوگ صرف کھانے کی وجہ سے اکثر اپنے تئیں بیماریوں میں مبتلا کر لیا کرتے ہیں۔ اب لفظ پینے کے معنی ہی شراب پینے کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ جو شامی قوموں کی ایک بڑی شامت ہو بہت سی حالتوں میں شراب ایک بیش بہا دوا ہو۔ لیکن ہمارے ملک کے لوگوں کی نصف سے

کچھ زیادہ تکلیف مصیبت اور گناہوں کا سبب یہی شراب ہے۔
 خالص باقی جو ایمان داری کا آئینہ ہو کبھی کسی کو گنہگار نہیں
 بناتا۔ لیکن شراب سے ہزاروں جرائم ہو ا کرتے ہیں۔ پُرانے
 یہودیوں کی مثل ہو کہ ”جب انسان کے اندر شیطان خود نہیں
 جاسکتا تو وہ شراب کو بھیج دیتا ہے“ چالس کا قول ہو کہ ”جہاں
 شیطان ایک دفعہ داخل ہوا۔ اور دروازے کے اندر کھڑا ہو گیا
 پھر فوراً وہاں سے آرام امید اور خوشی ہمیشہ کے واسطے رخصت
 ہو جاتی ہے۔“

چلینی کہتا ہے کہ ”شراب سے ہاتھوں میں رعشہ۔ آنکھوں میں پانی۔
 رات کو بیچینی اور بد خوابی۔ صبح کو منہ سے بد بو اور ہوش و
 حواس میں بالکل نسیان پیدا ہو جا یا کرتا ہے۔ مذکورہ مضمون کو
 سرٹو بلیو ریلی نے نقل کیا ہے اور اُس میں اتنا اور بڑھایا ہے کہ
 ”جو شخص شراب سے محبت کرتا ہو کوئی شخص اُس کا اعتبار نہ
 کرے گا۔ کیونکہ وہ راز کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔ شراب انسان
 کو صرف جانور ہی نہیں بنا دیتی بلکہ پاگل کر دیتی ہے۔ اگر تم
 اُس سے محبت کر دو گے تو تمھاری بی بی۔ تمھاری اولاد اور
 تمھارے دوست تم کو حقیر اور ذلیل سمجھیں گے۔“

عہ قدیم الام میں روم کا ایک معزز شخص تھا جو مختلف علوم میں کمال رکھتا تھا سلمہ
 کے قریب پیدا ہوا اور عہ میں مرا۔

شیکسپیر نے بھی اس کی مذمت میں بہت عمدہ فقرے لکھے ہیں۔
 ”کیسے افسوس کی بات ہو کہ آدمی اپنے دشمن (شراب) کو اپنے منہ
 میں رکھ لیں تاکہ وہ ان کی عقل کو چڑا لے جائے ! اور کیا غضب ہو
 کہ ہم بہت خوشی و خرمی اور نعرہ ہائے مسرت آمیز کے ساتھ اپنے
 آپ کو جانور بنا لیتے ہیں ؟“

ابھی ابھی سمجھ دار آدمی تھے۔ گھڑمی بھر میں بے وقوف ہو ڈے۔
 اور لمحہ بھر میں جانور بن گئے۔ ایسے آدمیوں کو جو پاؤں سے
 نسبت دینا لے انصافی ہے۔ کیونکہ جو پائے ان سے اچھے ہیں۔
 بخلاف اس کے اعتدال کا درجہ کتنا بڑا ہو ! شیکسپیر کہتا ہو
 باوجودیکہ بوڑھا معلوم ہوتا ہوں تاہم میں طاقت ور اور تندرت
 ہوں۔ کیونکہ میں نے اپنے ایام جوانی میں کبھی گرم اور جوش
 دلانے والی رقیق شو (آتش ستیاں) کا استعمال نہیں کیا۔ اس
 لیے میری ضعیفی باوجودیکہ ہوا کے سخت موسم کی طرح نہایت سرد
 ہو لیکن مہربان ہو۔“

بعض اوقات اس بات پر بہت تعجب معلوم ہوتا ہو کہ کیوں
 انجیل میں بہت زیادہ اور مکرر و سہ کر شراب خواری کے مذمت
 نہ کی گئی۔ لیکن ہم کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انجیل گرم ملک
 میں لکھی گئی تھی۔ اور شراب خواری ایسی بڑائی ہو جس کا مسکن
 خاصہ سرد ممالک ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے اس کی مذمت یوں

کی ہو کہ دس کو بیچ ہوتا ہو؟ کس کو غم ہوتا ہو؟ کس کے درمیان
میں لڑائیاں ہوا کرتی ہیں؟ کون بک بک کیا کرتا ہو؟ کس کو بوجھ
بے سبب زخم لگا کرتے ہیں؟ کس کی آنکھیں سُرخ رہتی ہیں؟ ان
لوگوں کی جو شراب خانے میں زیادہ دیر تک ٹھہرتے ہیں۔ اُن
لوگوں کی جن کو شراب کی تلاش ہوتی ہو۔ جب شراب کا گلابی
رنگ جام میں چھلکتا ہوا نظر آئے تو تو اُس کی طرف نہ دیکھ۔ اس
لیے کہ آخرین وہ ایک سانپ کی طرح کاٹتی اور زہریلے بچھو کی طرح
ڈنک مارتی ہو۔

ہمیں اس بات کے اُمید کرنے کی وجہ ہو کہ شراب خواری ایک
ایسی بُرائی ہو جو روز بروز گھٹتی جاتی ہو اب ہمیں چونکہ اس بات کا
زیادہ موقع ملتا ہو کہ دماغی کاموں میں مصروف ہوں اور راگ
تصور پرین اور کتابیں لطف اُٹھانے کے لیے بہ نسبت پیشتر کے اب
زیادہ آسانی سے ہم پہنچ سکتی ہیں۔ لہذا ان باتوں سے شراب کے
چھوٹنے میں بہت مدد مل رہی ہو۔

لیکن شراب خواری کی بُرائیاں اگر اظہر من الشمس ہیں تو زیادہ خواری
کی بُرائیاں بھی کم مشہور نہیں۔ غالباً تو سے فی صدی ایسے لوگ ہیں
جو اُس سے زیادہ کھا لیتے ہیں جبکہ اُن کے واسطے ضروری اور
مناسب ہو۔ کبھی کبھی دعوت میں زیادہ کھا لینے میں چند ان مضائقہ
نہیں۔ مگر یہ روز بروز کا معدے میں بھر لینا ہو جو مضر پڑتا ہو اور

پست کر دیتا ہو۔ حد سے زیادہ کھالینا آسان ہو مگر حد سے کم کھانی کا کوئی خوف نہیں۔

اعتدال کو طاقت سے علاقہ ہو کمزوری سے نہیں۔ اعتدال اس بات کو ظاہر کرتا ہو کہ آپ کو اپنے اوپر اختیار حاصل ہو اور آپ کی خواہشیں آپ کے کئے میں ہیں۔

دستر خوان پر زیادہ زمانے تک نہ جم جاؤ۔ لیکن بہت جلدی بھی نہ کھاؤ۔ اُس وقت کھانے سے ہاتھ کھینچ لو جب تم کو تھوڑی اشتہا باقی ہو۔ اگر معدہ خوب بھرا ہوتا ہو تو دماغ کام نہیں کر سکتا دن کے کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرنا بہت اچھا قاعدہ ہو لیکن یہ بہت افسوس ناک زندگی ہو کہ تم اتنا کھا لو کہ ایک کھانے کے وقت سے دوسرے کھانے کے وقت تک تم کو پڑا ہی رہنا پڑے۔ کھانا زندہ رہنے کے واسطے کھاؤ نہ یہ کہ اپنی زندگی کھانے کے واسطے وقف کر دو شعر خور دن برائے زیستن و ذکر کردن است + تو معتقد کہ زیستن از مہر خور دن است + زیادہ کھانا زندگی کو کم کرتا ہے۔

جب وحشی لوگ ٹڈین من (یعنی اپنی قوم کے کاہن اور طبیب) بننا چاہتے ہیں تو وہ مبغلہ اور باتون کے ایک بڑے روزے کی بھی تیاری کیا کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہوا کہ اُن کے اعصاب میں بہت جُستی اور تیزی پیدا ہو جایا کرتی ہو جس کو وہ الہام سمجھتے ہیں۔ آخر

انہیں اس بات کا ملکہ حد سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی اور شخص کرے تو اُس کو بھی یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ غذا کم کرنے سے دماغی قوت زیادہ ہو سکتی ہے۔

علاوہ برین ہلکا معدہ دل کو ہلکا بنا دیتا ہے۔ اور زیادہ کھانا قوتوں کو کم کرتا ہے۔ اگر آپ اُن لوگوں کو جمع کریں جو بیمار ہیں تو آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ صرف ضعف معدہ کے عارضے کی تعداد دیگر امراض کے مجموعی تعداد کے برابر ہے۔

بلیکن کا قول ہے ”اس بات سے ہوشیار رہو کہ تمھاری غذا میں یکایک کوئی بہت بڑی تبدیلی نہ واقع ہونے پائی۔ اگر تبدیلی کی ضرورت ہو تو آورد و سرمی باتون کو بھی اُس کے مطابق کر لو۔ کھانے کے وقت دل میں دوسو نہ لاؤ اور خوش و خرم ہو سونے اور ورزش کرنے کا بہت خیال رکھو۔ یہ نصیحت نہایت ہی عمدہ اور بہت زمانے تک قائم رہنے والی ہے“

ایسبرنٹھی نے کہا ہے ”اگر تم اچھے رہنا چاہتے ہو تو تم کو چاہیے کہ چھ پنس روزانہ پر بسر کرو اور اُن کو خود پیدا کرو“ یہ نصیحت جو بہت تھوڑے الفاظ میں کی گئی ہے اس میں کل کھانے اور ورزش کے متعلق تمام ضروری باتیں شامل ہیں۔ چھ پنس میں اور خاص کہ جب کہ ارزانی ہو آپ کافی اور صحت بخش غذا خرید سکتے ہیں۔ مگر ہاں

عہدہ بھٹی ایک بردستہ اگر تھا جو۔ کالمینٹین شمشاد میں پیدا ہوا اور شمساع میں مرا۔

آپ کو اس مین یہ موقع نہ ملے گا کہ خوب شرابین اڑا لیے اور
ناکون ناک غذا بھر لیجیے۔ اس نصیحت مین ورزش پر بھی زور
دیا گیا ہے۔

بالفعل جو ہماری موجودہ حالت ہو اس کے لحاظ سے اگر ہم
تھوڑی دیر کشادہ ہوا مین سیر کریں تو اسے کوئی وقت کا ضائع
کرنا نہ خیال کرے گا۔ اتنا وقت زندگی کے حساب مین نہیں
درج کیا جائے گا بلکہ اس سے زندگی بڑھے گی۔

صاف پانی کی بھی اتنی ہی ضرورت ہو جتنی کہ تازہ ہوا کی۔
پانی کی زیادہ مقدار (خاصکر ٹھنڈے پانی کی اگر تم اُس کو شربت
کر سکو) اندر اور باہر جسم کی دونوں جہتوں کے واسطے ضروری ہے۔
ذرا ذرا سی باتیں جیسے دانتوں کی صفائی کا خیال رکھنا زندگی کے
آرام مین بہت بڑا فرق پیدا کر دیتی ہیں۔

تندرستی کا دار و مدار دواؤں سے زیادہ عادات اور غذا پر
ہو۔ ہمارے آباؤ اجداد صرف بیماری کے دور کرنے کے واسطے
دوا کا استعمال کیا کرتے تھے۔ طبیبوں کے کالج ہی نہیں بلکہ
بیگین نے بھی دواؤں کی تعریف کی ہو۔ اور اُن کے استعمال
کی سفارش کرتے ہیں۔ لیکن یہ ابتدائی غلطی ہو۔ لاک پہلا
شخص تھا جس نے اس غلطی کو سب پر عیان کر دیا۔ ڈیوکیل سائنس
کا نام ہی دواؤں کے استعمال کو بتلاتا ہو۔ لیکن اگر ہم ہوش و

حواس کے ساتھ زندگی بسر کریں تو ہمیں دو اُون کے واسطے بہت کم صرف کرنا پڑے گا۔

نیچر کو آزادی سے اپنا کام کرنے دو۔ اُسے نہ چھڑو۔ اور صرف اُس کو کام کرنے دو۔ میپولین کا قول ہے۔ ”زندہ اصول کے خلاف کام نہ کرو۔ بس اتنا کرو کہ اُسے اپنے تئیں خود بچانے کی آزادی دے دو وہ تمہیں دو اسے زیادہ فائدہ پہونچائے گا“ ہوا اور پانی کی کثیر المقداری اور غذا میں اعتدال رکھنے سے ہم کو تندرستی اور طاقت کے جذبات کا لطف حاصل ہوگا۔ اور جب تک ہم بہت ہی زیادہ مست نہ ہو جائیں گے اُس وقت تک ہمارے دل میں جوانی کی بہار قائم رہے گی۔

یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ تندرستی سے صرف جسم ہی کو فائدہ پہونچتا ہے۔ ڈاکٹر رچرڈ سن کتا ہو کہ ”غصہ نفرت رنج اور خوف ایسی چیزیں ہیں جن سے بہت ہی سولمان روح ہوتا ہے“۔ بخلاف اس کے خوشی۔ خوش مزاجی اور دلجمعی تندرستی کے بہت قوی اجزاء ہیں۔

یہ مشہور ہو کہ لائی کرگس نے اسپارٹا کے ہر ایک ایڈنگ

عہ ڈاکٹر چرلس انگلستان کا ایک متاخر العہد قانون دان تھا جس نے فلسفہ زبان کے شوق میں قانون کے پیشے کو چھوڑ دیا تھا۔ عہ عام میں پیدا ہوا۔ اور عہ عام میں مر گیا۔
عہ لائی کرگس یونان کے شہر اسپارٹا کا مشہور و معروف اور زبانی گرامر فن تھا۔ وہ حضرت مسیح سے تقریباً عہ برس پیشتر جزیرہ کریٹ میں ملا تھا۔

ہال (کھانے کے کمرے) میں ایک چھوٹی تصویر مہنسی کے دیوتا کی نصب کرادی تھی۔ بھونٹن نے کہا ہو کہ ”بہت سے لوگ زیادہ عمر تک زندہ رہ سکتے لیکن اُن کو اندیشے اور آزر دگیان مار ڈالتے ہیں۔“ یہ بات اُس نے صرف اپنے ہموطنوں کے بابت کہی تھی مگر صادق سب پر آتی ہو۔

جب کہ ہم بد دماغ ہوتے ہیں تو ذرا دُرا سہی اور معمولی ناگواریاں ہم کو ایک آفت ناگمانی معلوم ہوتی ہیں۔ جب اسی حالت ہو تو ہم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اب ہمیں آرام لینے اور تازہ ہوا کی ضرورت ہو ہم اکثر یہ سنتے ہیں کہ فلاں لڑکون پر کام کا بہت بوجھ ہو اور وہ سن رسیدہ لوگ کام کرتے کرتے مر گئے۔ بہت سی حالتوں میں صرف اوسط درجے کی مشقت سے نہیں بلکہ جوش۔ فکر اور تردد سے صحت جسمانی کو ضرر پہونچتا ہو۔ کام۔ سُستی۔ عیاشی اور نفس پروری نے بہ نسبت سخت کام کے لوگوں کو زیادہ ہلاک کر ڈالا ہو۔ دماغ کو بھی اعصاب کی طرح درزش کی ضرورت ہو۔ اگر تم اپنے تئیں سویرے سونے۔ سویرے اُٹھنے اعتدال۔ اور عقل مستدانہ عادتوں کا عادی بنا لو گے تو کام بلکہ سخت کام اگر حد سے زیادہ تجا دزنہ کر گیا ہو تو تم کو بجائے نقصان کے فائدہ پہونچائے گا۔

عہ بھون ایک فرانسیسی مسلم دستند ماہر فلسفہ طبیعی تھا۔ جو عہ عام میں پیدا ہوا۔ اور عہ عام میں مر گیا۔

ہم میں بہت لوگ ایسے ہیں جن کو اکثر اتون کو نیند نہیں آ یا کرتی۔ واقعی یہ حالت بہت آزار دہ ہو۔ ایسی کیفیت میں انسان کو یہ معلوم ہوتا ہو کہ جیسے کوئی بڑی سخت آفت ناگہانی سر پر آنے والی ہو۔ اور ذرا ذرا سے مشکلات جن کے حل کرنے میں اگر دماغ کی ایسی حالت نہ ہوتی تو خوشی معلوم ہوتی اس حالت میں مالا نخل نظر آتے ہیں۔ اور یہ نظر آنے لگتا ہو کہ دماغ مسرت دہ چیزوں سے بھاگتا ہو اور ایسی باتوں کے خیال میں ہو جو گزر گئیں یا جن کے واقع ہونے میں کوئی بُرائی ہو۔ ایسی حالت میں ہم کو نا امید نہ ہونا چاہیے۔ نیند نہ آنے سے کوئی شخص مرنہیں جاتا ہو سب سے اچھی یہ بات ہو کہ دو اناہ استعمال کرو اس کا استعمال حقیقتہً خطرناک ہو۔ جہاں یہ ممکن ہو گھر میں نہ رہو بلکہ باہر رہو۔ اور جہاں تک بنے باتوں کو آسان سمجھو اور اُن پر بھروسہ رکھو۔ نیند کی برکت پھر ایک دن تم کو نصیب ہو جائے گی۔ اگر بے خوابی کو بہت عرصہ نہیں ہو گیا ہو تو اس کا بہا جرے لے گا کہ تم کو نیند کی برکت اور قدر معلوم ہوگی جس کی ہم لوگ عموماً آدھی بھی قدر نہیں کرتے ہیں۔

بہت سی جسمانی شکایتوں کا مرکز دماغ ہی ہوا کرتا ہو طبیبوں کو صرف جسمانی علامات ہی نہیں سوچنا پڑتے ہیں بلکہ بعض اوقات اُن کو مندرجہ ذیل مسئلے پر غور کرنا پڑتا ہو ”کیا تو بیمار دل کا علاج

نہیں کر سکتا؟ اور حافظہ سے رنج و غم کی جڑ کو نہیں اُکھیر سکتا؟
کیا دماغی تفکرات کو نہیں جھیل سکتا؟ کیا تیرے پاس کوئی ایسی
بھلا دینے والی دوا نہیں کہ جس سے تو سینے کو اس ایذا رسان
ماڈے سے پاک کر لے جو دل کو دباے ہوئے ہو؟“

علامہ برین تندرستی صرف مسرت کا ایک بہت بڑا جزو ہی
نہیں بلکہ اچھے کام کے واسطے نہایت ضروری ہو۔ اس کا
پھینک دینا نہ صرف ضائع کر دینا ہو بلکہ خود غرضی ہو۔

اگر ہم اپنے اعضاء پر حد سے زیادہ زور دین گے تو پھر
بہین اچھا کام کرنا غیر ممکن ہو جائے گا۔ یا یون کہنا چاہیے کہ
بہت عمدہ کام نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک بہت بڑی حکمتِ علی ہے۔ کیونکہ
اگر ہم اسی طرح محنت کرتے رہے تو آئندہ بہین پھر زیادہ زمانے
تک سستانا اور آرام کرنا پڑے گا۔ قطع نظر اس کے جو کام
ایسی حالت میں کیا جائے گا وہ اعلیٰ درجے کا کام نہ ہوگا۔
اُس میں کمزوری اور جھنجھلاہٹ کے نشان پائے جائیں گے۔ رلے
اچھی نہ ہوگی۔ اگر اس رلے کے انجام دینے میں دوسرے
لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے کی ضرورت ہوگی تو آپس میں
جھگڑا اور ملال ہو جانے کا احتمال ہوگا۔ اگر کسی کو اس بات کا
اعتبار نہ ہو تو امتحان کر کے دیکھ لے۔ اُس سے ایسی حالت میں
نقشہ بنانے کو کہو اُسے بناتے وقت خود ہی معلوم ہو جائے گا

کہ اُس کا ہاتھ قائم نہیں ہوا اور نہ پوری طرح اُس کے اختیار میں ہو۔ اس حالت کا سبب رگ بٹھے کی تھکاوٹ نہیں ہو بلکہ عصاب کی بے دمی۔ ہمیں مشقت سے لطف اٹھانا چاہیے۔ اور لطف اٹھانے کے واسطے یہ ضروری ہو کہ ہم استقلال اور قوت کے ساتھ کام کریں۔ لیکن ہم کو لگاتار محنت نہ کرنی چاہیے جس میں ہم کھانے۔ آرام۔ ورزش اور تعطیلوں تک کو بھلا دیں۔

جس وقت انسان بیماری کو خود اپنے ہاتھوں مول لیتا ہو۔ اُس وقت اُس کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہو کہ بیماری کا کس قدر میلان اُس کے کمزور کرنے اور اُس کی قوت گھٹانے کی طرف ہوتا ہو۔ بخلاف اس کے آپ کو بہت لوگ ایسے بھی ملیں گے جنہوں نے اپنے تئیں خود بیمار اور کمزور نہیں بنا لیا ہو بلکہ اُن کے جسم کی بناوٹ ہی پیدا اُس کے وقت سے ایسی ہو کہ آؤ دن بیمار رہا کرتے ہیں۔ ایسی حالتوں میں یہ معلوم ہوتا ہو کہ نیچر اس کا معاوضہ انھیں یہ دیتا ہو کہ اُن کا دماغ بہت صاف اور روشن ہوتا ہو۔ ہم سب لوگوں کو ایسے اشخاص بھی ملتے ہیں جو مصیبت میں مبتلا ہیں جن کی خوشی اور خوش مزاجی سے ہم کو جو تندرست ہیں صرف سبق ہی نہیں ملتا ہو بلکہ وہ لوگ اپنی اس مصیبت ہی کی وجہ سے عالی مرتبہ اور پاک لوگ خیال کیے گئے ہیں۔

پچھا باب

قومی تعلیم

زمانہ سلف میں بھی جس عہد کی تاریخ ہمارے پاس موجود ہو
عقل مند لوگوں نے ہمیشہ تعلیم کی ضرورت پر کچھ زور دیا ہو۔
ہیٹیوڈ لپسا کہتا ہو ”علم کا خزانہ سب خزانوں سے زیادہ
بیش قیمت ہو۔ کیونکہ نہ یہ چوری جاسکتا ہو نہ دے ڈالا جاسکتا
ہو اور نہ خرچ کر ڈالا جاسکتا ہو“ فلاطون کا قول ہو ”انسان
کو جو بہتر سے بہتر چیزیں مل سکتی ہیں اُن سب میں علم سب سے اعلیٰ
درجے کی چیز ہو“

مونتن کا مقولہ ہو کہ ”جمالت سب برائیوں کی مان ہو“
فلر کہتا ہو ”سب سے بڑی خیرات یہ ہو کہ انسان کو تعلیم دے“
ایک فرانسیسی ادیب کا قول ہو ”طاقت بغیر علم کے نہایت ہی
خطرناک چیز ہو“ جاہلانہ زندگی بمقابلہ عالمانہ زندگی کے ایک
اُداس زندگی ہو۔ یہ خوب کہا گیا ہو کہ انسان کو علم کی ضرورت
اس وجہ سے نہیں ہو کہ اس کے ذریعے سے وہ معاش حاصل
کرے بلکہ علم اُس کی زندگی کا ذریعہ ہو“

عہ مونتن ایک مشہور فرانسیسی مضمون نگار تھا ۱۷۹۵ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۸۵۲ء میں مرا۔

عہ فلا ایک عالی مرتبہ انگریز مورخ تھا جو ۱۷۹۵ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۸۶۱ء میں مر گیا۔

پڑا رک نے کہا ”مجھے تعلیم لینے سے زیادہ کسی چیز کی فکر نہیں“ شکسپیر کہتا ہے ”جمال خدا کا غضب ہو۔ اور علم ایسا پر ہو جس کے ذریعے سے انسان اڑ کر خدا تک پہنچ سکتا ہو“ کہ بے علم نتوان خدا را شناخت۔

حضرت سلیمانؑ اپنے ایک دلچسپ بند مین فرماتے ہیں ”خوش وہ شخص ہو جو عقل کو پاتا ہو۔ اور سمجھ سے اُس کو بہرہ ملتا ہو۔ کیونکہ اس کی سوداگری چاندی کی سوداگری سے اچھی ہو۔ اور اس کا نفع سونے کے نفع سے عمدہ ہو۔ وہ لعل سے زیادہ بیش قیمت ہو۔ اور وہ تمام چیزیں جن کی تو خواہش کر سکتا ہو اس کے مقابلے میں بیچ ہیں۔ اس کے دانسنے ہاتھ مین درازی عمر ہو۔ اور بائیں ہاتھ مین دولت و عزت اس کے طریق خوشی کے طریق ہیں۔ اور اس کے راستوں مین مجموعی حاصل ہوتی ہو۔“ اور دوسرے مقام پر یوں فرمایا ہو ”عقل خاص چیز ہو۔ لہذا تم کو لازم ہو کہ عقل کو حاصل کرو۔ اور اپنی تمام آمدنی کو صرف کر کے پیدا کرو۔“

باوجودیکہ علم کی بابت یہ سب کچھ کہا گیا ہو لیکن عرصہ دراز تک عام رائے تعلیم دینے کے خلاف تھی۔ خاص کر لڑکیوں کی تعلیم کے بابت۔ ایک جرمنی مثل ہو کہ عورت کا کتب خانہ توشہ خانہ

عہ پڑا رک ایتالیہ کا ایک نامی گرامی شاعر تھے۔ مین پیدا ہوا۔ اور ۱۷۷۳ء مین مرا۔

ہو۔ اور ایک فرانسیسی مثل ہو کہ ”لڑکیوں کو یا تو چار انجیلوں میں بند رہنا چاہیے یا چار دیواری میں“ اس کو بہت زمانہ نہیں گزرا کہ تعلیم نہ غریب آدمیوں کے لیے کچھ ضروری سمجھی جاتی تھی اور نہ امیر آدمیوں کے لیے۔ یہ صرف پوجاریوں اور پادریوں کے واسطے ضروری خیال کی جاتی تھی چنانچہ خود لفظ **کلرک** اس بات کو ثابت کر رہا ہو۔

میان تک کہ ڈاکٹر جانسن نے جو اس عقول مند اور نیک آدمی تھا اس بات کو کہ ”اگر تمام آدمی پڑھنا سیکھ لیں گے تو دنیا کے وہ کام جن کو دستکاری سے تعلق ہو کون کرے گا“ مثل ایسے علوم متعارفہ کے مان لیا ہو جن کے ثبوت کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔ لیکن چونکہ ڈاکٹر جانسن صرف علمی معاملات میں بہت مستند شخص تھا لہذا وہ محنت و مشقت کی عظمت کا اندازہ نہ کر سکا۔

ایک زمانہ تو یہ تھا۔ دوسرا زمانہ یہ آیا کہ جس میں تعلیم خاص کاروبار کے واسطے دی جاتی تھی۔ اور اس بات کی خبر داری ضروری سمجھی جاتی تھی کہ لڑکے اپنے درجے یا منصب نہ بڑھ جائیں صرف پڑھنا۔ لکھنا اور حساب و کتاب غریب لڑکوں کے واسطے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اور صرف اس قدر پڑھنا لکھنا کہ کاروبار کے

عہ لفظ کلرک کا مخج کلر جی ہو (یعنی پادری) اور اس زمانے میں صرف پادری ہی لوگ پڑھا لکھا کرتے تھے۔

جزئیات کے واسطے اور یہی کھانا کھنے کے لیے کافی ہو۔
 اُن دنوں یہ رے کارو بار کے تمام صیغون میں رائج تھی۔
 لاٹرو ایلڈن کی بابت یہ کہا گیا ہو کہ اُس نے اپنا حساب کتاب
 اُن خزانچوں سے کھولا تھا جو لندن میں سب سے زیادہ بے وقوف
 تھے اور اکثر یہ کہا کرتا تھا کہ اگر مجھے ان سے بھی زیادہ بے وقوف
 مل جائیں تو اپنا حساب اُن سے کھول دوں۔“

ہیزلٹ کا قول تھا کہ جن لڑکوں کو کارو بار کے واسطے تعلیم
 دی جاتی ہو اُن کو اور کچھ نہ سکھانا چاہیے۔“ اور یہ بھی اُس کا
 قول ہو کہ ”ہر ایک شخص روپیہ پیدا کر سکتا ہو بشرطیکہ اُس کے
 دماغ میں کوئی اور دوسرا خیال نہ ہو۔“ یہ دوسرا زمانہ تھا۔

اب ہم جو تعلیم کی حمایت کرتے ہیں۔ وہ اس واسطے نہیں
 ہو کہ ہم آدمی کو ایک اچھا کارگر بنا دیں۔ بلکہ اس غرض سے
 کہ ہم اُسے ایک اچھا آدمی بنا دیں۔ وکٹر ہیوگو نے کیا اچھا
 کہا ہو کہ ”جو شخص اسکول کھولتا ہو وہ قید خانہ بند کرتا ہو۔“
 ایک سوکڑز لینڈ کے مدبر سلطنت نے کہا ہو ”ہمارے

بہت سے لڑکے غربت کے واسطے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ہم
 اس بات کا ضرور خیال رکھتے ہیں کہ وہ جاہل نہ رہ جائیں۔“ ہم

عہ ہیزلٹ ایک مشہور انگلش انشا پرداز تھا جو ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوا۔ در ۱۸۷۵ء میں مرا۔

عہ وکٹر ہیوگو ایک بہت ہی مشہور مقبول فرانسیسی ناول نویس جو ۱۸۰۲ء میں پیدا ہوا تھا۔

لوگ جو لندن میں رہتے ہیں اب تعلیم کی ضرورت کی قدر سمجھنے لگے ہیں۔ گروسے نے پہلے تو کہا تھا مگر اب ہمارے یہاں کے دیہات والوں کی بابت یہ نہیں کہہ سکتا کہ ”علم نے اپنا بڑا صفحہ جس میں زمانے کے حالات لکھے ہیں اُن کی آنکھوں کو سامنے کبھی نہیں کھولا۔ تہی دستی کی سر و مزاجی نے اُن کے شریف غصے کو دبا دیا۔ اور اُن کے دل کے لطیف اور نشاط انگیز حشر کو افسردہ کر دیا۔“

میتھیو آرنلڈ کہتا ہے ”اب بھی بہت لوگ ایسے ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ تربیت مسرت۔ اور روشنی یہ تینوں چیزیں چاندنی ہیں لیکن یہ ۱۸۶۹ء میں لکھا گیا تھا۔“
 ۱۸۷۰ء میں جس سال قانون تعلیم پاس ہوا ہمارے ملک کی اخلاقی تاریخ کا ایک بہت بڑا قابل یادگار سال ہے۔ اُس وقت ہمارے ملک کے ابتدائی مدارس میں طلبہ کی تعداد چودہ لاکھ تھی اور اب بچا بس لاکھ ہے۔ اور اس کا نتیجہ کیا ہوا ہے؟ پہلے میں جرائم کی فہرست پر نظر ڈالتا ہوں۔
 ۱۸۷۰ء تک قیدیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔

میتھیو آرنلڈ انگلستان کا ایک زبردست عالم اور پروفیسر جس نے تعلیم کے مسئلے پر بہت زور دیا ہے۔ وہ ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوا تھا۔
 اے انگریزی میں چاندنی کا لفظ ایسی چیز کے واسطے کہا جاتا ہے جو غیر متیقن ہو اور جس کو بہت کم قیام ہو۔

اُس سال تک اُن کی اوسط تعداد میں ہزار آٹھ سو تھی۔ مگر اُس وقت سے اب تعداد برابر گھٹتی ہی چلی جاتی ہو۔ یہاں تک کہ اب قیدیوں کی اوسط تعداد صرف تیرہ ہزار رہ گئی ہو۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جرم اب بہت اچھے انخطاط کے ساتھ قریب ایک تہائی کے کم رہ گئے اس کے ساتھ ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیو کہ آبادی برابر بڑھتی ہی رہی ہو۔ ^{۱۸۷۵ء} سے آج تک ایک تہائی آبادی بڑھ گئی ہو جس حساب سے ہمارے مجرموں کی تعداد اگر بڑھتی تو آج اُن کا شمار بجائے تیرہ ہزار کے اٹھائیس ہزار ہونا چاہیے تھا۔ یعنی دو نے سے زیادہ اور جب اُس قدر جرم ہوتے تو ہمارے ذمے پولیس اور قید خانوں کے مصارف بجائے چالیں لاکھ پونڈ کے آہی لاکھ پونڈ ہوتے۔ خورد سالی کے جرائم میں جو کمی واقع ہوئی ہو وہ اُس سے بھی زیادہ قابل اطمینان ہو۔ ^{۱۸۵۴ء} میں اُن لڑکوں کی تعداد جو قابل سزاجرائم کے ملزم ثابت ہو کر جیلخانے بھیجے گئے چودہ ہزار تھی۔ ^{۱۸۶۶ء} میں دس ہزار ^{۱۸۷۵ء} میں سات ہزار ^{۱۸۸۵ء} میں چھ ہزار اور جو سب سے پچھلا شمار ہمیں معلوم ہوا وہ صرف پانچ ہزار ایک سو ہو۔ علی ہذا القیاس ہم کو محتاجون کی حالت پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ ^{۱۸۸۵ء} میں محتاجون کی تعداد فی ہزار سینتالیس

سے زائد تھی۔ اور آخر بڑھتے بڑھتے فی ہزار باون تک پہنچ گئی تھی۔ اُس زمانے سے گھٹتے گھٹتے اب صرف فی ہزار بائیس رہ گئی ہو۔ اور میں فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ خاص دارالسلطنت میں یہ تعداد اس واسطے سے بھی گھٹی ہوئی ہو۔ لہذا افلاس کی نسبت بھی اب آدھے سے کم رہ گئی ہو۔ ہمارا سالانہ خرچ محتاج خانوں کے واسطے اسی لاکھ پونڈ ہو۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ اگلے نرخ سے بڑھتا رہتا تو آج ہمارا سالانہ خرچ ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ ہوتا یعنی موجودہ رقم سے اسی لاکھ پونڈ زائد۔ اور اگر بیس برس سے اب تک ہم برابر اُسی حساب سے اُن مصارف کو ادا کرتے رہتے تو ہمارا خرچ مجرموں کے واسطے موجودہ خرچ سے چالیس لاکھ پونڈ زائد ہوتا اور محتاج خانوں کے بابت اسی لاکھ پونڈ۔

اگر ہم خراب ترین جرائم کا نقشہ اٹھا کر دکھا دیں تو وہ اور بھی قابلِ دید اور قابلِ اطمینان ہو۔ جن لوگوں کو حبس و ام کی سزا ہوئی ان لوگوں کی سالانہ اوسط تعداد اُن پانچ سال کو اندر جو سترہ لاکھ تک ختم ہوئی دو ہزار آٹھ سو تھی اور یہ تعداد روز بروز کم ہی ہوتی جاتی ہو۔ یہاں تک کہ گذشتہ سال کی تعداد صرف ساٹھ سو اسی تھی یعنی ایک چوتھائی حالانکہ آبادی برابر بڑھتی جاتی ہو۔ ہمارے آٹھ جیلیز اب بیکار ہو گئے جو اب اور کاموں میں استعمال ہو رہے ہیں۔

اِس بات کے ثبوت میں کہ جمالت اور جرم میں کس قدر قرابت ہو

میں اُن نقشبات کو پیش کرتا ہوں جو گذشتہ سال میری نظر سے گذرے۔ منجملہ ایک لاکھ ستاون ہزار آدمیوں کے جو قید ہوئے پانچ ہزار آدمی ایسے تھے جو اچھی طرح لکھ پڑھ سکتے تھے۔ اور صرف دو سو پچاس ایسے آدمی تھے جن کی بابت کہا جاسکتا ہو کہ تعلیم یافتہ تھے۔

نقشہ ذیل اس بات کو دکھلاتا ہو کہ کتنی بڑی کمی جراثیم میں ہوئی ہو۔ پھر یہ بھی قابل لحاظ ہو کہ جرمون کی تعداد تو گھٹتی گئی مگر آبادی برابر بڑھ رہی ہو۔

اوسط تعداد اُن لوگوں کی جن کو حبس دوام کی نرا گینڈاؤڈیز میں ہئی اوسط آبادی بنگلہستان وریڈیز

۱۹۲۵ء کو ۲۵۸۹..... ۳۱۔ دسمبر ۱۸۵۹ء کو

۲۰۳۷..... ۲۸۰۰..... ۳۲۔ دسمبر ۱۸۶۲ء کو

۲۱۶۸۱..... ۱۹۷۸..... ۳۳۔ دسمبر ۱۸۶۹ء کو

۲۳۰۸۸..... ۱۶۲۲..... ۳۴۔ دسمبر ۱۸۷۶ء کو

۲۴۷..... ۱۴۳۳..... ۳۵۔ دسمبر ۱۸۸۳ء کو

۲۴۳۱۳۲۵۱..... ۱۲۲۷..... ۳۶۔ دسمبر ۱۸۹۰ء کو

۲۷۸۳۰۱۷۹..... ۹۲۸..... ۳۷۔ دسمبر ۱۸۹۷ء کو

۲۹۰۵۵۵۵..... ۷۹۱..... ۳۸۔ دسمبر ۱۹۰۴ء کو

میں اُمید کرتا ہوں کہ لوگ یہ خیال نہ کریں گے کہ اس مسئلے کو میں نے محض رویہ آنہ پائی کا معاملہ سمجھا ہو۔ میں نے یہ اُمور صرف اس وجہ سے لکھے ہیں کہ اُن لوگوں کو جواب مل جائے جو تعلیم پر اس وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں خرچ زیادہ

ہوتا ہے۔

اور حقیقت میں میں خود بھی اس بات سے واقف ہوں کہ اس میں
اور مختلف منہائیاں کرتی ہوں گی۔ اور دیگر وجوہ کا بھی خیال
کرنا پڑے گا۔ اور یہ شمار ویسا ٹھیک نہیں ہو جیسا کہ سائنس
کی رو سے ہونا چاہیے۔ لیکن اتنا ضرور کمون گا کہ بہت دلچسپ
اور قابلِ دُفوق ہو۔

اصل بات یہ ہو کہ اس ملک میں جرائم کا صرف ایک حصہ جان
بو جھ کے بد معاشی کی راہ سے کیا جاتا ہو یا ایسی رغبتوں کے باعث
ہوتا ہو جن کو انسان روک ہی نہیں سکتا۔ لیکن جرائم کا سب سے
بڑا سبب شرابخواری اور جالوت ہو۔ ان عمدہ نتیجوں کی صرف
یہی وجہ نہیں کہ اسکول میں اچھو سبق ملتے ہیں۔ صفائی کی عادتیں
سکھلائی جاتی ہیں اور تہذیب و فاعدے معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ
وجہ یہ ہو کہ وہ لڑکے بازار کی خراب باتیں نہیں سیکھتے اور بد معاش
اور بازار میں لوگوں کی تباہ کن تعلیم اور پیروی سے محفوظ
رہتی ہیں۔

اب ہم کو تعلیم کی یہ برکت بھی معلوم ہو چلی ہو کہ اُس سے محتاج
خانے کے ٹکس میں کتنی کمی ہوئی اور جلیانے اس کی بدولت کس قدر
خالی ہو گئے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہو کہ محتاج اور
مجرم کس قدر کم ہو گئے۔ اور خاص کر بچپن کے جرائم میں کتنی کمی واقع

ہوئی۔

ابھی تک اس بات میں شک کیا جاسکتا ہو کہ ہم نے تعلیم دینے کا بہترین طریقہ ایسا ذکر پایا ہو یا نہیں۔ ہم کو اپنی زندگی میں تین سوالوں کا بار بار جواب دینا پڑتا ہو۔ یہ ٹھیک ہو یا غلط؟ یہ جھوٹ ہو یا سچ؟ یہ خوش نما ہو یا بد نما؟ ہماری تعلیم ہم کو ان سوالات کے جواب دینے میں مدد دے گی۔

تقریباً دو سو برس گزر گئے کہ بیکن نے اُن لوگوں کی بابت ذکر کیا تھا جو لوگوں کو اس بات کی دعوت کرتے تھے کہ کتابوں کو بیچ کر بھلیاں خریدو اور مسز و ا اور میوزر کو جو بیچ عورتوں کو مثل ہین طلاق ددو اور ولکن پر بھروسہ کرو۔ ہین مسز و ا اور میوزر کے جھوٹے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہم نے کبھی اپنی تعلیم کو کافی طور سے نیچر کی الہامی کتاب پر متبنی نہیں کیا ہو۔

جس طرح خالی چھری کانٹے اور چھپے سے انسان کا پیٹ نہیں بھر سکتا۔ اُسی طرح صرف لکھ پڑھ لینے حساب اور قواعد کے جان لینے سے اُس کی تعلیم پوری نہیں ہو سکتی۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ نہ تو لکھ ہی سکتے تھے اور نہ پڑھ ہی سکتے

عہ مسز و ا و تانیون کے اعتقاد میں دانائی۔ لڑائی۔ علم و فن اور شاعری وغیرہ کی دیوی تھی۔ میوزر بھی موسیقی علم و فن اور شاعری کی دیوی تھی۔ ولکن رومیون کے عقائد میں آگ کا دیوتا تھا جو اژدہات کے استعمال اور اُن کے کاموں پر حکومت کرتا تھا۔ مطلب یہ ہو کہ ساری علم و فن کو جھوٹو دیوتا پر متبنی ہو۔ اور اژدہات کے استعمال سے فائدہ اٹھاؤ

تھے اور غالباً اربعمہ متناسبہ سے تو بالکل ہی ناواقف تھے۔

مجھ کو اکثر یہ الزام دیا جاتا ہے کہ میں مروجہ سلسلہ تعلیم پر معترض ہوں مگر ایسا میں نے کبھی نہیں کیا۔ یہ علمی زبانیں ہماری تعلیم کا ایک نہایت ضروری حصہ ہیں۔ جن کی بے قدری کرنا یا جن کی بابت غفلت کرنا سراسر عقل کے خلاف ہے۔ لیکن صرف وہی ہماری تعلیم کو پورا نہیں کر سکتیں۔ جیسا کہ چارلس کمپٹن نے کہا ہے ”کہ اکثر ہماری تعلیم صرف یہ ہوا کرتی ہے کہ ہم کو وہ الفاظ سکھا دیے جاتے ہیں جو اسو لوگوں نے استعمال کیے ہیں جن کو مرے ہوئے دو ہزار برس گذر گئے۔ ان کے پیچھے دیگر سچکٹوں کو بھول جانا بقول سیسرو کے ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے واسنے جانب کا خیال رکھو اور بائیں جانب کو بھول جائے۔ اور لطف یہ ہے کہ اکثر جن زبانوں کو ہم علمی زبان کہتے ہیں وہ علمی نہیں ہوتیں۔ قواعد کے سکھانے میں اتنا زیادہ دماغ اور وقت صرف کر دیا جاتا ہے کہ علمی کتب کے مصنفوں کا مطلب خبط ہو جاتا ہے۔ علاوہ برین ہمارے موجودہ طرز تعلیم میں لاطینی اور یونانی زبان کا بولنا نہیں سکھایا جاتا ہے انھیں لاطینی اور یونانی کا وسیا تلفظ بھی نہیں سکھایا جاتا جس طرح کہ اہل روم یا اہل یونان بولتے تھے۔ ان زبانوں کے لفظوں کو جس طرح ہمارے طلبہ ادا کرتے ہیں دیگر مالک کے طلبہ کے تلفظ سے بالکل مخالف ہے۔ اب اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ اسکاٹ لینڈ کے طلبہ کا تلفظ بھی

ہم سے بالکل بدلا ہوا ہو۔

موجودہ طرز تعلیم ہمارے دلون میں علمی زبانوں کی انشا پر دازی کا شوق نہیں پیدا کرتا ہو۔ تھیکہ می جس وقت مقام کارن ہل سے قاہرہ کو جا رہا تھا تو اُس نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ جیسے میری پاس یونانی دیوی میوڑ آئی اور پوچھا ”تم ایتھنز میں پوینچ کر خوش ہوئے؟“ میں نے جواب دیا ”بی بی آپ کی صحبت کے واسطے اوائل عمر میں مجھے اس قدر سخت محنت کرنی پڑی کہ اب آپ سے نفرت ہو گئی ہو۔ لہذا اب اس زمانے میں میرے آپ کے درمیان کبھی موافقت نہیں ہو سکتی۔“

علمی زبانین باوجودیکہ بہت ضروری ہیں مگر وہ تعلیم کا صرف ایک نسخہ ہیں۔

ٹھیکہ می کی نسبت کہا جاتا ہو کہ لاطینی زبان کم جانتا تھا اور یونانی بہت ہی کم۔ کتب بینی کو باوجود اس کے کہ اُسے غور اور بحث سے بھی مدد ملے مگر وہ تعلیم کا ایک حصہ ہو۔ جس لڑکے نے صرف کتابوں ہی کا مطالعہ کیا ہو وہ عالم قدرت کی بابت بہت کم جانتا ہو۔ اسو دنیا کا بہت ہی کم علم ہو۔ اور وہ بحر اس کے کہ نیم ٹار ہے کبھی تکمیل کو درجہ کو نہ پہنچ سکے گا۔

واقعی یہ کیا خوب کہا گیا ہو کہ زیادہ تر ہماری تعلیم اس قسم کی ہوتی ہو جیسے کوئی شخص ایک باغبانی کے رسالے کو لے کر ایک کھاری

کے سامنے پڑھ دیے اس اُمید سے کہ اس پڑھنے سے درخت اُگنے لگیں گے۔

ہم کو صرف بہت کچھ سیکھنا ہی نہیں ہو بلکہ بہت کچھ جو سیکھا ہو اُسے بھلانا بھی ہو۔

جس وقت میں یہ بحث لکھ رہا ہوں تو میں اسکول ماسٹرون کو احسانات کو فراموش نہیں کرتا۔ اُن کا کام بہت محنت جانفشانی اور ذمہ داری کا ہو۔ لہٰذا کون کے ساتھ کھیلنے سے زیادہ لطف اور کسی چیز میں نہیں آسکتا۔ لیکن اُن کو تعلیم دینا اور بات ہو۔ حساب اور قواعد کی تعلیم دے دینا آسان کام ہو۔ ایمرسن کہتا ہو ”ہاں یہ بہت آسان ہو۔ لیکن نوجوانوں کو بد دینا۔ اُن کی قوت بڑھانا۔ اُن کے دلوں میں اُمید کی روح بھونکنا اور کولون کو دھکا کے فائدہ بخش آگ بنا دینا۔ ناکامی کو بذریعہ نئے خیال اور مستقل عمل کے دہر کر دینا آسان بات نہیں۔ یہ صرف خدا اس آدمیوں کا کام ہو۔“

تعلیم آپ کو اس واسطے نہیں دی جاتی ہو کہ آپ قانون دان یا پادری یا سپاہی یا اسکول ماسٹر۔ کسان یا کاریگر بن جائیں بلکہ آپ کو محض آدمی بنانے کے واسطے دی جاتی ہو۔ ملٹن کہتا ہو ”میں اس تعلیم کو پورا اور اصلی سمجھتا ہوں جو انسان کو اس قابل بنا دے کہ وہ تمام عہدوں کا کام انصاف۔ ہوشیاری اور عالی ہمتی سے کر سکے

خواہ وہ عمدہ پرائوٹ ہو یا پبلک۔ متعلق بہ اشتی ہو یا بہ جنگ۔ حکمانے اس بات کے مان لینے میں جلدی کی ہو کہ جن سوالات کو واقعات سے علاقہ ہو اُن کا فیصلہ محض مباحثہ سے ہو سکتا ہے۔ پلوٹا مارک نے اس مسئلے پر کہ پہلے کون چیز دنیا میں آئی؟ مرغی یا انڈا؟ ایک منزے دار مباحثہ لکھا ہو۔ بحث کرنے والوں میں سے ایک صاحب کی یہ رائے تھی کہ دنیا میں مرغی پہلے آئی۔ اس کے ثبوت میں اُنھوں نے یہ دلیل پیش کی کہ ہر شخص مرغی کا انڈا کہتا ہو مگر کسی کو انڈے کی مرغی کہتے نہیں سنا۔

یہ ٹھیک بات نہیں ہو کہ ہم اپنی اولاد کو اس طرح جو ان ہو جانے دین کہ اُن کو وہ عمدہ ہنر نہ معلوم ہونے پاوے جس کے ذریعے سے کسی اہل صنعت کی آنکھ چٹان اور درختوں۔ جمیل اور پہاڑوں میں خدا کی رحمت کا خاکہ دیکھ سکتی ہو۔

جیفریز کہتا ہو کہ اگر کوئی یہ گمان کرے کہ مجھے خیالات کتابوں میں ملین گے تو اُس شخص کو انجام میں نا اُمیدی ہوگی۔ خیالات کا مسکن دریا و سمندر پہاڑ اور جنگل۔ دھوپ اور آزاد ہوا ہے۔ نہ کتابیں۔ مگر ہماری بد قسمتی سے دریا اور سمندر۔ جنگل اور دھوپ اور تازہ ہوا ہم کو اُس قدر میسر نہیں ہو جس قدر کی کہ ہم خواہش ہو۔ علاوہ برین خیالات کتابوں میں بھی ہوتے ہین۔ لیکن اُن کا استعمال عقل سے کرنا چاہیے۔ زبان خیالات کے ظاہر کرنے کا ایک نامکمل آلہ

ہو۔ ہر لڑکا پڑھ کر آدمی نہیں ہو جاتا ہو۔ حتیٰ کہ علم حساب کے بد بھی قواعد کو بھی احتیاط سے پڑھنا چاہیے۔

یہ غالباً ہمارے طرز تعلیم کا نقص ہو جس کی بابت میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ بہت سے لوگ مدرسہ چھوڑنے کے بعد آپ اپنے واسطے باقاعدہ تعلیم جاری نہیں رکھ سکتے۔ اس میں شک نہیں کہ جب تک ہم زندہ رہتے ہیں برا بر پڑھا کرتے ہیں ایک پُرانی مثل ہو کہ ”جیو اور پڑھو“ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہو کہ آیا ہم اپنے تین تعلیم بے قاعدہ دیتے ہیں اور اجنبی ردناول میں سے جو کچھ واقفیت ہمیں حاصل ہوئی ہو۔ اُسی پر قانع رہتے ہیں یا ہم ایسی چیزیں پڑھتے ہیں جن کو ہم اصل میں تعلیم کہہ سکتے ہیں۔

میں نے اس بارہ خاص میں اپنی ایک کتاب میں ایک مستند شخص کی رائے لکھی ہو اور اس مقام پر میں پروفیسر کپلے کی رائے کو نقل کرتا ہوں۔ ”تعلیم ایسی ہونی چاہیے کہ اوسط درجے کا لڑکا جس کی عمر پندرہ یا سولہ برس کی ہو اپنی زبان میں آسانی اور صحت کے ساتھ لکھ پڑھ سکے اور انشا پر دازی کی خوبی کا لطف ہمارے مستند مصنفوں کی تصانیف کو پڑھ کر اٹھا سکے۔ اُس کو اپنے ملک کی تاریخ سے عام آگاہی ہونی چاہیے۔ اور نیز موجودہ سوسائٹی کے اہم قاعدوں میں بصیرت ہو جائے۔ علم موجودات و علم النبیات کے ابتدائی اصول سے آگاہی ہو جائے۔ اور علم حساب و اقلیدس کے

اصلی قواعد کو بھی جان لینا چاہیے منطق کی واقفیت اُسے بذریعہ
امثال کے ہوتی چاہیے۔ نہ محض قاعدوں کو رٹ لینے سے علم موسیقی
اور نقشہ کشی کا جاننا محض دل کے خوش کرنے کے واسطے ہونا چاہیو۔
اس لیے کہ یہ اصل کاموں میں نہیں داخل ہیں۔

بس اتنی آگاہی لڑکے کے واسطے بہت دھجپ ہو۔ ہم میں سے بہت
لوگوں کا وہی قول ہو گا جو جان مہٹر کا تھا جو علم تشریح کا بہت بڑا عالم
تھا۔ وہ کہتا ہو جب میں لڑکا تھا میں بادل اور گھاس کے حالات دریافت
کرنا چاہتا تھا اور اس کا سبب دریافت کرنے کے فراق میں تھا کہ موسم
خزان میں پتیاں کیوں رنگ بدلتی ہیں۔ میں چونٹیوں۔ ناکھیوں چڑیوں
اور پتنگوں کو غور سے دیکھا کرتا تھا۔ میں لوگوں کو اُن سوالوں سے
بوکھلا دیتا تھا جن کو وہ یا تو جانتے ہی نہ تھے یا جن کے جاننے کی
وہ پروا نہیں کرتے تھے۔

لاک نے اپنے اہلکے ملے میں جو مسئلہ تعلیم پر ہیون لکھا ہو کہ ”میں
صرف یہ ایک بات کتابوں کی بابت کہوں گا کہ باوجود اس بات کے
کہ تعلیم محض کتابوں کے پڑھنے کا نام ہو گیا ہو لیکن میری رائے میں
کتاب میں اصلی حصہ تعلیم کا نہیں ہیں۔ بلکہ دو اور باتیں اصل تعلیم ہیں
جن کو کتابوں کے ساتھ ملانا چاہیے اور جن میں سے ہر ایک ہماری
واقفیت کو فائدہ کثیر پہنچاتی ہو اول غور دوم بحث میری رائے
میں جو کچھ ہم پڑھتے ہیں اُس میں فضول بھی بہت کچھ شامل ہو جاتا ہو

جس کو ہمیں یہ چاہیے ہو کہ بے کار سمجھ لینے کے بعد علیحدہ ڈال دیں۔ غور کی مثال ایسی ہی ہو جیسے کوئی شخص عیدہ اور مزدن اشیاء کو چنے۔ شہتیر دن پر زندہ کرے۔ اینٹوں کو گرہ لٹھ کر لگائے اور عمارت کو تعمیر کرے۔ دوست کے ساتھ بحث کرنا ایسا ہو (کیونکہ مخالف لوگوں سے جھگڑنا بے فائدہ ہو) جیسا کہ عمارت کو ناپنا۔ کروں میں چلنا۔ ہر ایک حصہ کی مناسبت اور موزونیت کو دیکھنا۔ عمارت کی پائیداری اور نقص کو غور سے جانچنا اور غلطی کو دریافت کر کے اُس کی تصحیح کا عمدہ طریقہ نکالنا۔ یہ باتیں ہمیں حق کے دریافت کرنے میں مدد دیتی ہیں اور اُس کو ہمارے دل پر نقش کر دیتی ہیں۔

ساتواں باب

اپنی تعلیم آپ

ایک مناسبت کے ساتھ دماغی قوتوں کے تربیت پانے کا نام تعلیم ہو۔ تعلیم ہمارے بچپن سے شروع ہوتی ہو۔ اسکول میں جاری رہتی ہو۔ لیکن اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی ہو۔ ہم چاہے چاہیں یا نہ چاہیں مگر وہ ہماری زندگی بھر برابر جاری رہتی ہو۔ بس فقط یہ مسئلہ طو کرنے کو رہ جاتا ہو کہ اسکول میں ہم جس چیز کی تعلیم پاتے ہیں اُس کو ہم نے اپنی عقل مندی کے ساتھ منتخب کیا

ہو یا وہ یوں ہی غپ شپ ہو۔ گین کہتا ہو ”ہر شخص کی دو تعلیمیں
ہو اگر قی ہیں۔ ایک وہ جسے انسان دوسروں سے حاصل کرتا ہو
دوسری وہ جو خود وہ آپ ہی اپنے تئیں سکھاتا ہو اور یہ آخری
تعلیم بہت زیادہ اہم ہو۔“

جو علم جو آپ اپنے تئیں سکھاتے ہیں اُسے حقیقۃً اُس تعلیم سے
زیادہ مفید ہونا چاہیے جو ہم نے دوسروں سے حاصل کی ہو لاک
کا قول ہو کوئی شخص صرف اُستاد کی ادب آموزی اور روک ٹوک
سے بڑا عالم یا کسی سائنس کا نامور ماہر نہیں ہوا ہو۔“

اگر تم چاہو تو بھی اپنے دل کو خالی۔ سٹھرا۔ اور آراستہ نہیں رکھ
سکتے۔ غور طلب صرف یہ ہو کہ تم اُس کو اچھی باتوں کے واسطے
تیار کرو گے یا بُری باتوں کے واسطے۔

جن لوگوں نے اسکول کے زمانہ زندگی میں بڑا نام نہیں پیدا کیا
ہو اُن کو صرف ہی بنیاد پرنا اُمید نہ ہونا چاہیے۔ بڑے بڑے
دماغوں کا خاصہ ہو کہ بہت جلد سی پختہ نہیں ہو جاتے۔ اگر تم نے
اُس زمانے میں فی الحقیقت محنت ہی نہیں کی تھی تو بے شک (میں
یہ تو نہیں کہتا کہ تم مایوس ہو جاؤ مگر ہاں) تم کو شرم ضرور آنی چاہیے۔
لیکن اگر تم نے اپنی قوت بھر محنت کی تھی تو اب تمہیں صرف ہتھکڑیاں

عہ گین انگلستان کا سب سے زیادہ نامی گرامی مورخ تھا جس کی تاریخ و زوال دولت روم“

دنیا بھر میں مشہور ہو۔ ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۹۹۷ء میں مرا۔

کی ضرورت ہو۔ کیونکہ بہت لوگ ایسے گزرے ہیں جو اسکول کو زانی
 میں چندان تیز نہ تھے لیکن بعد کے اوقات میں انھیں بہت بڑی کامیابی
 ہوئی۔ ہم نے سنا ہو کہ ویننگٹن اور نیپولین دونوں غنی لڑکے تھے
 اور ایسا ہی سرائزک نیوٹن - ڈیوین سویفیٹ - کلاؤ -
 سروالٹ اسکات - شرائڈن اور دیگر مشہور اور نامور لوگوں کی
 نسبت کہا جاتا ہے۔

اس سے یہ صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ کچھ ضرور نہیں کہ جن
 لوگوں نے اسکول میں نام نہ پیدا کیا ہو وہ آئندہ زندگی میں بھی زیادہ
 فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

مشقت کی زیادہ برداشت یعنی یہ قوت کہ انسان زیادہ مشقت کر سکے
 اسے لوگ ذہانت کہتے ہیں۔ یہ تعریف بہت کچھ درست ہے۔ جیسا کہ
 لیلی کہتا ہے ”اگر نیچر اپنا کام نہ کرے تو محنت بے فائدہ ہے۔ اور اگر
 علم سے کام نہ لیا جائے تو نیچر بے کار ہے۔“

بخلاف اسکے بہت سے تیز اور ہوشیار لڑکوں کے بے آئندہ
 زندگی میں ناکام ہو جانے کا باعث تندرستی کا نہ ہونا۔ محنت نہ کرنا
 یا اچھا چال چلن نہ ہونا ہوتے ہیں۔ ایسے لڑکوں کی نسبت گپیٹھ نے
 کہا ہے ”وہ مثل ایسے درختوں کے ہیں جن میں بھول تو دوپہرے نکلتے
 ہیں لیکن پھل نہیں لگتے۔“ اور آخر کار انھوں نے مجبور ہو کر یہ کام کرنا
 شروع کر دیا کہ گاڑی بنانے لگے۔ بھیڑیوں کے بال کاٹنے لگے۔ یا

یا محرمی پر زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔ بمقابلہ ان کے اُن لوگوں نے جن کی ترقی کی رفتار تھمی ہوئی تھی لیکن اس ظاہری کمی کے ساتھ جفاکشی تھے اور اچھے اصول رکھتے تھے رفتہ رفتہ ایسے بڑے عہدوں پر ترقی کی کہ اُن کا نام بلند ہوا اور ملک کو اُن کی وفات سے بے حد فائدہ پہونچا۔

بعض حالتوں میں تعلیم کی قدر پر شبہ کیا گیا ہو جیسے ڈاکٹر آرٹلڈ کہتے ہیں ”اُس گونہ مناسبت سے جو جاہلیت اور معصومیت کے درمیان ہر بہت سے لوگوں نے جاہلیت کو معصومیت سمجھ لیا ہو۔ لیکن اگر آپ کسی آدمی سے اُس کے علم کو چھین لیں تو اُسے معصوم سمجھ نہ بتائیں گے بلکہ وہ ایک وحشی ہو جائے گا۔ اور وحشی بھی کیسا؟ جو تمام وحشیوں سے زیادہ ضرر رسان اور آزار دہ ہو۔“ اس کا سبب بھی ایک اور جگہ اُس نے یوں بیان کیا ہے کہ ”آدمی اگر اُس شو کو بھول جائیں جسے زندگی میں اُن کا ہادی ہونا چاہیے تو وہ اپنی شہوتوں کے غلام ہو جائیں گے۔ اور اُن میں عمر کے دونوں حصوں کے عیوب باقی رہ جائیں گے یعنی بچپن کی جاہلیت اور جوانی کی سنیہ کاریاں۔“

جس شخص کی تعلیم کی بنیاد اسکول میں اچھی طرح شروع ہوئی ہو وہ پھر اسکول چھوڑ دینے کے بعد رُک جانا ہرگز نہ پسند کرے گا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تعلیم اس واسطے ہونی چاہیے کہ ہمیں کچھ آرام ملے

عہ ڈاکٹر آرٹلڈ انگلستان کا ایک معزز صاحب علم تھا جو شیعہ میں پیدا ہوا۔ وہ شیعہ میں مرا۔

اور دال روٹی کما سکین اُن کی نسبت خیال کرنا چاہیے کہ تعلیم کی بابت اُن کی رائے بہت ہی حقیر و ذلیل ہو۔

عمدہ تعلیم کا منشاء بقول حضرت سلیمانؑ کے ”عقل کی پیروی نور ہوتا ہے کو جانتا۔ دانائی کی باتوں پر غور کرنا۔ عقل۔ انصاف پسندی۔ اور رائے صائب سے سبق لینا۔ سیدھے لوگوں کو ہوشیار بنانا۔ اور جو انون کو علم و فہم کی باتیں سکھانا ہو۔“

تھارو کہتا ہو ”انسان چھوٹے چھوٹے چاندی کے سکون کی تلاش میں سیدھی راہ کو چھوڑ کے بہت دور چلا جاتا ہو۔ اور اُن سونے کے لفظوں کو نہیں دیکھتا جو اسی راہ میں پڑے ہین۔ جن کی نسبت ہرزمانے کے عقلانے ہمیں اس بات کا یقین دلایا ہو کہ وہ واقعی سونے ہی کے ہین۔“

فرانس کی ایک حسرت ناک کہاوت ہو جس بات کو نوجوانی معلوم کرتی ہو اُسے بڑھا پاپا سکتا ہو۔ مگر وہ تعلیم جو دانائی کے ساتھ ہوتی ہو اُس سے دونوں زمانوں کے مقاصد بخوبی حاصل ہو جاتے ہین۔ جوانی میں علم حاصل ہوتا ہو اور بڑھاپے میں توانائی آتی ہو۔ ”فریٹکلن کہتا ہو ”تجربہ نہایت ہی عمدہ اسکول ہو۔ اور بے وقوف آدمی سوائے اس اسکول کے اور کسی اسکول میں تعلیم نہیں پا سکتا۔“ اُنچہ دانامکند کند نامہ ان لیک بعد از خرابی بسیار۔

اگر تمھاری ابتدا اچھی ہوئی تو یہ سمجھ لو کہ تم آدھی لڑائی جیت گئے۔

بچے کو اُس راہ کی تعلیم دو جس راستہ میں کہ اُس کو جانا چاہیے۔ پھر جب وہ بڑا ہوگا تو اُس راہ سے کبھی نہ ہٹے گا۔

بس کوشش کرو کہ ابتدا اچھی ہو۔ پھر تم جو جو آگے بڑھو گے زیادہ آسانی ہونی چاہے گی۔ بخلاف اس کے اگر تمھاری ابتدا ہی غلط اصول پر ہوئی ہو تو سب سے بڑی خرابی یہ ہوگی کہ کامیابی درکنار اصلی مقام پر لوٹ آنا بھی نہایت مشکل ہوگا۔ اس میں کلام نہیں کہ سیکھنا مشکل ہے لیکن جو سیکھا ہو اُسے بھلا دینا اُس سے بدرجہا زیادہ دشوار ہے۔ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرو کہ کتابوں۔ آدمیوں۔ خیالات اور درسوں میں جتنی عمدہ باتیں ہیں وہ سب تمھارے ذہن نشین ہو جائیں۔ ہم کو اس بات کی شرم نہ کرنی چاہیے کہ اور لوگ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ ہاں اس بات کی شرم البتہ ہونی چاہیے کہ ہم نے اتنا نہیں سیکھا جتنا ہمارے امکان میں تھا۔

کسی زبان کو سیکھ لینے اور بہت سے واقعات کو یاد کر۔ لینے کا نام تعلیم نہیں ہے۔ تعلیم محض سیکھ لینے سے کمین مختلف اور مرتبے میں اُس سے کمین زیادہ ہے۔ ہدایت آئندہ کے لیے ہمارے واسطے سراپہ جمع کرتی ہو۔ لیکن تعلیم تخم پاشی کرتی ہے جس کی فصل ہدایت سے تیس گنی ساٹھ گنی بلکہ سو گنی زیادہ ہوگی۔ عقل ایک خاص شے ہے لہذا عقل کو حاصل کرو۔ اور اپنی تمام آمدنی کو خرچ کر کے سمجھ کو مول لو۔

اس پر سب لوگوں کا اتفاق ہے کہ علم کا درجہ عقل سے کم ہے لیکن میں

پھر بھی یہ کمون گا کہ بعض وقت علم کو اپنے کمالات کی بہت کم اہلیتی ہو۔
مثلاً کو پرکھتا ہو علم کو اس بات کا فخر ہو کہ میں نے اس قدر سیکھا ہو۔
مگر عقل منکر المزاجی کے ساتھ کہتی ہو کہ میں کچھ نہیں جانتی۔
لیکن اصل میں یہ بات نہیں ہو۔ کیونکہ جن لوگوں نے بہت پڑھا ہو وہ
اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اُن کی واقفیت کس قدر
کم ہے۔

سنئے کہ بیشپ بٹلمر کہتا ہو ”جن لوگوں نے بڑی بڑی تحقیقات میں
اور عجیب عجیب دریافتیں کی ہیں اُن کو آگاہ کر دو کہ جو کچھ وہ کر رہے
ہیں اُس میں غلط فہمی نہ کر جائیں۔ اگر اُن کی تحقیقاتوں اور جستجوؤں سے
یہ فائدہ پہونچا ہو کہ اُنھوں نے نیکی اور مذہب کو ثابت کر کے فائدہ
پہونچا یا۔ یا لوگوں کو نیکی پر عمل کرنے کی طرف راغب کیا یا اور کسی ذریعے
سے نیکی اور مذہب کو مدد پہونچائی۔ یا زندگی کی تکالیف میں کچھ کمی کر دی
اور لوگوں کے ایمان کو کسی قدر بڑھا دیا۔ تو سمجھ لینا چاہیے کہ اُن کی
تحقیقاتوں کا ٹھیک استعمال ہوا۔ لیکن محض معاملات کو واضح کر دینا
بغیر اس کے کہ کوئی اور غرض ہو اس کا کچھ اور نتیجہ نہیں ہو سکتا ہے
بجز اس کے کہ اُس سے کھیل یا تماشے کا فائدہ اٹھایا جائے۔

بہت صحیح کہا گیا ہو کہ ”علم ایک بے لطف غیر منفعت بخش جنگل ہو جس
سے عقل اپنی عمارتیں قائم کرنے وقت صرف جو بینہ کا کام لیتی ہو۔“
وہ اچھا معیار نہیں ہو جو عمارت کا سامان منتخب کرنے میں بے پروا

ہو۔ اور کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ ”محض کسی چیز کی ماہیت ظاہر کر دینے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہو۔ علم کی بہت سی باتیں جو بعض اوقات عملاً بیکار معلوم ہوتی ہیں آئندہ بہت ہی بیش قیمت ثابت ہوئی ہیں۔

کنکسلے کہتا ہو ”علم ایک قوت ہو۔ تار برقی کے علم نے وقت کو بچایا۔ علم تحریر نے باتیں کرنے اور حرکت کرنے کی تکلیف سے انسان کو پناہ دی۔ کفایت شعاری کے علم نے آمدنی کو بچایا۔ قوانین حفظ صحت کے علم نے لوگوں کی تندرستی اور زندگی کو محفوظ کیا۔ اصلاح و داعی کے علم نے دماغ کو مضرت اور کمزوری سے بچایا۔ اور علم روح نے ہمیں کیا کچھ فائدہ نہیں پہنچایا“

ہر برٹ اسپنسر کہتا ہو ”زندگی اور تندرستی قائم رکھنے کے واسطے سب سے زیادہ مفید شو علم ہو۔ بسا اوقات کے واسطے سب سے بیش قیمت شو علم ہو۔ امور خانہ داری کے انجام دینے اور اولاد کو تربیت دینے کے واسطے سب سے بڑا رہنما علم ہو۔ قومی معاشرت کے اُن اصول کے واسطے (عام اس سے کہ وہ گذشتہ زمانے سے متعلق ہوں یا موجودہ زمانے سے) جن کے بغیر کوئی باہر شندہ شہر اپنے چال چلن کو باقاعدہ نہیں بنا سکتا علم ایک ضروری کجی ہے صنعت میں کمال حاصل کرنے اور صنعت کی باریکیاں سمجھ کر لطف اٹھانے کے واسطے جو چیز نہایت ضروری ہو وہ علم ہو۔ اور ہم ایک بار اور زور دے کے کہیں گے کہ دماغی اخلاقی اور مذہبی تربیت کے واسطے بھی علم ہی

ضروری ہو۔

ڈاکٹر فیچ کہتا ہو ”جب میں اپنی زندگی کے زمانے پر نظر ڈالتا ہوں اور اُن گزشتہ ایام کو یاد کرتا ہوں جو اسکول اور کالج میں صرف ہوئے تو مجھ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہو کہ نہ تو تاریخ کا کوئی واقعہ نہ ریاضی کا کوئی گروہ نہ قواعد کا کوئی قاعدہ نہ کسی نظم کا کوئی مترے دار اور شیریں شعر اور نہ سائنس کی کوئی سچی بات جو میں نے پڑھی تھی ایسی ہرگز نہ ثابت ہوئی کہ بار بار وہ مجھے پیش نہ آئی ہو اور ایسے طریقوں سے جن کا مجھے گمان بھی نہ تھا اور پھر اُس نے مجھ فائدہ نہ پہونچایا ہو۔ اُس نے مجھے اُن کتابوں کے سمجھنے میں مدد دی جو میں نے بعد کی زندگی میں پڑھیں اور جو واقعات مجھے اپنے گرد ہر روز نظر آتے تھے وہ اُس کے ذریعے سے بخوبی میری سمجھ میں آگئے اور اُس نے زندگی کو سارے منظر کو با وقعت اور دلچسپ بنا دیا۔“

ڈوین اسٹیل کہتا ہو ”سچائی کا عشق کس قدر نایاب ہو مگر کتنا فائدہ مند ہو! ہم کو اُس کی خوبیاں فوراً نہیں معلوم ہونے پاتی ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہو کہ بہت زمانے تک ہماری نظر سے یہ بات پوشیدہ رہتی ہو کہ علما و محققین کی تحقیقات سے اس دنیا میں کس قدر مسرت بڑھ گئی۔ اور اُن لوگوں نے بوجہ اس کے کہ اُنھیں سچائی کا عشق تھا اُن تحقیقوں کا نتیجہ کیا اور محض اس خیال سے کہ اُن کو اُن سے دلچسپی ہو گئی تھی حضرت سلیمانؑ فرطتے ہیں ”ایک عقل مند آدمی

سُننے کا اور اپنے معلومات کو وسیع کرے گا۔

دُنیا میں شاذ و نادر ہی کوئی علم ایسا ہو گا جو فائدہ مند نہ ثابت ہو۔ اور مشکل سے کوئی ایسی شے ملے گی جو ایک مرتبہ بھی دیکھنے کے لائق نہ ہو۔ اصل یوں ہے کہ کوئی چیز دُنیا میں چھوٹی نہیں ہو بلکہ اگر وہ چھوٹی نظر آئے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ دماغ کا چھوٹا پن ہے۔

لارڈ ویکین فیلڈ کہتا ہو ”علم بھی وہ عجیب زینہ جسے کسی اُسقف اعظم نے خواب میں دیکھا تھا۔ یعنی اُس کا بیچ کا حصہ تو زمین کی تہ میں ہو اور اُس کی بلندی عظمت و جلال کے آسمان میں غائب ہو۔ اور بڑے بڑے مصنف جو سائنس اور فلسفہ نظم اور فصل کی زنجیریں تھامے رہو وہ فرشتے ہیں جو اس زینے پر سے اترتے چڑھتے رہتے ہیں۔ اور گویا زمین آسمان میں سلسلہ ربط و ضبط کو قائم رکھتے ہیں۔“

حقیقت میں یہ بڑے افسوس کے قابل معاملہ ہو کہ اکثر وہ لوگ جنہوں نے بڑی بڑی تحقیقاتیں کیں اس دنیا سے گزر گئے اور بہن اُن کا کچھ حال نہیں معلوم۔ ہم کو صرف اس بات کا افسوس ہو کہ اب ہم اُنہیں احسان مندی کے ساتھ یاد نہیں کر سکتے۔ اور شاذ و نادر ہی ایسے عالی مرتبہ محقق ملین گے جنہوں نے کسی چیز کی تحقیقات اپنے فائدے یا شہرت کے واسطے کی ہو۔

ڈیوٹ کہتا ہو ”اُنہوں نے صدق کی تلاش نہایت ہی جوش و کساد کی۔ اور خوشی کے راستے میں چلے۔ کام کرنے میں اُنہیں تعریف

اور الزام کی کچھ پروا نہ تھی۔ اور اُنھوں نے اپنا صلہ صرف خدا کے ہاتھ میں چھوڑ دیا۔ اور باوجودیکہ اُن کا ذکر نہ کسی مورخ نے اپنی ہمیشہ زندہ رہنے والی تاریخ میں اور نہ کسی شاعر نے اپنی نہ فنا ہونے والی نظم میں کیا ہو مگر اُن کے دفتر آسمان پر ہیں اور اُن کے سر پر جلال و عظمت کا تاج رکھا ہوا ہے۔

زندگی سے لطف اُٹھانے کے لیے تعلیم کی طرف توجہ کرنا اور علم کو استعمال کرنا ضروری ہے۔ اگر تم کام میں آؤ ہا دل لگاؤ گے تو تمہیں دو فی صحت کرنی پڑے گی۔

یہ خیال کر کے افسوس معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو کھنے پڑھنے سے ابھی تک بہت کم مسرت حاصل ہوتی ہے۔ باوجودیکہ خود لفظ سکول کے معنی لطف یا آرام کے ہیں۔ مسٹر جان مارسلے کہتا ہے ”ہمیشہ عقل مندانہ خیال اور درست جذبات کے ساتھ زندگی بسر کرنا مسرت اور فرض کے واسطے ضروری ہے۔“

انسان کے دماغ کو بقول بیسٹن خیالات کا قبہ اور روح کی محسوس ہونا چاہیے۔ ڈوٹون کہتا ہے ”ہم اپنے واسطے ایک انسان ہیں۔ اگر ہم اپنے کھلیاؤں کو بھراؤ پرا کر لین تو تنگدستی کے وقت زیادہ نفع اُٹھائیں پازری ٹیویسٹ کے مذہب میں اکثر ایسی باتیں ہیں

جہ پر اگر بڑی قوم کا ایک نامی گرامی شاعر تھا جو شہ آدم میں پیدا ہوا تھا۔ اور شہ آدم میں مر گیا۔
 وہ پازری ٹیویسٹ اُن لوگوں کو کہتے ہیں جن کا مذہب پازری ٹیویسٹ ہے۔ یہ ایک فلسفیانہ مذہب جو آخر زمانے میں پیدا ہوا۔

جن سے میں متفق رہتا ہوں۔ لیکن اُن کے یہاں یہ نہایت ہی عمدہ بات ہو کہ علم کی طرف خاص توجہ ہو۔

امر سن کہتا ہو "دنیا میں بہت سے معصوم لوگ ہیں جو اپنے آباؤ اجداد کی طرح خدا کی پرستش کرتے ہیں لیکن اپنے فرائض کی بابت اُن کی سمجھ اس قدر وسیع نہیں ہوئی ہو کہ اپنے تمام قومی کو استعمال میں لاسکیں۔"

آدمی ہر شے کا اندازہ اپنے موافق کرتا ہو۔ بڑے بڑے اُدب و بھاڑ اور عمیق سمندر فٹوں سے ناپے جاتے ہیں۔ ہمارے علم حساب کی بناء پہاڑی دس انگلیاں ہیں۔ غور کرو کہ ہم کس قدر حقیر مخلوق ہیں! تاہم باوجود حقیر مخلوق ہونے کے ہم کس قدر بڑے ہو سکتے ہیں! آدمی کیا ہو؟ اور آدمی کیا کچھ نہیں ہو؟

پاسکل کہتا ہو "انسان صرف ایک فی ہجو میدان قدرت میں سب سے کمزور شے ہو۔ لیکن وہ ایسی نے ہو جو سوچتی سمجھتی اور خیال کرتی ہو۔ کچھ اس بات کی ضرورت نہیں کہ تمام کائنات اُس کے پس ڈالنے کے لیے جمع ہو۔ کیونکہ ایک ذرا سی بھاپ یا پانی کا ایک قطرہ اُس کے تباہ کر دینے کو کافی ہو۔ لیکن کائنات جیسے انسان کو پس ڈالے مگر انسان تمام کائنات سے اشرف والے ہو کیونکہ اُس کو اس بات کا علم ہو کہ میں مرنا ہوں اور کائنات باوجود اس بات کے کہ اُس پر غالب آئے لیکن اپنی طاقت سے واقف و آگاہ

نہیں ہو۔

ایک آدمی کو کال انسان بنانے کے واسطے کن اوصاف کی ضرورت ہو؟ تھمی ہوئی طبیعت۔ پرجوش دل۔ رائے سلیم اور تندرت جسم کی۔ بغیر تھمی طبیعت کے اندیشہ ہو کہ وہ غلط نتیجہ نہ نکال لے۔ بغیر جوش دل کے ہم یقیناً خود غرض ہو جائیں گے بغیر تندرت جسم کے ہم بہت ہی کم کام کر سکتے ہیں۔ اور بغیر رائے سلیم کے ہمارے عمدہ ارادے بھی بجائے نفع پہونچانے کے نقصان پہونچائیں گے۔

اگر ہم کسی دوست کی تعریف کرتے ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ پورا شریف آدمی ہو۔ تھمیکرے نے پوچھا ”شریف ہونا کسے کہتے ہیں؟ ایمان دار ہونا؟ خلیق ہونا؟ بہادر ہونا؟ عاقل ہونا؟ یا ان سب اوصاف کے جمع ہو جانے اور نہایت خوبی کے ساتھ اُن کے استعمال کرنے کا نام شرافت ہو؟“ پھر وہی کہتا ہو ”شریف آدمی ہونا ایسی غریب و نادار شے ہو کہ بہت لوگ ہم میں سے اُس کا گمان بھی نہیں کر سکتے۔ بادشاہ خطاب دے سکتے ہیں لیکن وہ شریف آدمی نہیں بنا سکتے مگر ان اگر ہم چاہیں تو خود ہی اپنے تئیں شریف بنا سکتے ہیں۔ آکر بیچ ڈالیں فرار کہتا ہو ”جس شخص کے جسم میں اعتدال۔

شراب نہ پیئے اور پاکدامنی کی بدولت قوت محفوظ و قائم ہو۔ جس کا دماغ ایک ایسا خرمین ہو جس میں اُس نے اپنے تجربوں اور دوسرے

عہ آج ڈیکن فرار انگلستان کا ایک معرزا اور نامی گرامی مقتدا سے دین تھا۔

لوگوں کے عمدہ اور شریف اقوال سے عقل کا انبار لگا رکھا ہو جس کا تصور ایک ایسا نگار خانہ ہو جس میں پاک اور خوبصورت چیزوں کی تصویریں لگی ہوئی ہوں۔ جس کے دل کو اپنی طرف سے۔ خدا کی طرف سے۔ اور تمام دنیا کی طرف سے اطمینان حاصل ہو۔ اور جس کی روح میں خدا کی روح اپنے ٹھہرنے کے لیے ایک مناسب معبد پائی ہو۔ وہ شخص اُس کمال کے درجے کو پہنچ گیا جو انسان کو حاصل ہو سکتا ہو۔

اپنے تین تعلیم دینے کا سچا طریقہ بقول جان اسٹوارٹ مل کے یہ ہے ”ہر ایک چیز سے سوال کرنا مشکل سے کبھی مُنہ نہ موڑنا۔ کسی اصول کو بغیر خوب اچھی طرح جاننے اور بغیر مخالفانہ کلمہ چینی کیے نہ مان لینا۔ کسی مغالطے میں نہ پڑنا۔ اور ان باتوں کے علاوہ کسی لفظ کے استعمال کرنے سے پیشتر اُس کے معنی صاف طور سے سمجھ لینا۔ اور کسی اصول کو بغیر اچھی طرح سمجھے نہ تسلیم کرنا۔ پس یہ سبق ہیں جو ہم سیکھتے ہیں۔“ اور یہ سبق ہم سب لوگ سیکھ سکتے ہیں۔

ابتدائی تعلیم میں ہر ایک شخص برابر ہو سکتا ہو۔ نہ کسی کو مرتبہ کسی قسم کی فوقیت دے سکتا ہو اور نہ دولت دے سکتی ہے۔ سر ڈبلو جونس نے اپنی بابت یہ کہا ہے ”باوجودیکہ میرے پاس صرف اتنا روپیہ تھا جتنا کسی غریب کسان کے پاس ہو سکتا ہو مگر میں نے اُس سے اپنے تین متہزادوں کی طرح تعلیم دی۔ مدت سے کہا جاتا تھا کہ پڑھنے کے واسطے کوئی شاہراہ نہیں ہو۔ مگر حقیقت“

یون کتنا چاہیے کہ پڑھنے کے واسطے سب ہی راستے شاہراہ ہیں پڑھنے کا انعام کس قدر بڑا ہو۔ تعلیم دنیا کی تاریخ کو روشن کر دیتی ہو۔ اور اُس کو ترقی کا ایک روشن راستہ بنا دیتی ہو۔ تعلیم کے ذریعہ سے ہم علم ادب سے لطف اٹھا سکتے ہیں۔ اور اُس کی خوبیوں کو معلوم کر سکتے ہیں۔ اسی کے ذریعے سے ہم قدرت الہی کے دفر کو بڑھ سکتے ہیں اور یہی ایک ایسی چیز ہو جو ہمارے واسطے ہر جگہ دلچسپی کے سامان مہیا کر دیتی ہو۔

اگرچہ ہم اس بات کی امید نہیں کر سکتے کہ ہماری نسبت بھی شیکسپیر کا یہ قول استعمال کیا جاسکے کہ ”یہ ایسا آدمی ہو جو ہر بات میں کامل ہو اور ہم نے اس کے مثل کبھی نہیں دیکھا“ مگر ان آپ کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہو کہ ”فلان شخص کا طرز معاشرت اور اُس کی قومی زندگی اچھی ہو۔“

اگر تعلیم کو ہر حالت میں کامیابی نہیں ہوتی تو یہ تعلیم کا قصور نہیں بلکہ یہ اُس خیال کا قصور ہو جس کا تصور کر کے تعلیم حاصل کی گئی تھی۔ لیکن کتنا ہو ”بعض اوقات لوگ اپنے تئیں اُس واسطہ تعلیم دیتے ہیں کہ اُنھیں عجیب و غریب باتیں معلوم ہوں یا اُن میں دریافت کا بہت ذوق ہوتا ہو تو وہ بھی بعض اوقات اس غرض سے ہوتا ہو کہ اُن کے دماغ کو طرح طرح کا لطف اور مسرت حاصل ہو۔ بعض اوقات اسوجہ سے کہ اُن کو نیکنامی اور شہرت

حاصل ہوا اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہو کہ وہ اپنی عقل کی آراستگی کے واسطے تعلیم حاصل کرتے ہوں۔ تاکہ اُس سے اور لوگوں کو نفع اور فائدہ پہنچے۔ ایسے لوگ علم کو یا تو ایک چھپر کھٹ سمجھتے ہیں جس پر تلاش کرنے والی اور بچپن طبیعت آرام پاسے یا ایک لانا تصور کرتے ہیں جس پر ایک گھومنے والا اور تبدیلی پسند دل عمدہ اُمیدوں کے ساتھ چڑھ اُتر سکے۔ یا اُس کو ایک بلند میدانِ فرض کر لیتے ہیں جس پر ایک مغرور دل آرام کرے۔ یا اُس کو جنگ و جدل کا ایک قلعہ یا کمین گاہ خیال کرتے ہیں۔ یا اُس کو ایک نفع اور بکری کی دکان سمجھ لیتے ہیں۔ یہ سب سمجھتے ہیں مگر اُسے خالق کے عظمت و جلال کا ایک بھرا ہوا گدام اور انسان کی جان و مال بچانے کا ذریعہ نہیں سمجھتے۔

آٹھواں باب

کتاب خانہ

ایک نامی انگریز مہتمم رچرڈ ڈوئی بری نے جو مقام ڈرہم کا اُستقف تھا پانسو برس سے زیادہ زمانہ گذرا کتابوں کی تعریف میں یوں لکھا ہو وہ اپنی معلوم ہین جو ہم کو بغیر چھڑی اور تسمے کے تعلیم دیتی ہین۔ نہ تو وہ ہم پر غصہ کرتی ہین۔ اور نہ درشت الفاظ زبان سے

عہ یہ ایک بہت ہی قدیم زمانے کا انگریز اُستقف اور پادری تھا۔

نکالتی ہیں۔ اور نہ اس کے معاوضے میں ہم سے کپڑا یا روپیہ ہی طلب کرتی ہیں۔ اگر آپ اُن کے پاس جائیے تو انھیں کبھی سوتا نہ پائیے گا۔ اگر دریافت کرنے کے واسطے اُن سے کوئی سوال کیجیے تو وہ کچھ نہ جھپٹائیں گی۔ اگر آپ اُن کا مطلب غلط سمجھیں تو وہ آپ سے ناراض نہ ہوں گی۔ اگر آپ ناواقف ہیں تو وہ آپ پر نہ ہنسین گی۔ انھیں باتوں کی وجہ سے عقل کا کتب خانہ دنیا بھر کی دولت سے زیادہ بیش بہا ہو دوسری اور کوئی چیز جس کی آپ خواہش کر سکتے ہوں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پس جو شخص اپنے تئیں راستی۔ مسرت۔ عقل۔ علم یا عقیدے کا ایک سرگرم مشتاق تصور کرتا ہو اُس کو چاہیے کہ اپنے تئیں کتابوں کا عاشق بنا دے۔“

اگر اُسے راستی کے ساتھ یہ بات کہے اتنا زمانہ گذرا تو اب اس زمانے میں ہم اُس سے کس قدر زیادہ کہہ سکتے ہیں۔ وہ ہم کو ذرا یہ سوچنا چاہیے کہ ہماری حالت اُس کے بہ نسبت کس قدر اچھی ہو۔ پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ چھاپے کے دیگر فوائد کو الگ رکھ کے دیکھیے کہ ان دنوں کتابیں کس قدر سستی ہیں۔ آج کل قیمتی قیمت میں تھوڑی سی زیادہ و مرتبہ پینے کی تبا کو مل سکتی ہو اتنی قیمت سے ایک شخص مہینہ بھر پڑھنے کے قابل کتابیں خرید سکتا ہو۔ بخلاف اُس کے اُس کے زمانے میں کتابیں بہت قیمتی تھیں۔ دوسرے یہ بات

بھی قابل لحاظ ہو کہ ہمارے زمانے کی کتابیں چھوٹی اور ہلکی ہوتی
ہیں اور اُس کے زمانے میں کتابیں بھاری اور بڑی بڑی ہوتی
تھیں جن کا اٹھانا یا پڑھنا وقت طلب تھا۔ ہماری بڑی بڑی علم
کی کتابیں ایسی آسان عبارت میں لکھی ہوئی ہیں کہ اُن کے پڑھنے سے
دلغہ پر زیادہ زور نہیں پڑتا اور جو بات کہ ان سب باتوں سے
زیادہ اہم ہو وہ یہ ہو کہ ہمارے پاس صرف وہی دلچسپ کتابیں
نہیں ہیں جو ڈی بری کو مل سکتی تھیں۔ بلکہ اُن سے کمین زیادہ
کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ہو کہ
قدیم سرمایہ علوم اُن دنوں کھو گیا تھا اور اب دریافت ہو گیا ہے۔
اُس کے زمانے میں یہ کہا جاسکتا ہو کہ لوگ ناول کے نام سے بھی
واقف نہ تھے۔ نظم کی طرف متوجہ ہو جیے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ
اُس کا زمانہ (قطع نظر حال کے دیگر بڑے مصنفوں کے) ملٹن۔
شیکسپیر۔ اسکاٹ اور بیرن سے بھی قبل تھا۔ ہمارے پاس
کپتان کچوک۔ ڈارون۔ ہم بولڈٹ اور دیگر بڑے
بڑے ساحر اور محققوں کے دلچسپ اور جوش دلانے والے
سفر نامے موجود ہیں۔ سائنس میں علم کیمیا علم ارض زیادہ ہو گئے
ہیں اور اصل حقیقت یوں ہو کہ اب جس توُن کی ترقی نے اور
سائنسوں کو بھی مثلاً علم حیوانات علم ہیئات اور جغرافیہ وغیرہ کے
پہلے سے کمین زیادہ دلچسپ بنا دیا ہو۔

اسکو پین مار رکھتا ہوں سائنس نے کبھی میری آمدنی زیادہ نہیں کی
مگر ہاں اُس نے میرے خرچ میں البتہ بہت تخفیف کر دی۔

بحیثیت ایک قوم کے ہم کو نہایت شکر گزاری کے ساتھ اس
بات کو ماننا چاہیے کہ سائنس نے نہ صرف ہماری آمدنی ہی بہت
کچھ بڑھائی بلکہ اُس نے ہمارے مصارف میں مختلف طریقوں
سے بہت کمی کر دی ہے۔ جو روپیہ اسکولوں، کتب خانوں
اور عجائب خانوں میں صرف ہوتا ہے اُس کو یہ نہ
سمجھنا چاہیے کہ صرف ہوا بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بنک میں جمع
کر دیا گیا ہو جس پر ہمیں سود ملے گا۔ ہم اسکولوں اور ملکی کتب
خانوں کی اس وجہ سے تعریف نہیں کرتے کہ اُن کی بدولت ہمیں
اپنی گمرہ سے کچھ صرف نہیں کرنا پڑتا ہو۔ بلکہ اس لیے اُن کو مداح
ہیں کہ انھوں نے ہمارے ملک والوں کی جان و روح کو زیادہ
ہلکا اور روشن کر دیا ہو۔ غریب و میون کی زندگی میں بہت ہی کم
تفریح ہوتی ہو۔

میں مذاق میں بارہا اس رائے کے ظاہر کرنے پر ہنسنا گیا کہ آئندہ
بڑے پڑھنے والے ہمارے ملک کے کارگرو اور اہل حرفہ
ہوں گے۔

کیا پبلک کتب خانوں کا سلسلہ بڑھنا میری اس رائے کے ثابت
کرنے کی دلیل نہیں ہو؟ ایک عام کتب خانہ جاری کرنے سے پیشتر

یہ ضرور ہی ہوتا ہو کہ عام رائے لی جائے۔ اور یہ بات معلوم ہو کہ پادریوں۔ دکالت پیشہ لوگوں۔ ڈاکٹروں اور سوداگروں کا عام شمار رائے دینے والوں میں محدود ہی ہوا کرتا ہو۔ ملکی کتب خانوں کی بنا ہمیشہ مزدوروں اور چھوٹی چھوٹی دکان داروں ہی سے پڑا کرتی ہو اور یہی لوگ بالتحفہ اخص امتحین استعمال کیا کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں کتا بین خاصہ کام کا جی آدمیوں ہی کے واسطے ضرور ہی ہیں۔ اُن کی زندگی ایک ہی طرح پر گذرتی ہو۔ ایک وحشی کی زندگی میں مقابلہ ان کی زندگی کے زیادہ تبدیلیاں ہوا کرتی ہیں۔ کیونکہ ایک وحشی کو اس بات کی ضرورت ہو کہ اپنے شکار کے حرکات و سکنات اور اُس کے چرنے کے مقامات کو دیکھتا رہے۔ اُس کو جانا چاہیے کہ کہاں اور کیونکر مچھلیاں بکڑی جاسکتی ہیں۔ ہر ایک مہینہ اُس کے واسطے ایک نیا شغل پیدا کرتا ہو۔ اور اُس کی غذا میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہو۔ اُس کو اپنے ہتھیار درست کرنے ہوتے ہیں۔ اور اپنے واسطے مکان تیار کرنا پڑتا ہو۔ حتیٰ کہ آگ نکالنا جو ہم لوگوں کے واسطے بہت ہی آسان کام ہو اُس کو اُس میں بھی بہت محنت کرنی پڑتی ہو۔ ایک کاشتکار کو بھی مختلف کاموں میں ہاتھ لگانا پڑتا ہو۔ وہ ہل چلاتا ہو۔ بوتا ہو۔ نکالتا ہو۔ اور کاٹتا ہو۔ وہ ایک فصل میں بوتا ہو۔ اور دوسری فصل میں اپنے پیسے۔ اور تیر کو کام میں لاتا ہو۔ اُس کو بھڑوں اور گائے بھیسوں کی نگہبانی کرنی ہوتی ہو۔ ہل

چلاتا۔ جنگلے کا احاطہ بنایا۔ یا مٹھے باندھنا۔ ایسے آسان کام نہیں
ہیں جیسے کہ بادی النظر میں معلوم ہوتے ہیں۔ ورڈس ور تھ کا
یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک شخص اُس کے پڑھنے کا کمرہ دیکھنے کا بہت
مشتاق ہوا۔ اُس کے مکان پر گیا۔ اور اُس کمرے کو دیکھنا چاہا۔
خادم نے کہا ”یہ میرے مالک کا کمرہ تو بے شک ہے لیکن وہ تعلیم
کھیتوں میں حاصل کرتے ہیں“

ایک کاشتکار کھیتوں میں بہت کچھ سیکھ لیتا ہے۔ ہین اُس کا
یقین بھی نہیں آسکتا۔ بس فرق ہو تو صرف اتنا کہ وہ کھیت سے
تعلیم پاتا ہو اُسے کتابی تعلیم نہیں ہوتی۔ لیکن اس میں کوئی بُرائی نہیں ہے
لیکن جو لوگ دکانوں یا کارخانوں میں کام کرتے ہیں اُن کو
یہ تبدیلیاں نہیں میسر ہوتیں۔ وہ سال کے شروع سے آخر تک صرف
ایک ہی کام کیا کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایک ایسا ہنر
حاصل کر لیتے ہیں جو معجزے سے کچھ ہی کم ہوتا ہو مگر یہ سب معمولات بہت
ہی محدود اور تنگ ہوتا ہے۔ اگر وہ چاہتا ہو کہ میں ایک محض زنگہ
کام کرنے والی کل نہ ہو جاؤں تو اُس کو تبدیلی اور دلچسپی کے واسطے
کتابوں کے استعمال کی ضرورت ہو اور بعض حالتوں میں اُس کو سوا
کتابوں کے اور کسی دوسری چیز میں دلچسپی حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔
فرصت کے گھنٹوں کو کاہلی کے گھنٹے نہ بنا دینا چاہیے۔ فرصت
ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اور سستی و کاہلی ایک بُری بلا ہے۔ فرصت

مسرت کا سرچشمہ ہو۔ اور سستی مصیبت کا گرداب۔ فرض کرو کہ ایک غریب آدمی کے پاس چند روز کے واسطے کچھ کام کرنے کو نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ وہ اپنا وقت کس طرح صرف کرے؟ اگر اُس کے قریب کہیں کتب خانہ موجود ہو جس میں اُس کی پہونچ ہو سکتی ہو تو بیشک اس کا وقت نہیں ضائع ہو سکتا۔

جن وجوہ کی بنیاد پر ہمیں اپنے بچوں کو تعلیم دینی چاہیے وہی جوانوں کی تعلیم پر بھی صادق آتے ہیں۔ ہمارے تمام دیہاتوں میں ابتداً نئی تعلیم کے اچھے مدرسے قائم ہو گئے ہیں۔ ہم لوگ اپنی اولاد کو تعلیم دینے کی جتنی وسوسہ کوشش کرتے ہیں۔ ہم اُن کو پڑھنا سکھاتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ اُن میں پڑھنے کا ذوق پیدا ہو جائے۔ ہم یہ کیوں کرتے ہیں؟ اس وجہ سے کہ ہم کو اس بات کا یقین ہو کہ کوئی شخص اُس وقت تک کتابوں کا مطالعہ نہ کرے گا جب تک اُس میں کتابوں کے سمجھنے کی قابلیت نہ ہو اور اُس کے دل میں اُن کا ذوق نہ ہو۔ علاوہ برین ہم نیز اس غرض سے اُنھیں تعلیم دلاتے ہیں کہ تعلیم انسان کو ایک عمدہ کاریگر بنا دیتی ہو۔ اور ایک کاریگر کو عمدہ انسان بنانے کا مادہ رکھتی ہو۔ لیکن تعلیم کو کبھی رُکنا نہ چاہیے۔ جو ان لوگوں کا اسکول کتب خانہ ہو۔ نقل مشہور رہے کہ بادشاہ الفرو جبکہ بچہ تھا اُس نے ایک کتاب لینی چاہی۔ مان نے کہا تم کو یہ کتاب ملے گی۔ مگر جب تم اُس کو پڑھ سکو گے، چنانچہ

الفرد نے اُس کے پڑھنے کی لیاقت حاصل کی۔ اور اُس کتاب کو لے لیا۔ ہماری اولاد نے بھی پڑھنا سیکھ لیا ہو۔ تو کیا اُن کو اُن کتابوں کے حاصل کرنے کا دیا ہی استحقاق نہیں حاصل ہو؟ بہت سے ایسے لوگ جو سوشیالسٹ نہیں ہیں خود ہی سوشیالسٹ ہو جائیں اگر اُن کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ اُس مذہب پر سے وہ نتیجے پیدا ہو جائیں گے جن نتائج کو اُس کے حامیوں نے قبل سے ذہن نشین کر لیا ہو۔ ہم صرف اس وجہ سے سوشیالسٹ نہیں ہیں کہ ہم کو ابھی اس بات کا یقین نہیں ہو کہ سوشیالزم سے لوگ زیادہ نفع حاصل کر سکیں گے۔ لیکن وہ مشکلات جو ہمیں نظر آتے ہیں کتابوں پر عائد نہیں ہوتیں۔ مشہور ہو کہ ایک غریب عورت نے پہلی مرتبہ سمندر کو دیکھا تو بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی ”ایسی چیز کو دیکھنا جس کو ہر ایک شخص پاسکتا ہو نہایت ہی عظیم الشان بات ہو“ بیشک۔ کتابیں ہر شخص کے واسطے کافی مقدار میں موجود ہیں اور جتنی عمدہ کتابیں ہیں وہ بہت ہی سستی ہیں۔ پڑھنا ایک ایسی قسم کی مسرت ہو جس کے حاصل کرنے میں دولت کو شاید ہی فوقیت ہو۔ یہ لطف اور چیزوں میں نہیں ہو۔ ہم لوگوں کی جو کاروبار کے جہال میں پڑ کر ہوئے ہیں یہ خواہش ہوا کرتی ہو کہ ہمارے پاس جتنا سرمایہ موجود

عہ سوشیالسٹ اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ امارت و ریاست کو توڑ کے سب انسانوں کو درجہ عزت مل جائے برابر کر دینا چاہیو۔ یہ لوگ عموماً سلطنتوں میں باغی سمجھے جاتے ہیں اُن کے مذہب کا نام سوشیالزم

ہو اُس سے کچھ اور بڑھ جائے لیکن کتابوں کی بابت قسمت ہم پر
ایسی مہربان ہو کہ اُس نے ہم کو اس قدر دے دیا ہو کہ سب کا سب
خرچ کر ڈالنا ہمارے امکان سے باہر ہو۔

اب ہمیں اس بات کی قدر ہو چلی ہو کہ تعلیم کو تمام عمر جاری رکھیں
اور ہماری اولاد کی تعلیم محض قواعد و الفاظ پر منحصر نہ ہو بلکہ اُن
کے ہاتھ اور اُن کی آنکھیں بھی تعلیم یافتہ ہو جائیں۔ اور جوان مرد
اور عورتوں کا زمانہ زندگی صرف ہاتھوں کے کام یا روپیہ پیدا کرنے
ہی میں نہ صرف ہونا چاہیے بلکہ کچھ وقت علم حاصل کرنے اور
دماغی ترقی کی بھی نذر ہونا چاہیے۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ واقفیت کے
خزانے میں کیون نہ جمع کرے؟ اس کا زمانہ زندگی چاہے بہت ہی
حقیر ہوتا ہم وہ کچھ نہ کچھ کر ہی سکتا ہو۔ جو محنت ہاتھوں سے ہوتی ہو
اُس کی عزت کا اندازہ کرنے کا مادہ ابھی ہم لوگوں میں زیادہ
نہیں پیدا ہوا ہو۔ اور عام خیال یہ ہو کہ سائنس کوئی ایسی چیز ہے
جس کا مقام بہت بلندی پر ہو۔ اور وہ صرف اُن لوگوں کے ساتھ
مخصوص ہو جو قیمتی آلات خریدنے کی قدر رکھتے ہیں۔ مگر یہ سراسر
غلطی ہو۔ اپنی قوم کی ترقی کی بابت ہمیں جن لوگوں کا احسان مند
ہونا چاہیے وہ کون لوگ ہیں؟ اس میں ذرا شک نہیں کہ اُن میں
سے کچھ تو ہمارے عقل مند بادشاہ اور مدبران سلطنت ہیں۔ کچھ
ہمارے بحری اور بری فوج والے ہیں۔ کچھ وہ بہادر محققین ہیں

جنھوں نے ہماری نوآبادیوں کی سلطنت کا راستہ ہمارے واسطے
تیار اور آسان کر دیا۔ اور کچھ حصہ اُن لوگوں کا ہو جو عالم اور حکیم تھے
لیکن جس وقت ہم مذکورہ بالا لوگوں کو احسانندی کو ساتھ یا دکر رہے
ہیں ہمیں اپنی قوم کے مزدوروں کو نہ بھول جانا چاہیے۔ علاوہ
اُس فائدے کے جو ہمیں ان مزدوروں کے طاقت ور دہاتہوں
کی کارگزاری سے ہوا ہو ہمیں اُن کے دماغ کی قوت بھی کچھ کم فائدہ
نہیں پہونچاتی ہو

واٹ ایک کلین بنانے والا تھا۔ مہتری کا رٹ ایک اینٹیں
پاتھنے والے کا لڑکا تھا۔ مینٹس مین جس نے لوہے کو ڈھالنا
ایجاد کیا ایک غریب گھڑی ساز تھا۔ کرامپٹن ایک کپڑا بننے والا
تھا۔ ورج وڈ مٹی کے برتن بناتا تھا۔ برنڈے۔ ٹیل فورڈ
مشاٹ اور نیلسن سب مزدوری پیشہ تھے۔ جارج
اسٹیفنس نے دو پیسے روزانہ پر گاہے چرانے کی نوکری کی
تھی۔ اور اٹھارہ برس کی عمر تک اُس کو پڑھنا نہیں آتا تھا۔
ڈالٹن ایک غریب جو لاسہ کا لڑکا تھا۔ فیرڈی ایک لوہار
تھا۔ نیو کو من ایک لوہار کا لڑکا تھا۔ آرک رائٹ نے
اولیٰ عمر میں حجام کا کام شروع کیا تھا۔ سر مہتری ڈیوی ایک
دوا فروش کے یہاں امیدواروں میں تھا۔ بولٹن جو برنگھم
کا باپ تھا ایک مکھن بنانے والے کا لڑکا تھا۔ اور واٹ ایک

بڑھئی کا لڑکا تھا۔ اشخاص مذکورہ بالا و نیز اسی قسم کے اور لوگ دُنیا کے بہت بڑے محسن ہیں۔ ہم کو ان لوگوں پر بھی ویسا ہی فخر کرنا چاہیے جیسا کہ بڑے بڑے مدبروں اور جہزوں پر کرتے ہیں۔ ہم اکثر مہذب قوموں کی بابت سنتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بعض قومیں تہذیب میں بعض سے بڑھی ہوئی ہیں۔ لیکن کوئی ملک ابھی تک پوری طرح سے مہذب نام سے یاد کیے جانے کا مستحق نہیں ہے۔ ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہماری تہذیب حقیقہً تہذیب ہو جائے۔ اور کتب خانوں کا قائم ہونا یقیناً راہِ راست کا پہلا قدم ہے۔

جبکہ خانگی نیکالیف کے رفع کرنے کا قانون جاری ہوا اُس وقت لارڈ شربروک نے کہا تھا ”ہم کو چاہیے کہ اپنے مالکوں کو تعلیم دلوادین“ لیکن یہ بات اُس سے بھی زیادہ ضروری ہو کہ ہم اُن کو اس قابل بنادین کہ وہ خود اپنے تئیں تعلیم دے سکیں۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کی پیدائش اسی کے وقت قضا و قدر نے یہ حکم دے دیا ہو کہ انھیں زندگی بھر محنت شاقہ کرنی پڑے گی لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اس عام محنت کی وجہ سے اُن کی زندگی غیر مسرت بخش اور دلچسپی سے خالی ہو اگر اُن کے زمانہ زندگی میں دل بہلانے کے بہت کم سامان میا ہیں۔ اور بہت کم تفریبات واقع ہونے کی امید ہو تو اُن کے واسطے اور بھی زیادہ ضروری ہو

کہ اچھی کتابوں تک اُن کا ہاتھ پہنچایا جائے۔

سر جان ہرشل جو ہمارے ملک کا ایک بہت بڑا سائنس دان
 شخص گذرا ہو یوں کہتا ہو کہ ”اگر میں کسی ایسے ذوق کے واسطے دعا
 مانگتا جو ہر حالت میں مجھے مدد دے۔ میرے واسطے مسرت اور
 خوشی کا ایک چشمہ ہو۔ اور جبکہ دنیا کی تمام چیزیں میرے خلاف ہوں
 اور زمانہ مجھے قمر کی نگاہ سے دیکھتا ہو وہ دنیا کی تمام بُرائیوں کے
 رُککنے کے واسطے ایک سپر کا کام دے تو میں پڑھنے کے ذوق
 کی دعا مانگتا۔ ایک شخص میں یہ ذوق پیدا کر دو۔ اور اُس کے
 پورے ہونے کے ذرائع مہیا کر دو۔ پھر یہ سمجھ لو کہ تم نے اُسے
 ایک سرور آدمی بنا دیا۔ مگر اُن اُس حالت میں تمہیں ناکامی رہو
 گی اگر تم نے اُس کے واسطے خراب کتابوں کا انتخاب کر دیا ہو۔
 کتابیں قریب قریب زندہ مخلوق ہیں۔ ملٹن کہتا ہو ”کتابیں
 بجائے خود زندگی کی شان رکھتی ہیں۔ اور ویسی مستعد جیسے کہ وہ
 روحیں تھیں جن کی یہ یادگار ہیں۔ اعلیٰ مصنفین کسی حالت میں نہیں
 مرتے ہیں۔ جس کے مبارک دماغ نے تیری روح کو برتر کر دیا ہو
 وہ ہرگز نہیں مرا ہو جن دلوں کو ہم اپنے بعد چھوڑ جاتے ہیں
 ان میں رہنا مرنا نہیں ہو۔

سر جان ہرشل انگلستان کا نامی گرامی اور مستند حیات دان تھا جو ۱۷۹۱ء میں پیدا
 ہوا۔ اور ۱۸۷۱ء میں مر گیا۔

ڈیووک آف اربینو جس نے ایک بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا یہ حکم دیا تھا کہ ہر کتاب کی جلد اور خوانی رنگ کی ہو۔ اور چاندی کے بیل بوٹوں سے مزین ہو۔

کتابین گذشتہ زمانے کا جمع کیا ہوا خزانہ ہیں۔ لیمبٹ کہا کرتا تھا وہ خدا کی تعریف اور شکر ایک نئی کتاب پڑھتے وقت ادا کرنا سببت کھانا کھانے کے وقت کے زیادہ موزوں و مناسب ہے۔

علاوہ برین جب ہم کو یہ بات معلوم ہو کہ شراب میں کس قدر خرچ ہو جاتا ہو تو یقیناً اگر ہم کتابین خریدیں تو کوئی ہم کو فضول خرچی کا الزام نہ دے گا۔ کتب خانہ جمع کرنے میں بمقابلہ شراب خانہ رکھنے کے کس قدر کم خرچ پڑتا ہو! بہت لوگ ایک اچھی کتاب کے واسطے ایک شراب کی بوتل کی قیمت دینے میں بھی دیر تک سوچا کرتے ہیں۔ یہ بات کس قدر قابل افسوس ہو کہ جب کوئی پبلک مہوس ”کہتا ہو تو ان لفظوں کو سن کے ہمارا خیال شراب خانے کی طرف جاتا ہو۔ سمجھے اس بات کی کمال خوشی ہو کہ اب سب طرف ”پبلک مہوس“ شراب میا کرنے کی غرض سے نہیں بن رہی ہیں بلکہ کتابین میا

عہد لیمبٹ انگلستان کا ایک بہت دست افشاں دار تھا۔ جس نے چند ہی روز امارت و رست کا تہہ بھی حاصل کر لیا۔ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا تھا۔ اور ۱۸۷۲ء میں مر گیا۔

عہد پبلک مہوس کے ٹھوس معنی تو اس مکان کے ہیں جس میں عام لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہو۔ مگر اصطلاحاً شراب خانوں کو کہتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سب سے زیادہ عام لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہو۔

کرنے کے واسطے تیار ہو رہے ہیں۔

ہمارے پڑھنے کی غرض ترقی ہوئی چاہیے نہ محض دلچسپی۔ دل
بھلانے والی کتابیں اسی قدر ضروری ہیں جس قدر کہ شکر غذا میں ضروری
ہو خاصۃً بچوں کے واسطے مگر ہم صرف اُسی پر زندگی نہیں بسر کر سکتے
ہیں۔

علاوہ برین بہت سی ایسی کتابیں ہیں جو حقیقتہً اس قابل نہیں کہ
اُن کو کتاب کہا جائے۔ اُن کا پڑھنا محض وقت کا ضائع کرنا ہو۔ اور
اُن میں سے بعض ایسی خراب ہیں کہ ہم اُن کو بغیر اپنے تئیں ناپاک کیجو
نہیں پڑھ سکتے۔ اگر وہ آدمی ہوشیار تو اس قابل ہوتا کہ راستے میں
اُن پر ٹھوکرین پڑا کرین۔ بہت سی حالتوں میں زندگی کے خطروں اور
وسوسوں سے متنبہ ہو جانا اچھا ہو لیکن اصل میں جو چیز ہمیں بدی کا علم
دے وہ خود بھی بُری ہو۔

خوش قسمتی سے بہت سی ایسی کتابیں ہیں جن کو پڑھ کر انسان میں
تھوڑی بہت خوبی ضرور پیدا ہو جاتی ہو۔ مفید علم ادب سے میرا یہ مطلب
نہیں ہو کہ وہ علم کسی کاروبار یا پیشے کے واسطے مفید ہو۔ ہاں ایک
حد تک ایسی کتابیں جو کسی پیشے کے واسطے مفید ہیں فائدہ مند ضرور
ہیں۔ لیکن یہ کتابوں کا اعلیٰ درجہ کا فائدہ نہیں ہو کہ اُن سے صرف
پیشے وغیرہ میں انسان کو فائدہ پہونچے۔ عمدہ کتابیں ہم کو ایسے بلند
مقام پر پہونچا دیتی ہیں جہاں ہم کو اپنا خیال بھی بالکل نہیں باقی رہتا۔

ذاتی فوائد کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔ اور ہم دنیا کی افکار و تکالیف کو مطلقاً بھول جاتے ہیں۔

جس وقت ہم کسی کتاب کے پڑھنے میں غرقاب ہوتے ہیں اُس وقت اگر کوئی شخص دخل دے دے تو ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم پر بہت ظلم کیا گیا۔ ہمیرٹن اس طرح کہتا ہے کہ ”فرض کرو کوئی شخص ایک مصنف کی تصنیف میں بالکل مستغرق ہو۔ اور وہ مصنف بھی ایسا ہو کہ پڑھنے والے کے زمانے کا نہیں۔ اور ایسے ملک کا رہنے والا ہو جہاں کا طرز معاشرت اور تہذیب اُس کے یہاں کے طرز معاشرت سے بالکل جداگانہ ہو۔ مثلاً آپ معذرت نامہ سقراط کو پڑھ رہے ہیں اُس کل سین کا مرقع آپ کی نظر کے سامنے کھنچا ہوا ہو۔ اور آپ کو یہ نظر آ رہا ہو کہ حج مع جرسی کے ایک عمارت میں جو یونانی وضع کی بنی ہوئی ہو بیٹھا ہو۔ ایتھنس کی پبلک جے اس مقدمے میں دلچسپی ہو بھیڑ لگائے کھڑی ہو۔ ایک طرف ملیطوس جس کو لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کھڑا ہوا ہو۔ اور حاسد دشمنوں کا مجمع ہوا اور دوسری جانب وہ لوگ جمع ہیں جو سقراط کے دلی دوست ہیں جن کو اس وقت کمال درجے کا رنج و افسوس ہے اور بیچون بیچ میں آپ کو ایک شخص نظر آ رہا ہو جو نہایت غریب آدمی کی وضع میں کھڑا ہے جس کی پوشاک نہایت سستی اور عام کپڑے کی ہو۔ جس کو وہ گری اور جاڑوں ہر موسم میں پہنتا ہو۔ اُس کا چہرہ اس قدر سادہ ہے کہ

قریب قریب بدنام معلوم ہوتا ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اُس میں کچھ اس بلا کی ہمت اور قیامت کا استقلال ہو کہ کوئی اعلیٰ اکیٹر بھی اُس کی نقل نہیں کر سکتا وہ کھڑا ہوا اُن جھوٹے الزامات کے جواب دہی کر رہا ہو جو اُس کے اوپر لگائے گئے ہین۔ اگر آپ اس کلی سین کو پورا ختم کر لیجیے اور کوئی شخص خلل انداز نہ ہو تو آپ کو وہ عمدہ مسرت حاصل ہوگی جو آپ کی دماغی محنت کا ثمرہ ہو۔

ایسا کوئی شخص نہ ہو گا جو ایک گھنٹہ کسی عمدہ اور دلچسپ کتاب کو پڑھے اور اُس کے پڑھنے سے اُسے مسرت نہ حاصل ہو۔ پڑھنے سے جو مسرت حاصل ہوتی ہو وہ صرف ایک لمحہ بھر کے واسطے نہیں ہوتی بلکہ اُس کی یاد ہمارے دماغ میں رہ جا یا کرتی ہو۔ ہمارے دماغ میں عمدہ اور مسرت بخش جانوں کا ایک ذخیرہ جمع ہو جاتا ہو جس کو ہم جب چاہیں کام میں لاسکتے ہین۔ جیسا ایک شاعر نے کہا ہو ”ہمارا جی بھائی جو ہم سے بزرگ تر تھے اُن کی خیالی تصویریں ہمارے نگاہ کے سامنے بھرا کرتی ہین۔ اور جس وقت ہم کھانا کھاتے ہوتے ہین یا بستر پر سوتے کے واسطے لیٹتے ہین اُس وقت وہ ہم کو اپنے خوبصورت چہروں سے خوشی بخشتے ہین اور اپنے نصیحت آمیز الفاظ سے ہم کو تسلی دیتے ہین۔“

انگریزی انشا پر داری انگریزی قوم کا ورثہ ہو۔ ہماری قوم نے بڑے بڑے نامور شاعر حکیم اور سائنس کے جاننے والے پیدا کیے

اوداب بھی پیدا کرتی ہو۔ کسی قوم کو ہماری انشا پردازی سے زیادہ واضح صاف اور عمدہ تحریر کا فخر نہیں حاصل ہو۔ ہماری انشا پردازی ہماری تجارت سے زیادہ پُر دولت اور ہماری فوج سے زیادہ زبردست ہو۔ ہماری ملک کی انشا پردازی ہمارے ملک کی زمینت ہمارے واسطے باعث ناز ہو اور ہم جس قدر اُس کے شکر گزار ہوں وہ کم ہو۔

نوان باب

کتب بینی

کتابوں کو فوج انسان سے وہی نسبت ہو جو حافظہ کو ایک زندہ مخلوق سے ہوتی ہو۔ اُن میں ہمارے نسل کی تاریخ تحقیقین جو ہم نے کی ہیں اور گزشتہ زمانے کے علم اور تجربے کا ذخیرہ ہوا کرتا ہو۔ وہ ہم کو قدرت کے حُسن اور عجائبات کی تصویریں کھینچ کھینچ کر دکھاتی ہیں۔ مشکل موقعوں پر ہمیں مدد دیتی ہیں رنج و غم میں تسلی دیتی ہیں۔ فرصت کے زمانے کو تبدیل بہ مسرت کرتی ہیں ہمارے دماغ میں تصورات کا ذخیرہ جمع کرتی ہیں۔ ہمارے دلون کو نیک اور مسرت بخش خیالات سے بھر دیتی ہیں۔ اور ہم جس مقام پر ہیں ہمیں اُس سے کمین زیادہ بلند کر دیتی ہیں۔

دو بھائیوں کی ایک مشرقی کمائی مشہور ہو کہ اُن میں سے ایک بادشاہ تھا مگر وزرات کو خواب دیکھتا تھا کہ فقیر ہوں۔ اور دوسرا

بھائی جو فقیر تھا ہر رات کو یہ خواب دیکھتا تھا کہ میں ایک بادشاہ ہوں اور شاہی محل میں رہتا ہوں۔ مجھے اس بات کا یقین نہیں کہ وہ جو حقیقت بادشاہ تھا اُس کو زیادہ آرام ملتا ہو۔ بعض اوقات تصور اصل سے زیادہ صاف اور روشن ہوا کرتا ہے۔ خیر یہ جو کچھ ہو لیکن جب ہم پڑھتے ہیں تو اگر ہماری خواہش ہو تو صرف بادشاہ ہی نہیں ہو سکتے ہیں اور محسوس ہی میں نہیں رہ سکتے ہیں بلکہ وہ بات جو اس سے بھی زیادہ اچھی ہو ہمیں حاصل ہوتی ہو وہ یہ کہ ہم اپنے تئیں بغیر تکلیف یا خرچ کے پہاڑوں اور سمندر کے سواحل کی سیر کر سکتے ہیں اور دنیا کے نہایت ہی خوبصورت حصوں کو دیکھ سکتے ہیں۔

فلینچر اپنی ایک عمدہ نظم میں اس طرح لکھتا ہے کہ ”مجھ کو اپنے تئیں محفوظ کرنے کی اجازت دو وہ جگہ جہاں میری کتابیں (جو بہترین ہم جلیس ہیں) رکھی ہیں میرے نزدیک ایک دربار ہو جس میں میں بادشاہ کی طرح بیٹھتا ہوں اور مقررہ نشستوں اور حکیموں سے گفتگو کر رہا ہوں۔ اور بعض اوقات جب میرا جی چاہتا ہے تو میں بادشاہوں اور شہنشاہوں سے بھی بات چیت کرتا ہوں ان کی صلاحوں کو تولتا ہوں اور ان فتوحات کی بابت جو انھوں نے نا انصافی سے حاصل کی تھیں بہت سخت پوچھ گچھ کرتا ہوں اور ان

عصایک شلم اور ڈراما لکھنے والا تھا ۱۵۷۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۲۵ء میں واپسی پیاری سے صبرا۔

تصویرِ دن کو جو ایسے باو شاہوں کی یادگار میں بنائی گئی ہیں جو قابلِ یادگار نہ تھے مین اپنے خیال کے سامنے سے مٹا دیتا ہوں۔ ایسی حالت میں کیا یہ ممکن ہو کہ مین ایسی دوامی مسرتوں کو چھوڑ دوں اور غیر متین نمائشوں سے ہم آغوش ہوں؟ نہیں۔ ہرگز نہیں آپ اپنی دولت کا ڈھیر بڑھاویے مین تو اپنا علم ہی بڑھاؤں گا۔

کتابوں کو لوگوں نے ہم صحبتوں سے تشبیہ دی ہو لیکن جو ہمارے موجودہ ہم صحبت ہیں اُن مین سے جو بہت عمدہ ہوا کرتے ہیں اُن کو اکثر بے رحم موت ہم سے چھین لیتی ہو۔ مگر کتابوں کا حال بخلاف اس کے یہ جو اُن مین سے جو خراب ہیں اُن کو تو زمانہ مار ڈالتا ہو اور جو اچھے ہیں اُن کو پاک کر دیتا ہو۔

بلور لٹن کتا ہو شعر اور عقل مندا دی اپنی کتابوں کے باہر مٹی ہیں۔ اور کتابوں مین سے وہ اس طرح نکلتے ہیں جیسے کہ فرشتہ اور ہمارے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اور ہم کو آگاہ کرتے رہتے ہیں بعض کتابوں کو ہم غیر فانی کہتے ہیں۔ کیا وہ زندہ رہتی ہیں؟ ہاں اگر ایسا ہوتا ہو تو میری بات کا اعتبار کرو کہ زمانہ اُن کو زیادہ پاک و صاف بنا دیتا ہو۔ کتابوں مین بد معاش سے بد معاش شخص خاموش پڑے رہتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ خدا کی مرضی یہی ہو کہ بُرائیاں نہ برداشت کی جائیں۔ خراب حصے اُڑ جایا کرتے ہیں اور کل کو اس طرح چھوڑ دیتے ہیں جیسے کہ خاکی جسم روح کو چھوڑ دیا کرتا ہو۔

بہت لوگوں نے جن کو دنیا کی ہر ایک شے میری ہی کہہ کر اس بات کا یقین دلایا
 ہے کہ عہدہ مسرتین جو ان کو حاصل ہو میں وہ کتابوں کی بدولت ہو میں
 ایشیم نے لپیڈمی میں گئے سے آخری ملاقات کا موثر
 قصہ اس طرح لکھا ہے کہ میں نے اسے ایک کھڑکی میں بیٹھایا یا وہ اس وقت
 سقراط کی موت کا حال جو فلاطون نے لکھا ہے پڑھ رہی تھی اس کی زبان
 اور باپ سامنے مرغ زار میں شکار کھیل رہے تھے۔ اور شکاری گھون
 کی آواز میں کھڑکی میں آ رہی تھیں میں نے یہ دیکھ کے بڑا تعجب کیا۔ لیکن
 اس نے جواب دیا میں خیال کرتی ہوں کہ ان کی وہ تمام مسرتین جو
 ان کو اس وقت مرغ زار میں حاصل ہیں میری اس مسرت کے سامنے
 جو مجھے فلاطون کی تصنیف پڑھنے سے حاصل ہو رہی ہے ترجیح ہیں۔

مکالمے نے جن کو دولت و شہرت و مرتبہ اور قوت حاصل تھی اپنی
 سوانح عمری میں اس طرح لکھا ہے کہ مجھے ایسے زمانے زندگی میں جو نہایت
 مسرت وہ وقت نصیب ہوا وہ کتابوں ہی کی بدولت تھا۔ اس نے
 ایک دلکش خط میں جو ایک چھوٹی لڑکی کو لکھا تھا تحریر کیا ہے کہ
 میں تمہارے خط کا بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے ہمیشہ اس بات
 کی خوشی ہوتی ہے کہ میں اپنی چھوٹی لڑکی کو خوش کروں اور اس بات
 کے لئے زیادہ مسرت مجھے کسی چیز میں نہیں معلوم ہوتی کہ میری پیاری
 چھوٹی بیٹی کتابوں سے محبت کرتی ہے۔ کیونکہ جب وہ میرے پاس کو
 بیٹھنے لگی تو میں کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ کتابیں بسکٹ

مٹائی۔ کھیلوں۔ کھلونوں اور دنیا کے تمام تماشوں سے بہترین۔ اگر کوئی شخص مجھ کو بہت بڑا بادشاہ بنا دے ایک عالیشان مجلس ارہٹنے کو ایک بارغ سیر کرے کو اور عمدہ عمدہ خدائیں شراب گاریاں نصیں پوشاکیں اور ہزاروں نوکر خدمت کرنے کے واسطے مہیا کر دے۔ اور اُس کے ساتھ یہ شرط ہو کہ میں کتابیں نہ پڑھوں تو میں ایسی بادشاہی کو ہرگز نہ پسند کروں گا۔ میں غریب آدمی ہو کر ایک ٹوٹے جھوڑے میں رہنا پسند کروں گا بشرطیکہ میرے پاس پڑھنے کے لیے بہت سی کتابیں موجود ہوں۔ اور ایسا بادشاہ ہونا نہ چاہوں گا جس کو پڑھنے کا شوق نہ ہو۔“

کتابیں حقیقت ہمارے واسطے ایک خیالات کا طلسمی قصر مہیا کر دیتی ہیں۔ جہین پال رشیر کتاب ہے کڑپار نے سوس پرست جو کشادہ نظر آتی ہے وہ سریر سلطنت پرست نہیں نظر آتی اور ایک معنوں میں کتابیں ہماری نظر کے سامنے ایسی خیالی تصویروں پیش کر دیتی ہیں جو اصل سے کہیں زیادہ صاف ہوتی ہے اکثر اوقات کسی خوشنما منظر کا عکس بہ نسبت اصل منظر کے زیادہ خوشنما معلوم ہوا کرتا ہے جارج میکڈونلڈ کتاب ہے ”تصویریں دیکھنے کے سبب شیشے جادو معلوم ہوتے ہیں۔ مگر میں جب بے شیشے میں دیکھتا ہوں تو مجھ کو یہ نظر آتا ہے کہ سب سے عمدہ وہ کرا (فوٹو لینے کا آلہ) ہے جس کی تصویر کچھ

عہ یونانی کامیادہ پچ آپال اور میوزیوم یونان کا مسکن تھا۔ پھر دیوتا علم اور عقل سے

شاعر نے نظم میں کہی ہے۔

اگر کسی کتاب میں ہماری دلچسپی نہیں ہوتی تو کتاب کا تصور نہیں پڑھنے
میں بھی ایک قسم کے ہنر کی ضرورت ہے۔ بغیر غور و فکر کے پڑھنا محض
بیکار ہے۔ ہم کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم جو کچھ پڑھتے ہیں اُس کی
تصویر اپنی نظر کے سامنے کھینچ لیں۔ ہر ایک شخص یہ جانتا ہے کہ میں
کھانا اور پڑھنا جانتا ہوں۔ مگر اصل یوں ہے کہ بہت ہی کم لوگ ہیں
جو اچھا لکھ سکتے ہیں یا حقیقت پڑھنا جانتے ہیں۔ یہ بات کافی نہیں ہے
کہ آپ بے غوری کے ساتھ پڑھتے چلے جائیں۔ سطرون پر نظر دوڑائیں
اور درقون کو اُلٹا شروع کر دیں بلکہ اس بات کی کوشش ہونی
چاہیے کہ جن منظرون کا کتاب میں ذکر ہے اُن کا نقشہ آپ کی نظر کے
سامنے کھینچ جائے اور جن آدمیوں کا اُس میں تذکرہ ہے اُن کی تصویر آپ
اپنے تصور کے نگار خانے میں کھینچ لیں۔ ایسی شے کہ کتاب پڑھنا
ایک سال میں اتنا سکھا دیتا ہے جتنا کہ تجربہ میں سال میں بھی نہیں
سکھا سکتا۔ پڑھنے کے ذریعہ سے جو بات اہم کو حاصل ہوتی ہے اُس میں ہم کو
کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔ بخلاف اُس کے تجربہ میں جتنا عقلمند بتاتا ہے
اُس سے زیادہ مصیبت زدہ بنا دیتا ہے۔ تجربہ کے ذریعہ سے عقل
حاصل کرنے میں بڑے بڑے خطرے ہیں۔ وہ جاذبِ کاپتا نہایت ہی
بہ نصیب ہے جو جاذب کی تباہیوں سے تجربہ اٹھائے اٹھاتے ہو شمار
نہیں کیا ہے۔ وہ سوڈا اگر بہت مصیبت زدہ ہے جو نقصان عظیم

اٹھا کے امیر اور عقل مند بنا ہے۔ تجربہ سے عقل سیکھنے میں صرف بھی بہت ہوتا ہے۔ ہم کو تجربے سے یہ بات معلوم ہے کہ ایک نزدیک راستہ کا بہت پھر لے پھر آنے اور تجسس کے بعد معلوم ہونا بہت ہی تکلیف دہ ہے۔ جس شخص نے تجربے سے عقل حاصل کی ہے۔ وہ یقیناً ظریف ہو گا لیکن اُس کی مثال اُس تیز دھڑلے والے شخص کی ہے جو اپنی تیزی میں راستہ سے ہٹ جاتا ہے۔ اور رات کے وقت اُس کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ میں کدھر جاتا ہوں اور کدھر جانا چاہیے۔ اور واقعی اُن لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہے جو بغیر کچھ پڑھے محض تجربے سے عقل مند ہو گئے ہوں۔ اگلے زمانے میں جو چند اشخاص گزرے ہیں جنہوں نے ایک مدت کے تجربے کے بعد تھوڑی سی دانائی اور کچھ مسرت حاصل کی تھی اُن لوگوں کے حالات زندگی پر غور سے نظر کرو تو تم کو صاف نظر آ جائے گا کہ انہوں نے کیا کیا نقصان اٹھائے۔ اور کن کن خطروں میں پڑ گئے اُن کی جان بھی سپرد اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ ایسے لوگوں میں میں میں سے کم ہیں ایک ہی شخص زندہ بچا ہے ایسی حالت میں تم ہی انصاف اور غور سے کہو کہ آیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری اولاد کو بھی عقلی مندی اور خوشی ایسے ہی تجربوں سے حاصل ہو؟

جس طرح دو ستون کا انتخاب کرنا نہایت اہم ہے۔ اُسی طرح کتابوں کا انتخاب کرنا بھی نہایت دشوار کام ہے۔ جس طرح ہم اپنے اعمالوں کی بابت جواب دہ ہیں اُسی طرح ہم جو کچھ پڑھتے ہیں اس کی بھی

ہمیں جواب دہی کرنی پڑنے لگی۔ ”عمدہ کتاب“ بقول طلحہ کے ایک بڑے مصنف کا پیش بہا خون جگر ہے جس کو اُس نے اس غرض سے جمع کیا ہے کہ اُس وقت لوگوں کے کام آئے جبکہ خود مصنف نہ باقی ہو۔
 رسکن نے اُس باب میں جوڑ کیون کی تعلیم کے بابت ہے۔
 یون لکھا ہے ”ہم کو چاہیے کہ اُن کے ہاتھ میں کتابیں دینے سے پیشتر اس امر کا یقین واضح کر لیں کہ جو کتابیں ہم نے اُن کو پڑھنے کے واسطے دی ہیں وہ عمدہ کتابیں ہیں۔ اور ان میں فضول اور بے وقوفی کی باتیں نہیں بھری ہوئی ہیں۔“

دسوان باب

حب وطن

اگر دنیا میں کوئی ملک ایسا ہے جس کے واسطے انسان فخر کے ساتھ کام کرے تو وہ انگلستان ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ”اے انگلستان تیری اندرونی عظمت کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک چھوٹے سے جسم کے اندر ایک بڑا دل ہوا کرتا ہے۔“

وسعت کے لحاظ سے دیکھیے تو انگلستان سمندر کے صفحہ پر ایک چھوٹا سا دھبہ معلوم ہوتا ہے لیکن جتنے جہاز سمندروں میں چلتے ہیں ان میں سے زیادہ سے زیادہ پراگمیزی ہی جھنڈا اڑاتا ہوتا ہے۔

قدرت نے اس جزیرے کو بہت ہی مناسب جگہ پر واقع کیا ہے۔

انگلستان کی آب و ہوا نہایت مسرت افزا اور صحت بخش ہے۔ اور بہت
 زیادہ دولت مند ہونے کی بدولت ہم بہت سی لڑائیاں لڑنے سے
 بچ گئے۔ شیکسپیر کہتا ہے: "یہ جزیرہ سب کا ستراج ہے" ایہ عظمت کی
 سرزمین یہ سرینج کی جگہ! یہ اور دن سے بدلا ہوا تمدن۔ یہ آدمی جنت۔
 یہ قلعہ جس کو پچھلے خاص اپنے واسطے بنایا ہے۔ اور وبا اور جدال قاتل کا
 آگس پر قابو نہیں چلتا۔ یہ اس کے خوش و خرم لوگ۔ یہ چھوٹی دنیا۔ یہ بیش بہا
 نگینہ جو سمندر کی روپلی انگشتری میں جڑا ہوا ہے اور سمندر اُس کے
 گرد و دیوار کا کام دیتا ہے۔ یا حفاظت کے واسطے کسی کھائی اور خندق
 کی ضرورت پوری کر رہا ہے اور اُسے اُن لوگوں کے حسد سے بچائے رکھتا
 ہے جو اُس کے لوگوں کی طرح خوش و خرم نہیں ہیں۔ "یونانڈ ٹینس
 وول متحدہ امریکہ" کے ایک فیض البیان مقرر نے اپنے وطن کی تعریف
 ان الفاظ میں کی ہے: "میرے ملک کی جنوبی حد خط استوا ہے مشرق کی
 طرف بحر اطلانتک ہے۔ شمال کی طرف آرورا اور یالس ہے۔
 اور اُس کی مغربی حدود ان تک چلی گئی ہے جہاں آفتاب غروب ہوتا ہے۔
 لیکن ہم فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ شہنشاہی برطانیہ میں سورج کبھی
 غروب ہی نہیں ہوتا۔ ہمارا شاعر کمیل کہتا ہے "برطانیہ کو نہ کسی قلعہ
 کی ضرورت ہے اور نہ اُس کو اپنے سوا اصل پر بوجوں کی حاجت ہے۔
 اُس کا سفر ان موجدوں پر ہے جو پہاڑوں کے مثل بلند ہیں اور اُس کا
 مکان گھرے سمندر کے درمیان میں ہے"

امریکا کا ایک مدبر سلطنت کتا سے انگلستان کا جھنڈا منہرہ اور
 بندرگاہ مین لہرتا ہے۔ اور اُس کے صبح کے وقت کے فوجی باجے
 کی آواز آفتاب کے ساتھ تمام روئے زمین کے گوشہ گوشہ ہوتی ہے۔
 اور اس بات کا خیال کر کے ہم کو اور بھی زیادہ تسلی ہوتی ہے کہ
 ہمارے سپاہی ہر جگہ موجود ہیں لیکن بحیثیت دوستوں اور محافظوں کے
 نہ دشمنوں کی حیثیت سے۔ ہمارے ہاں انیسویں صدی کی فوج کے ہوں
 خواہ بری فوج کے ان کا شعار ہے۔ حفاظت کرنا اور سرکشی
 نہ کرنا۔

بہ عظیم شان سلطنت رفتہ رفتہ بڑھی۔ اس کے بڑھانے میں ہمارے
 آباؤ اجداد نے بڑی بڑی مشقتیں اور جانفشانی کی ہیں۔ اور واقعی
 یہ ہمارے واسطے بڑی دولت کی بات ہوگی اگر ہمیں اس بات کا خیال
 نہ ہو کہ اپنی اس سلطنت کو صرف اتنا اور اسی حال پر نہیں بلکہ اور زیادہ
 مضبوط اور ترقی یافتہ بنا کے اپنی اولاد کے حوالے کریں۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہماری تاریخ میں بھی ایسی بہت سی
 باتیں ہیں جو قابل افسوس ہیں۔ لیکن جب ہم کسی اور ملک کی تاریخ سے
 اپنی تاریخ کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارے
 ملک نے بدرجہا کم فخریزیاں کیں ہیں۔

لڑائیوں کے علاوہ ایسا کوئی ملک نہیں ہے جو اس قدر پورا ہوتا ہو
 اور اس کے واسطے ہر جزوہ کے اس قدر کم دیتے ہوئے ہو۔

لڑائی میں ہم نے اپنے دشمنوں کے ساتھ نہایت ہی فیاضانہ برتاؤ
 کیا۔ نیپولین کی لڑائی میں جبکہ فرانس کی طاقت بالکل ٹوٹ گئی تھی
 اور پیرس پر ہارسی مددگار سلطنتوں کا قبضہ تھا۔ باوجودیکہ لڑائی میں
 ہمیں نوے سے زیادہ کا خرچ پڑا تھا مگر ہم نے صرف ان شرطوں پر
 صلح کر لی کہ فرانس پر خود اسی کا قبضہ رہے اور اُس کو تاوان جنگ بھی
 نہ دیتا پڑے۔ بشرطیکہ فرانس خلافت کی تجارت چھوڑ دے۔ اب ہم چپ
 کبھی اُس صلح نامے کی شرطوں پر نظر ڈالتے تو ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ
 ہمارے مدبران سلطنت نے ایسا فیاضانہ برتاؤ کیا جو شاید شکل سے عقلمندانہ
 کہا جاسکے گا۔ ہم کو سخت تعجب معلوم ہوتا ہے کہ بعض فریب لوگ واپس
 لڑائی کو اپنی فتح خیال کرتے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ صلح نامے
 کے شرائط بہ نسبت ہمارے اُن کی اغراض کے زیادہ موافق تھے۔
 ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہم نے فرانس کو اُن کی نوآبادیاں بھی دے
 دیں۔ بردہ فروشی کے روکنے کی کوشش میں ہم کو تھوڑا نقصان اٹھانا
 پڑا۔ سلطنت پر نگال کو تین لاکھ پونڈ اور اسپین کو چار لاکھ پونڈ ہم نے
 سنبھل اس واسطے دیے کہ وہ اپنی قلمرو میں بردہ فروشی بند کر دیں۔
 اس کو نصف صدی سے کچھ زیادہ زمانہ گزرا جب ہم قرض کے بار
 سے کچلے جاتے تھے۔ اور ہارسی مالی طاقت اور نیز فوجی قوت
 اس قدر اچھی نہ تھی جیسی کہ اب ہے۔ مگر اس حالت میں بھی بردہ فروشی
 کے روکنے میں ہم نے تھوڑی فوج افریقہ کے مغربی ساحل پر

محین کر رکھی تھی۔ اور باوجودیکہ ہماری پیش بہا جانین ضائع ہوتی
تھیں اور ہم کو سات لاکھ پونڈ سالانہ کا خرچ برداشت کرنا پڑتا تھا۔
ہم نے اس کا رروائی بین تامل نہ کیا۔ اس کے علاوہ ہم نے
وسٹ انڈیز اور مارٹینیکس کو دو کروڑ پونڈ اس شرط کے ساتھ
دیے کہ اپنے غلاموں کو آزاد کر دیں۔ اس ناگوار تجارت کے روکنے
میں تقریباً دس کروڑ پونڈ ہمارے ملک کو اپنی گرہ سے دینے پڑے
دیگر سلطنتوں کا معمول ہو کہ اپنی نوآبادیوں اور ماتحت ریاستوں
سے بہت زیادہ مالگزاری وصول کر لیا کرتے ہیں۔

ایتھنز (دارالسلطنت یونان) والے اپنی مددگار ریاستوں سے
بہت کچھ سالانہ جہدہ وصول کر لیا کرتے تھے اور یہ جہدہ اُن کی
مالگزاری کا ایک بڑا حصہ تھا۔

رومیوں کا ایک خاص اصول تھا کہ ماتحت ریاستیں سلطنت کے تمام
مصارف پر ادا کیا کریں۔ جس وقت اُنھوں نے جزیرہ صقلیہ کو
(رسیلی) کو فتح کیا تو کل غلے کا دسواں حصہ اور جو مال وہاں آئے
یا وہاں سے باہر جائے اس میں سے فیصدی پانچواں حصہ خود لیا
کرتے تھے۔ زمانہ حال میں بھی۔ اسپین۔ پورٹگال اور ہالینڈ کی
طرح دیگر دولتوں نے اپنی نوآبادیوں کی بہت کچھ مالگزاری خود وصول
کرنی ہو۔

انگلستان کا برتاؤ وہی کچھ جاگاہ رہا ہو۔ اپنی نوآبادیوں سے

وصول کرنا درکنار ہم نے اُن کے فائدے کے واسطے ہزاروں روپیہ
خود اپنی گھرہ سے خرچ کیا۔ جہاں تک مجھ کو دریافت ہو سکا یہی معلوم ہوا
کہ ۱۸۵۷ء تک کوئی ایسا حساب نہیں مرتب کیا گیا تھا جس سے یہ پتہ
چل سکے کہ انگلستان کو سالانہ کس قدر رقم نوآبادیوں کے واسطے خرچ
کرنی پڑی۔ لیکن ۱۸۵۹ء سے ۱۸۶۹ء تک چار کروڑ دس لاکھ پونڈ
صرف ہوئے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اُس سے پیشتر یہ لاکھ پونڈ
سالانہ سے کم نہ صرف کرنا پڑا ہوگا۔

مگر اصل خرچ جو اس سے بھی زیادہ ہو وہ اس کے علاوہ ہو۔ کیونکہ
اس نقشے میں اُن اخراجات کا ذکر ہی نہیں۔ جو اسلحہ۔ وردیوں۔
چھاؤنیوں اور ہسپتالوں وغیرہ کی بابت ادا کیے گئے۔ اور نہ اس حساب
میں رنگروٹ وغیرہ بھرتی کرنے کا خرچہ شامل ہو۔

یہ کہا جاسکتا ہو کہ جو فوج ہم نے بحیرہ روم میں ڈال رکھی ہو وہ کسی
نوآبادی کے فائدے کی غرض سے نہیں۔ واقعی یہ بات سچ ہو کیونکہ
مالٹا اور جبرالٹر کے ایسے چھوٹے مقامات اس فوج کے مصارف نہیں
ادا کر سکتے۔ مگر اس فوج کے دہان قائم رہنے سے ہماری بڑی غرض
یہ ہو کہ خط و کتابت اور مراسلت کا سلسلہ ہمارے اور ہندوستان
اور آسٹریلیا کے درمیان میں محفوظ ہو۔ اور جب ایسا ہو تو پھر اس
فوج کا کُل بار ہم پر کیوں ہو۔ اور تھوڑا تھوڑا ہندوستان اور آسٹریلیا
بھی کیوں نہ برداشت کریں؟ اور یہ تو اُن مصارف کا بیان ہے جو

اُس فوج کی بابت ہوتے ہیں جو انگلستان سے باہر جاتی ہو۔ وہ فوج جو انگلستان میں موجود ہو (علاوہ اس قدر آدمیوں کے جتنے انگلستان کے واسطے ضروری ہیں) اور ضرورت کی اوقات میں نوآبادیوں کی مدد کو بھیجی جاتی ہو۔ پھر کیا وجہ ہو کہ نوآبادیان اُس فوج کو دوا می خچ کے واسطے سالانہ چندہ نہ ادا کریں۔

ہمارے فوجی نقشہ حساب میں یہ کمین ہمیں دکھلایا جاتا ہو کہ نوآبادیوں کے واسطے بولے نام ہی سہی مگر ہم کو بحری فوج کا کس قدر خچ ادا کرنا پڑا۔ ہم کو کل بحری فوج مصارف دینا ہوتے ہیں جن کو اگر یہ نوآبادیان خود مختار ہوتیں تو انھیں خود ہی برداشت کرنا پڑتا۔ ہم سمندرون میں اُن کے واسطے پولیس کا کام دیتے ہیں۔ اور اُن کے ساحلون کی حفاظت ہمارے روبرو سے ہوتی ہو۔ تھوڑے ہی غور سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہو کہ ہماری وجہ سے وہ کتنے مصارف سے بچ جاتے ہیں وہ تین کروڑ پچاس لاکھ انگریز جو جزائر برطانیہ اور آئرلینڈ میں رہتے ہیں اُن کو ایک کروڑ اسی لاکھ پونڈ سالانہ کی رقم صرف بحری فوج کے مصارف کے لیے دینی پڑتی ہو۔ باوجودِ تیس کروڑ آدمی جو ہندوستان اور نوآبادیوں میں آباد ہیں اس میں شاید ہی کچھ دیتے ہوں گے۔

ہندوستان ہی کو دیکھیے۔ شاید اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں ہو کہ ہندوستان شاہنشاہی برطانیہ کے مصارف کی بابت براہ

راست کچھ نہیں دیتا۔ اور نہ اُن اخراجات کی بابت ہندوستان سے کوئی مدد ملتی ہو جن سے دیگر نوآبادیوں کی طرح وہ بھی فائدہ اٹھاتا ہو۔ ہمارے قبضے میں ہندوستان ہونے کی وجہ سے نہ تو کسی انگریز مزدور کو کچھ فائدہ ہوتا ہو اور نہ کسی ٹیکس دینے والے انگریز کو۔ اور نہ اُس کو ہندوستان کی وجہ سے ٹکس میں ایک کوڑی بھی کم دینی پڑتی ہو۔ فوج کے مصارف کا یہ حال ہو کہ اس بات کی سخت کوشش ہوتی رہتی ہو کہ ہندوستان کو سوا اُسی فوج کے مصارف کے جو وہاں موجود ہو ایک حتبہ بھی کسی اور مدینہ نہ دینا پڑے۔ مزایہ ہو کہ محکمہ جنگ کی طرف سے اگر کبھی کسی رقم کی بابت درخواست کی جاتی ہو اور وہ رقم اُن رقوم میں نہیں ہوتی جن کو عمدہ داران ہندوستان نے بہت ہی ضروری سمجھا ہو تو انڈیا آفس اُس پر بڑے زور شور سے اعتراض کرتا ہو۔

خصوصاً بحری فوج کے خرچ کی بابت ہندوستان سے قریب قریب بڑی ہی فیاضی کا برتاؤ کیا جاتا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے جہازوں کے بیڑے سے اُسے بہت بڑا فائدہ پہونچتا ہو۔ اگر ہمارا یہ بیڑا نہ ہوتا تو اُس کو بہت بڑے مصارف برداشت کرنا پڑتے۔ جن کی وجہ سے ہماری بدولت اُسے بچت ہو جاتی ہو۔ اس مدینہ وہ سالانہ صرف ستر ہزار پونڈ کا چنڈہ دیتا ہو جو اُن پانچ لاکھ پونڈ کے علاوہ ہے جو اُسے کشتیوں اور بندرگاہوں کے محصول وغیرہ کی بابت ادا کرنے ہوتے ہیں۔

ہماری نیک نیتی کے ساتھ یہ کوشش اور خواہش ہو کہ ہندوستان پر صرف اُس کے لوگوں کے فائدے کی غرض سے حکومت کریں۔ لیکن ہو کہ ہم نے غلطیاں کیں ہوں۔ جیسی غلطیاں کہ انگلستان پر حکومت کرنے میں بھی ہو جایا کرتی ہیں۔ لیکن ہمارا ہندوستان پر حکومت کرنے کا اصول یہی ہو جو ہم نے بیان کیا۔

میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی شخص اس بات سے انکار نہ کرے گا کہ ہماری حکومت سے ہندوستانیوں کو فائدہ پہونچا۔ ڈاکٹر ہنٹر کا بیان ہے کہ اُڑیسہ میں راجہ کا حصہ خلع میں ساٹھ فیصدی ہوا کرتا تھا اور رحمدل سے رحمدل گورنمنٹ بھی ۳۳ فیصدی لیا کرتی تھی۔ اور ہماری گورنمنٹ صرف اس سے صرف سات تک لیا کرتی۔ کوئی شخص اس میں عذر نہیں کر سکتا کہ ہمارے ٹیکس ہندوستانیوں پر بہت ہی کم ہیں۔ اور انکی جان و مال بہ نسبت اُسکے کہ وہ ہندوستانی بادشاہوں کے زیر حکومت ہوتے اب زیادہ محفوظ ہیں۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ ہندوستان ایک جہت بھی انگلستان کی مالگداری کے بابت نہیں دیتا اس بات کو تو کوئی شخص نہیں ثابت کر سکتا کہ ہندوستانی لوگ ہم کو جانتے ہیں اور اس کی امید کرنا بھی شاید حد سے بڑھ جانا ہو۔ لیکن ہاں اس سے انکار نہیں کیا جانا کہ ہماری گورنمنٹ و ہاں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہو۔

میں خیال کرتا ہوں کہ ہماری حکمرانی کا ہر دل عزیز ہونا عذر کے زمانے میں صاف طور پر ظاہر ہو گیا۔ ہمارے ملک والوں نے عام اس سے کہ وہ اعلیٰ ہوں بڑے یا ادنیٰ بہادرون کی سی کارگزاریاں

دکھائیں۔ تاہم اگر ہمارے گورنمنٹ لالچی اور غیر منصف مشہور ہوتی اور اگر ہمارے اوپر ہندوستان کی رعایا کو اعما نہ ہوتا اور اُن کے دلون میں ہماری عزت نہ ہوتی تو ہم ضرور سمندر میں بھگا دیے گئے ہوتے۔ ہماری بہادر فوج کی بہادری اور ہمارے افسروں کے فنون سپہ گری نے ہمیں بہت ہی کم فائدہ بخشا ہوتا۔ ہندوستان کی رعایا نے ہمارے خلاف کسی قسم کی بغاوت نہیں کی۔ اور ایسوناڑک وقت میں بھی اُن لوگوں کا اس قسم کا برتاؤ کرنا اس بات کی صریحی شہادت ہو کہ ہم نے اپنا فرض منصبی کس خوبی سے ادا کیا تھا۔

ہماری حکومت کے بارے میں دوسری قوموں کی رائے معلوم کرنی ہو تو ہانگ کانگ اور سنگاپور کے واقعات کو دیکھو۔ ہانگ کانگ کی تاریخ میں مسٹر وڈ کہتا ہو جس وقت وہ دولت برطانیہ کو ملا ہے ایک بے کاروبے فائدہ جزیرہ تھا جس میں صرف چند ماہی گیر رہا کرتے تھے۔ اب اُس میں ہزار ہا چینی آکر بس گئے ہیں۔ جنھوں نے چین کو چھوڑ کے یہاں اس غرض سے بود و باش اختیار کی ہو کہ اُن کو یہ بات معلوم ہو کہ انگریزی گورنمنٹ کی عمل داری میں رہنے سے وہ بھاری بھاری ٹیکسوں سے بچ جائیں گے۔ اور اُن پر منصفانہ قانون کے ذریعے سے حکومت کی جائے گی۔ اور یہاں اُنھیں فائدہ بخش تجارت کا بھی پورا پورا اختیار حاصل ہوگا۔ سنگاپور میں بھی جو پیشتر ایک غیر آباد جزیرہ تھا اب سیکرٹون لوگوں نے چین ملایا۔ اور ہندوستان

سے جا جا کے انھیں مذکورہ وجہ سے دہان بود و باش اختیار کی ہو۔
 جاوا کی حالت کو دیکھئے۔ مہیران کہتا ہو: اُن پہنچ سال کے زمانے
 میں جب کہ وہ دولت برطانیہ کے زیر حکومت تھا اس پر ایسی رحم دلی
 اور انصاف پسندی کے ساتھ حکومت کی گئی کہ واپس کر دیے جانے
 بعد دہان کے باشندوں کو (عام اس سے کہ وہ یورپین تھے یا دہان
 کے رہنے والے) پھر اپنے تئیں ڈچ گورنمنٹ کا عادی کرنا مشکل
 معلوم ہوا۔ اگرچہ وہ اس تھوڑے ہی زمانے تک برٹش کے قبضے
 میں رہا مگر اتنے ہی دنوں میں دہان کچھ اور ہی رونق ہو گئی۔ اور
 دہان وہ بات اتنے تھوڑے عرصے میں پیدا ہو گئی جو دو سو سال
 تک ہالینڈ کی سلطنت کے قبضے میں رہنے سے بھی نہیں حاصل
 ہوئی تھی۔

یہ کہنا کہ آئر لینڈ کے ساتھ سختی سے برتاؤ کیا جاتا ہونا انصافی ہو بلکہ
 بخلاف اس کے آئر لینڈ میں جتنی آبادی ہو یا جتنا لگان دہان سے
 وصول ہوتا ہو اُس کے اعتبار سے اُس کے ممبر پارلیمنٹ میں زیادہ
 ہیں۔ اُس کو اُسی قدر ٹیکس دینا پڑتا ہے جتنا ہم لوگوں کو دینا
 پڑتا ہے۔ بلکہ ہم لوگ اور بھی بہت سے ٹیکس دیتے ہیں جو آئر لینڈ
 والوں کو نہیں دینے پڑتے مثلاً زمین کا ٹیکس۔ کھروارہ ٹیکس۔ ریلوے
 ٹیکس وغیرہ جن کی مجموعی رقم سات لاکھ پونڈ سالانہ سے زائد ہوتی ہو
 اس سال تک دہان کے کسانوں کو انکم ٹیکس ہمارے یہاں کے لوگوں

سے کم دینا پڑتا تھا۔ اور نیز آئرلینڈ کی زمین پر بہ نسبت انگلینڈ کے کم جمع بندی ہوتی ہو۔ علاوہ برین آئرلینڈ کو انگلینڈ اور اسکاٹلینڈ سے کمین زیادہ رقم بطور امداد دی جاتی ہو۔ مثلاً اُس کو اشی لاکھ پونڈ قحط کے زمانے میں دیے گئے تھے۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہو کہ شراب کا محصول آئرلینڈ میں بہت زیادہ لیا جاتا ہو۔ مگر خود انگلستان ساری بیر شراب پر چنگی دیتا ہو۔ اور اسپرٹ پر بھی جزائر برطانیہ ۹۲ فی صدی چنگی دیتی ہے۔ حالانکہ آئرلینڈ کو صرف ۹۱ فی صدی کے حساب سے دینا پڑتا ہو۔ مجھ کو اس بات کا یقین ہو کہ خود انگلش لوگوں اور اسکاٹلینڈ والوں کی بھی یہ خواہش ہو کہ آئرلینڈ کے ساتھ انصاف اور مناسب فیاضی کا برتاؤ کیا جاوے۔

ہم کو معلوم ہو کہ جس طرح لڑائی میں فتح ہوا کرتی ہو اُسی طرح صلح میں بھی فتح ہوا کرتی ہو۔ اگر ہم انسانی ترقی کی تاریخ کو دیکھیں تو نظر آئے گا کہ ہمیں اپنے آباؤ اجداد پر اس بات کچھ فخر کرنے کا بھی موقع حاصل ہو۔ انگریزی زبان نہایت تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہو۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ جیسے عنقریب کل بنی آدم کی زبان بھی انگریزی ہو جا گی۔ اس بات کو ابھی بہت زمانہ نہیں گزرا جب لارڈ ویکسٹن نے ڈاکٹر پلے فیئر سے اپنی کتاب مسمی دی آئیڈوائسمنٹ آف لرننگ کے (ترقی تعلیم) لاطینی زبان میں ترجمہ کرنے کی فرمائش کی تھی۔ اور وجہ یہ بیان کی تھی کہ جس زبان میں میری کتاب ہو وہ اس قدر

ایک نلٹ حکمرانی کے کاموں میں صرف ہوتا ہو۔

میری یہ رائے نہیں کہ جس طرح ممکن ہو صلح ہی کی جائے مگر مجھے اس بات کے کہنے میں ذرا بھی شرم نہیں آتی کہ جہاں تک بنے صلح ہی کر لینی چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے ایسے اہم مسئلے بھی ہیں جو بذریعہ ثالث کے نہیں طر ہو سکتے لیکن ارل رسل نے جو ایک بہت مستند شخص ہو کما تھا کہ ”گذشتہ سو برس کے عرصے میں کوئی ایسی لڑائی نہیں ہوئی جس کا خیصلہ بغیر لڑے نہ ہو سکتا۔“

اس سے قبل جب مجھ سے ایم لیمپٹیا سے ملاقات ہوئی تو ہم نے اس مضمون پر گفتگو کی اُس نے نہایت ہی جوش کے ساتھ کہا ”اگر فرانس میں خرچ کی یہی حالت رہی تو ایک دن ایسا آنے والا ہو جب فرانسیسی اپنی بارکون کے سامنے بھیک مانگیں گے اور اب خرچ کی صرف وہی حالت نہیں بلکہ اور بڑھ گیا ہو۔“

یورپ کی حالت نہایت ہی پرخطر نظر آرہی ہے۔ روس میں پھیلاؤ ہو رہا ہے۔ جرمن کو سوشیالزم کا اندیشہ ہے۔ اور فرانس کو بد عملی کا خوف ہے۔ اور قریب قریب دیوالیہ ہو جانے کے آثار جلد جلد بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔

بظاہر اب بد عملی کے جرائم کی کوئی وجہ نہیں نظر آتی۔ لیکن اس دنیا میں ہر بات کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوا کرتا ہو۔ یورپ کے مزدور بہت

زیادہ دیر تک کام کرتے ہیں اور بہت کم مزدوری ہاتے ہیں اگر کوئی شخص حال کی اٹلی کی رپورٹ اٹھا کے دیکھے تو اسے معلوم ہو گا کہ وہ ان کے کاشتکاروں کی حالت نہایت ہی خراب ہو رہی ہو۔ یورپ میں مزدوری بہت کم دی جاتی ہے اور کام بہت گھنٹوں تک لیا جاتا ہے۔ اور فرانس میں بھی چھوٹے چھوٹے زمینداروں کی حالت کچھ اچھی نہیں ہے۔

مجھے اس خواہش سے نہایت ہمدردی ہو کہ صرف آٹھ گھنٹے کا دن ہو کرے۔ لیکن وہ تجویز جو ہمارے پارک میں پاس ہوئی اُس میں اس بات پر نہایت عقل مند سی سے زور دیا گیا تھا کہ یہ بات کل قوموں میں ہونی چاہیے۔ لیکن فوجی انتظام اگر اسی اصول پر قائم رہا تو محنت کے گھنٹوں کا کم کرنا ممکن نہیں۔ اس بات کے حاصل کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہو کہ فوجی اخراجات میں کمی کی جائے۔ بحری اور برسی فوج کے مصارف کے واسطے جو ٹیکس دینا پڑتا ہو اُس کی وجہ سے اس بات کی ضرورت ہو کہ یورپ کا ہر زن و مرد معمولاً محنت کر سکتا ہو اُس سے کم از کم ایک گھنٹہ اور محنت کرے۔ حقیقت میں اہل یورپ دین صیوسی کے پابند نہیں ہیں بلکہ وہ لڑائی کے دیوتا کی پرستش کرتے ہیں۔ فوس ہم لڑائی کو نہیں روک سکتے۔ لیکن کم سے کم اتنا ضرور کر سکتے ہیں کہ صلح کے پہلے کو بھاری کر دیں۔ اور اس بات کی کوشش کریں کہ دوسرے قوموں سے دوستانہ برتاؤ قائم رہے۔ اور ان کے ساتھ خلق و مرد

اور انصاف و فیاضی سے پیش آدین۔

اکثر ملکوں کے لوگ محض بیوقوفی سے صرف اس بنا پر کہ دیگر قومیں غیر ملک کی رہنے والی ہیں اُن سے لڑائی کی کوشش کرتے ہیں۔ کوچر کہتا ہو ”صرف اتنی بات پر کہ کوئی سلسلہ کوہ درمیان میں حائل ہو ایک قوم دوسری قوم کی دشمن ہو جاتی ہو لیکن اگر یہ پہاڑ درمیان میں نہ ہوتے تو اُن کا خون مل کر گیگناخت کا رنگ پیدا کرتا۔

لیکن ان سے بھی زیادہ خراب وہ دیواریں جن کو ایک قوم دوسری قوم کے درمیان خود ہی حائل کر لیا کرتی ہو مثلاً مختلف قسم کے فرائض و رسوم۔ اور سب سے بدتر روک بے بنیاد تعصب اور عداوت ہو جس کی وجہ سے ایک قوم دوسری قوم کو نقصان پہونچانے کی ہمیشہ تدبیریں کیا کرتی ہو۔

یہی تعصب اور عداوت جو عموماً قوموں کے درمیان میں پیدا ہوا کرتے ہیں بعض اوقات ایک ہی سلطنت کے اندر دو فرقہ کے مابین بھی پائے جاتے ہیں۔ کسی قوت کا بیجا استعمال کوئی دلیل نہیں ہو بلکہ یہ محض ایک کمزوری کی علامت ہو چارے لیے مبارک وہ دن ہو گا جب ہم لوگوں کا برتاؤ عام اس سے کہ ایک ہی سلطنت کے دو فریقوں میں ہو یا دو جدا جدا قوموں کے درمیان ہو اس طرح کا ہو جائے جیسا کہ وینسٹر کہتا ہو ”وہ لڑائی کی دھکی دی جائے۔ اور نہ دھکیون کی طرح ہم اپنے اُس بھائی کے ساتھ جس نے چارے ساتھ بڑائی کی ہو بدلا لینے کو تیار

ہوں بلکہ بعض اس کے ہم اپنے بھائیوں کو یہ طرز عمل بتلا دیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت کریں اور عزت سے پیش آویں۔“

بعض اوقات کہا جاتا ہو کہ انقلابات بغیر خونریزی کے نہیں ہوتی لیکن بڑے بڑے انقلابات دنیا میں دلیل کے ذریعے سے ہوئے ہیں نہ تلواریں کے ذریعے سے۔ اور جن موقعوں پر تلواروں سے کام لیا گیا ہو وہاں بھی صاحب قلم نے صاحب شمشیر پر فتح پائی ہو یا درکھو کہ خیالات سنگینوں سے زیادہ قومی ہوا کرتے ہیں۔

ہر گ کہتا ہو ”کسی شہر کا کوئی متوطن اگر اپنا فرض اچھی طرح اور عقل مندی کے ساتھ ادا کرنا چاہتا ہو تو اُس کے لیے ضروری ہو کہ اپنے دماغ کی تربیت اچھی طرح کرے۔ اور نہایت ہی کمال و نجنگی کے ساتھ اُن فیاضانہ اور ایمان دارانہ جذبات کی پرورش کرے جنہیں قدرت نے ہمارے خمیر میں ڈال دیا ہو اور وہ باتیں جو ہمارے گھریلو زندگی میں پسندیدہ اور ہر دل عزیز ہیں انہیں کا استعمال عام لوگوں کے ساتھ ہی کیا کرے۔ اس طرح وطن کا دوست بنے اور یہ نہ بھول جائے کہ میں شریف آدمی ہوں۔“

وہ زندگی جس کو عام شہری اغراض سے طلاق ہو ایک فوت اور محنت کا عہدہ ہو اور جو شخص بہرہ دینے کی باری کے وقت سوچاے یا دشمنوں کی طرف چلا جائے وہ اپنا فرض نہیں ادا کرتا۔ انسان کو اپنے فرض کے ادا کرنے کا خیال اپنے حقوق حاصل کرنے کے خیال سے

زیادہ ہونا چاہیے۔

لارڈ بولن بروک نے ایک مضمون میں جو اُس نے حمیت توی کے جو سن پر لکھا تھا سقراط کے قول کو یوں نقل کیا ہو کہ ”کوئی شخص کسی حقیر سے حقیر پیشے کو جب تک اُس کے متعلق کچھ سیکھ نہ لے نہیں اختیار کرتا ہو۔ لیکن سب سے مشکل پیشہ یعنی گورنمنٹ کی خدمت کے قابل ہر شخص اپنے آپ کو بہت جلد تصور کر لیتا ہو“، یہ بات اُس حکیم نے اپنے یونان کے تجربے سے کہی تھی۔ لیکن اگر اب وہ برطانیہ میں رہتا ہوتا تو بھی وہ اپنی اس رائے کو واپس نہ لیتا۔

ہمارے سامنے بہت سے مختلف ضروری مسائل پیش ہیں۔ ہم سب اپنی اولاد کے تربیت دینے کی کوشش میں مصروف ہیں لیکن شاید کوئی شخص نہ کہہ سکے گا کہ ہمارا طریقہ تعلیم۔ اب تکمیل کو پہنچ گیا ہو وہ جھگڑا جو سرمایہ اور محنت کے درمیان میں ہو رہا ہو اُس سے ہماری تجارت کو فائدہ کتنی کی نوبت آگئی ہو۔ اور ہماری دستکار یون میں بہت پیچیدگیوں پیدا ہو گئی ہیں۔ اور اگر یہ جھگڑا یونہی قائم رہا تو مزدوروں کی ضرورت کم ہو جائے گی۔ اور اُس کے نتیجے میں ضرور ہو کہ مزدوری میں سُستی بھی ہو جائے۔ ابھی ہم کو بڑے بڑے شہروں کے حفظِ صحت کے واسطے بہت کچھ کرنا ہو اور سائنس میں ہم نے صرف ابھی الف بے شروع کی ہو۔

ترقی کے مسئلے کے علاوہ ہمیں اپنی روزمرہ کی زندگی کے واسطے بھی

بہت سی محنت کی ضرورت ہو۔ پارلیمنٹ کے مشورے۔ مہمات وطنی قوانین
محتاجان کے انتظامات وغیرہ حقیقت میں ملک کے عام معاملات ہیں۔
ان میں بھی خبرداری اور ہوشیاری کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنے کہ
ہمیں اپنے شخصی اور انفرادی کاموں میں اُنکی ضرورت ہو۔ یہ بات خواہ
عقل مند سی کی سمجھی جائے یا بے وقوفی کی لیکن اس میں شک نہیں کہ عام
لوگوں کا میلان طبیعت زیادہ تر اُنھیں امور کی طرف ہو جو عام قومی انتظامات
سے علاقہ رکھتے ہیں دوسری بات یہ ہو کہ غریب بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمارے
ملک میں دیگر ممالک یورپ کی طرح سوشیالزم اور باغیانہ جماعتوں کا
زور نہیں ہو۔ اس لیے کہ ہمارے یہاں خیرات خانے ہیں۔ امیرون کو
غریبوں کے ساتھ ہمدردی ہو محتاجوں کے حسب حال قوانین ہیں۔ اور
تجارت آزاد ہو۔ جو چیزیں کہ ایسے جذبات کو روکے ہوئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ گرم جوشی ہی سے دنیا کے تمام کاروبار چلتے
ہیں لیکن یہ خیال کر کے کس قدر صدمہ ہوتا ہو کہ فضول تجربوں میں کتنا
روپیہ اور کس قدر وقت غارت کیا گیا۔ اور جن تجربوں میں بار بار ناکامی
ہوئی وہ اُن سے بھی بدتر ہیں۔ کیونکہ اُن سے جن لوگوں کو فائدہ پہونچا
کی غرض تھی اُنھیں نقصان پہونچا۔ یہ بات لوگوں کے ذہن میں اچھی
طرح نہیں آئی ہو کہ غریب آدمیوں کے واسطے کام کرنے میں صرف
داغ ہی کی ضرورت نہیں بلکہ نیک نیتی کی بھی حاجت ہو۔

ضرورت صرف روپیہ ہی سے متعلق نہیں ہو۔ ایک بہت بڑی

مستند خاتون مسماة مس سول کا قول ہو کہ ”یہ ظاہر یہ بات بعید از عقل معلوم ہو گئی (لیکن مجھے یقین ہو کہ درست ہو) کہ ہمسایہ جس قدر غریب ہو اُسی قدر اُس کے واسطے روپیہ صرف کرنے کی کم ضرورت ہوتی ہو۔“ خیال اور محبت نقدی رقم سے زیادہ کام کر جاتے ہیں وہ لوگ جو اپنا وقت دیتے ہیں حقیقت میں وہ روپے سے زیادہ قیمتی رقم دیتے ہیں اس میں شک نہیں کہ گرم جوشی اور روپیہ اگر تعلیم اور تجربے کے بغیر ہوں تو اُس سے بجائے فائدہ کے زیادہ نقصان پہنچ جاتا ہو۔ کیونکہ جو کام بالکل نہ کیا جاوے تو اُس میں اتنا اندیشہ نہیں ہو جتنا کہ اُس کے خراب طریقے سے کرنے میں ہو کہ نہ ایک عیب و نہ کردن صد عیب۔

روپے کے دینے سے امید۔ توانائی اور جرأت کا دنیا کمین زیادہ افضل ہو۔ مدد دینے کا سب سے عمدہ طریقہ یہ نہیں ہو کہ تم لوگوں کی تکلیفوں کو خود اپنے اوپر اڑھ لو۔ بلکہ عمدہ طریقہ یہ ہو کہ تم لوگوں میں ایسی قوت اور ہمت پیدا کر دو کہ وہ اپنے بار کو خود ہی برداشت کر لیں اور مہمات زندگی سے نہایت ہمت و استقلال کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لائق ہو جائیں۔ واقعی دوسروں کو مدد دینا کوئی آسان کام نہیں ہو اس میں روشن دماغی۔ برائے سلیم اور جوش دل کی ضرورت ہو۔

ہم جب مدد دیتے ہوں تو ہمیں اُس وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ جن کو مدد دینی ہو اُن کی خود مختاری کو ضرر نہ پہنچائیں۔ پہلی مشکل جو ہمیں مدد دیتے وقت پیش آتی ہو یہ ہو کہ جن کو مدد دی جاتی ہو

اُن میں کام کرنے کی عادت کم ہو جاتی ہو اور خود مختاری کا زعم بھی اُن کے دل سے جاتا رہتا ہو۔ تمام لوگ جو اپنے کام میں دوسروں پر بھروسہ کرتے ہیں اُن میں اُن کے مثل ہو جاتے ہیں جو درخت کے اوپر پیدا ہو کر درختوں کو بھی ضائع کر دیتے ہیں۔ لہذا یہ بات ضروری ہو کہ جہاں تک ممکن ہو تم لوگوں کو محض روٹی نہ دو بلکہ اُن کو اس قابل کر دو کہ وہ خود کما سکیں۔ خود اُن کو مدد نہ دو بلکہ ایسی تدبیر کرو کہ وہ خود اپنے آپ کو مدد دے سکیں۔ ہم کو اپنے دل سے ہمیشہ یہ سوال کرنا چاہیے کہ ہم انسان کی ذمہ داریوں کو مٹا رہے ہیں یا اُن میں اُن کی برداشت کرنے کی قوت پیدا کر رہے ہیں۔ دنیا کی حالت کچھ ایسی پیچیدہ واقع ہوئی ہو کہ ہمیں بغیر اپنے ہمسایے کے احسان مند ہوئے چارہ ہی نہیں لیکن ہر شخص کی کوشش یہی رہنی چاہیے کہ خود اپنے باؤں سے کھڑا ہو۔

ہم کو یہ امید نہ کرنی چاہیے کہ دوسرے لوگ بھی ہمارے خیال سے اتفاق کریں۔ ہمارا کام صرف یہ ہو کہ اُن کو اس طرح مدد دیں کہ وہ اس بات کو جو اُن کے فائدے کی ہو اچھی طرح سمجھ جائیں۔ اور اُن کو نہایت دلائل کہ اپنی ذاتی ترقی کرنے میں مدد پائیں بعض اوقات لوگ بُرے طریقے سے روپے کو خیرات کر دیتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو فضول خرچ ہوتے ہیں اور تکلیف اٹھانے سے بچنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ کسی کو ہم دردمی کے خیال سے نہیں دیتے بلکہ اُن کے دل میں یہ خیال ہوتا ہو

کہ کون تکلیف اٹھائے۔ ہم کو بہ نسبت اپنا کام کرنے کے لوگوں کا کام کرنے میں زیادہ مسرت ہونی چاہیے تھی۔ دوسرے کے واسطے ذرا سا کام کہنا بھی متبرک ہو جاتا ہو۔

تمھارا کام چاہیے وہ کتنا ہی حقیر ہو اُسے دل و جان سے کرو۔
 سرٹی موور کہتا ہو ”جو کام تم اپنے ذمے لو اُسے دل و جان سے کرو۔
 اور اُس کے پورا کرنے اور اچھی طرح انجام دینے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھو۔ اگر تم ویسا نہ کر سکو جیسا کرنا چاہتے ہو تو خیر اتنا ہی کرو کہ جو بڑا بیان اُس کام میں رسم و رواج کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں اُن کو دفع کر دو اور اس میں بھی تم کو عام نفع رسانی کا خیال دل سے نہ نکال ڈالنا چاہیے۔ تمھارا یہ کام نہ ہونا چاہیے کہ محض اس خیال سے کہ تم ہوا پر حکومت نہیں کر سکتے اور اُس کے تیز جھونکوں کا روکنا امکان سے باہر ہو جہاز کو طوفان میں چھوڑ دو۔ جان تک بنے کوشش اور محنت کرو۔
 اور کام کو عقل مندی اور ہوشیاری کے ساتھ انجام دو اگر اُس کو اچھا نہیں بنا سکتے تو خیر اتنی ہی کوشش سہی کہ وہ زیادہ خراب نہ ہونے پائے۔ کیونکہ ہر ایک کام کا اچھا ہو جانا ممکن ہی نہیں جب تک تمام لوگ نیک نہ ہو جائیں۔ جس کی ہونے کو ایک زمانہ چاہیے۔“

جس قدر زیادہ لوگ اپنے فرائض کے ادا کرنے میں جلدی شروع کریں گے اُسی قدر زیادہ ہم اُس زمانے کو جلدی پالیوین گے جب کہ تمام لوگ نیک ہوں گے۔ ہم اُس سچی مسرت کا اندازہ نہیں کر سکتے جو ہمیں

اُس وقت حاصل ہوگی جب ہر ایک شخص اپنے فرض ادا کرنے کی کوشش میں مشغول ہوگا۔

سی اے میسن کہتا ہو: ہم سب لوگ ایسے نامور بہادر نہیں ہو سکتے کہ ہمارے جرات اور مردانگی کے کارناموں کا شہرہ نصف کرہ زمین میں پھیل جائے۔ لیکن یہ سب کے امکان میں ہو کہ اپنے زمانہ زندگی میں محبت اور سچائی کے ساتھ کام کریں۔ دنیا میں ہر شریف روح کے واسطے کوئی نہ کوئی شریفانہ کام کرنے کو ضرور موجود ہو۔

انگلش میں ہونا بہت بڑے فخر کی بات ہو۔ کیونکہ کسی اور ملک میں اتنی شخصی آزادی نہیں ہو جتنی کہ یہاں ہو۔ قانون کے نگاہ میں سب برابر ہیں۔ ہر شخص جب تک اُس کا کوئی گناہ ثابت نہ ہو جائے معصوم خیال کیا جاتا ہو۔ ایک شخص سے اُسی جرم کے بابت دوبارہ باز پرس نہیں ہوتی بمقدامات کی پیش پبلک کے سامنے ہوا کرتی ہو۔ اور ملزم کا اپنے الزام لگانے والوں سے دو بد وسا منا ہوتا ہو۔ کوئی شخص اپنے مقدمے کا خود ہی منصف نہیں قرار دیا جاتا۔ اور کوئی شخص بھی قانون کو خود اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔

انھوں وجہ سے چاہے کیسے ہی مصارف اور کیسے ہی خطرات ہوں ہمارا مبارک فرض ہو کہ اپنے ملک کی خدمت کریں۔ سمرانج گلبرٹ کہتا ہو: وہ شخص ہرگز زندہ رہنے کے قابل نہیں ہو جو خطرہ یا موت کے خیال سے اپنے ملک یا اپنی عزت کے بچانے سے مُنہ چراتا ہو۔ کیونکہ موت

تو ایک نہ ایک دن ضرور آئے گی مگر نیکی کی شہرت غیر فانی ہوگا

اپنے ملک کی خدمت میں ہمارے لیے بہت ہی کم خطرے کا مقام ہو کر رہتا ہو۔ اُس کی خدمت ہم سے صرف اتنا مانگتی ہو کہ اپنا کچھ آرام اور کچھ وقت اُس کی نذر کر دیں۔ بعض اوقات اپنے تئیں کام اور خدمات میں مشغول کریں اور گو کہ یہ کام بعض وقت تکلیف دہ معلوم ہوتا ہو مگر اس قسم کا کام کرنا کچھ کم ضروری نہیں ہوتا۔

ضروریات قومی۔ کمیٹی۔ جلسہ۔ اسپیش۔ انتخاب۔ اور اضلاع کی کونسل وغیرہ کوئی تعجب انگیز چیز نہیں ہیں یہ نہ خیال کو جکا چونکہ ہمیں ڈالتے ہیں۔ نہ ان سے خون میں جوش پیدا ہوتا ہو۔ لیکن خاموشی کے ساتھ ایک ووٹ دے دینا ایسا ہی ہو جیسا کہ لڑائی میں دشمن پر ایک وار کرنا۔ بلکہ اُس سے (بوجہ اس کے کہ خون ریزی نہیں ہوتی) زیادہ قابل قدر ہو۔ ووٹ دینا ہمارا ایک حق نہیں بلکہ ایک فرض ہو۔ اور اپنے تئیں ووٹ دینے کے لیے تیار کرنا بھی فرض ہو۔ قوم کی خدمت کے واسطے جس قدر کام بغیر کچھ صرف کیے ہوئے ہوا ہو نہایت ہی تعجب چیز ہو اور مدت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

لارڈ بسکین کہتا ہو کہ کسی شخص کی زندگی کی یہ غایت ہونا کہ محض اپنے واسطے دولت جمع کرے قابلِ تعریف نہیں ہو سکتا، مکان۔ کھانا اور کپڑا ہی ضروری اشیاء نہیں ہیں۔ اور نہ ان کی حد سے زیادہ ضرورت ہو۔

دوسرے کے واسطے کام کرنے کو اگر خود غرضی کی نگاہ سے دیکھا جائے تو بھی یہ معلوم ہوگا کہ جو وقت اس کام میں صرف ہوا وہ ضائع نہیں ہوا کیونکہ آرنلڈ کہتا ہے اپنے ہمسایے کی محبت۔ کام کرنے کی نیت۔ مدد دینا۔ سخاوت کرنا۔ انسان کو غلطیوں سے روکنے کی خواہش۔ انسانی پیچیدگیوں کو سلجھانا۔ انسانی تکالیف کو کم کرنا۔ اور اس بات کی خواہش کہ ہم نے اس دنیا کو جیسا پایا ہو اُس سے بہتر بنا کر چھوڑیں یہ سب ایسی باتیں ہیں جن سے معاشرت کو فائدہ پہونچتا ہو اور ان سے صرف دوسروں ہی کو مسرت نہیں حاصل ہوتی بلکہ خود ہماری ذات کو بھی بہت کچھ فائدہ پہونچتا ہو۔

بشپ ٹلمر کہتا ہے ”دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بہت ایسی برکتیں جو عام ہیں مثلاً اطمینان۔ غلہ کی کثرت۔ مداوار صحت۔ وہ موسم وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اپنے ہجسنوں کی خیر خواہی کا خیال ہم میں فائدہ عامہ کا بھی خیال پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ جتنا ہمیں دوسروں کا خیال ہوتا ہوتا ہوتا ہی ہم اُن کے فوائد خوشیوں۔ غموں کو اپنی ہی فوائد اپنی ہی خوشیاں اور اپنے ہی غم سمجھتے ہیں۔ خود اپنی محبت سے انسان کے دل میں اپنے ہی بھلائی کا خیال پیدا ہوا کرتا ہو۔ لیکن اپنے ہمسایے کے ساتھ محبت کرنا ہم کو یہ بات سکھاتا ہو کہ اپنے تئیں اُن کے واسطے فائدہ مند بنا دیں اور اُن کی خوشیوں میں شریک ہوں۔ لہذا خیر خواہی کا اصول جو ہمارے دل میں موجود ہو ہمیں اس بات کی رغبت دلاتا ہو کہ اپنے پڑوسیوں کے فائدے کو ہم مثل اپنے ہی فائدے کے خیال کریں۔“

جس وقت کو ہم پبلک کے کام میں صرف کرتے ہیں وہ ضایع نہیں ہوتا وہ خود ہی اپنا بھل لاتا ہو۔ گولڈ اسمتھ کہتا ہے ”جو مسرت نیکی کرنے سے پیدا ہوتی ہو اُس کو حاصل کرو۔“

بارس فال کہتا ہے ”دو آزمائش کے موقعوں پر سب سے بڑی بات یہ ہو کہ اپنا تھوڑا ذاتی فائدہ دوسروں کے بہت سے فائدے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔“

اگر سب لوگ خواہش کریں تو وہ سب بہادر اور ملک کے بھی خواہ کے لقب سے یاد کیے جانے کے لائق ہو سکتے ہیں۔ اپنی انہیں صرف یہ چاہیے کہ اپنے ہمجنسوں کے ساتھ بھلائی کرنے میں کچھ حصہ لے لیں اور اتنی مدد دیں کہ وہ زیادہ تندرست۔ زیادہ خوش اور زیادہ اچھی زندگی بسر کر سکیں۔

بس صرف اُسی کام کے کرنے سے تم اس قابل ہو جاؤ گے کہ مندرجہ ذیل سوال کا قابل اطمینان جواب دے سکو جسے کبھی نہ کبھی تم اپنے دل سے ضرور پوچھو گے۔ کہ شروع جوانی سے متوسط عمر تک تم نے سچائی اور راستبازی کے واسطے کیا کیا؟ اور تم نے خدا اور انسان کے واسطے کیا کیا؟

دوستوں کو کبھی شکایت کا موقع نہ دینا چاہیے وہ کتنی ہی چھوٹی بات کیوں نہ ہو۔

اگر موت تجھ کو اور تیرے دوست کو علحدہ کر دے تو بھی اُس عالم میں اُس سے

ملنے کی اُمید باقی ہو۔ یہ خیال گو کہ ہمیں پوری طرح سے تسلی نہیں دے سکتا ہو لیکن بقول کعبیل کے ”یہ خیال کرنا کہ جو دوست ہم سے اس دنیا میں ہر سال جدا ہوتے رہتے ہیں ہشت میں جمع ہوتے جاتے ہیں اور ہم پھر اُنہیں دیکھیں گے اچھا معلوم ہوتا ہے“

سب سے زیادہ ضروری معاملہ اس دنیا میں شادی کرنا ہو۔ محبت کی نگاہ میں سب چیزیں بھلی ہی نظر آتی ہیں۔ وَعَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِمَةٌ۔ ایلے راجہ تم مجنون باید دید عشق ہر جگہ موجود ہو۔ اور تمام عالم میں اُسی کا ظور ہو۔ یہ عشق ہی ہو جو ایک کلمے کو نہایت خوبصورت تلی بنا دیتا ہو۔ اُسی کی برکت ہو کہ موسم بہار میں برون کا رنگ خوب نکھر کے چمک اُٹھتا ہو۔ اسی کا جوش ہو جو طائروں کو طرح طرح کے نغموں پر آمادہ کرتا ہو۔ اور یہ اسی کی کرامت ہو جو شاعروں کی طبیعت کو نظم کے لیے موزون کر دیا کرتی ہو۔ اس جادو کا اثر غیر ذی روح چیزوں پر بھی ہوا کرتا ہو۔ پھولوں کو مختلف رنگ اسی کے دربار سے ملتے ہیں۔

سیمون سٹیز کہتا ہے ”اچھی بی بی ملنے سے بڑھ کے کوئی رحمت نہیں ہو سکتی اور بُری جروسے سخت تر کوئی غضب آہی نہیں ہو سکتا“

سخت بارش کے دن کی لگاتار جھڑی اور لڑا کا عورت دونوں یکساں ہیں۔ کوٹھے پر ایک کونے میں پڑا رہنا جھگڑالو عورت کے ساتھ وسیع مکان میں رہنے سے کمین بہتر ہے۔

بی بی کے انتخاب کے بابت کوئی صلاح دینا آسان بات نہیں ہو۔ لیکن

بعض اُمور ایسے ہیں جو اظہر من الشمس ہیں۔ زیادہ کم سنی میں شادی کرنا اچھا نہیں ہے۔ سرائیچ ٹیلر کہتا ہے دو کم سنوں کی باہم شادی ایسی ہے جیسے مٹر کے دو دانوں کو ایک دوسرے کے سہارے پر اٹکا کے ٹھہرا دینا۔ نہ تو روپیہ کے واسطے شادی کرو اور نہ بغیر روپیہ کے شادی کرو۔ جو لوگ روپیہ کے لہو شادی کرتے ہیں وہ حقیقت میں اپنے تئیں روپیہ سے کم قیمت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ روپیہ کے لیے وہ اپنی قناعت اور راحت کا خیال چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن جب وہ اُس روپیہ کو اور اپنے رنجون کو گنتے ہیں تو اُس وقت اُن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کوئی ہم سے یہ سب روپیہ لی لے اور وہ اگلی قناعت و راحت کی زندگی جسے ہم نے اس روپے پر بیچ ڈالا ہے ہمیں واپس کر دے۔“

یہ گمان نہ کرو کہ جس طرح تم اب زندگی بسر کر رہے ہو شادی کے بعد بھی بسر کر سکو گے۔ اور تمھاری حسین۔ سادی۔ خوش مزاج اور اچھے دل والی بی بی کا تمھارے اوپر کچھ بار نہ ہوگا۔ اور جب تم کام کرتے کرتے تنھک جاؤ گے تو وہ تمھارے پاس آکر تمھاری فکر و ن کو دور کر دے گی۔ یا جبکہ اُس کا کام نہ ہوگا وہ خلل انداز ہوگی۔ یہ باتیں محض خام خیالی ہیں۔“

جرمی ٹیلر کہتا ہے کہ ”مہو مرنے شوہر کے فرائض کے بہت سے نام رکھے ہیں۔ منجملہ اُن کے وہ کہتا ہے دو کہ تجھ کو اپنی بی بی کا باپ۔ مان اور بھائی ہونا چاہیے۔“ اور واقعی یہ بات بہت ہی سچ ہے کیونکہ ایسا نہ ہوتا تو شادی ہونا اور یتیم ہونا یکساں ہوتا۔ تمھاری بی بی جو تمھارے واسطے اپنے باپ

ان اور بھائی کو چھوڑ دیتی ہو یا تو وہ یتیم بچے کی طرح تکلیف میں رہیگی۔ اور
یا وہ اُن سب کو بلکہ اُن سے کچھ زیادہ باتوں کو تم میں پائے گی۔

اگر اس میں تم کو کچھ بھی شک ہو تو ہرگز شادی نہ کرو۔ شادی یا تو بہت
خوشی ہی دیا کرتی ہو یا بہت ہی تکلیف دہ ہو ا کرتی ہو۔

شادی ایک بڑی ذمہ داری ہو۔ محض آنکھوں ہی پر بھروسہ نہ کرو
اور اُن کی دھوکے میں نہ آ جاؤ کیونکہ جریمی ٹیلر کہتا ہو ”شادی کا انعقاد
بذریعہ ہاتھ اور آنکھ کے نہ ہونا چاہیے بلکہ اس میں عقل اور دل سے کام
لایا جانا چاہیے“

اچھی بی بی نہ صرف دنیاوی باتوں میں مدد دیتی ہو بلکہ اُس سے
دماغی باتوں میں بھی مدد ملتی ہو۔

شیکسپیر کہتا ہو؟ کمینہ آدمی بھی کسی پر عاشق ہوتا ہو تو اُس وقت
اس میں بھی کچھ شرافت ضرور پیدا ہو جاتی ہو جو اُس کی طبیعت میں تھی
ہی نہیں۔ اور جب کمینوں کی یہ حالت ہو جاتی ہو تو پھر اُن لوگوں کا کیا
کہنا جن میں شرافت پہلے ہی سے موجود ہو!

اگر شادی سے ہمیں خوشی حاصل ہوئی ہو تو اُس خوشی کو الفاظ کے
ذریعے سے ظاہر کرنا ہمارے امکان سے باہر ہو۔ زن و شوہر ساتھ ہی دعا
مانگتے ہیں ساتھ ہی عبادت کرتے ہیں اور ساتھ ہی وہ روزہ رکھتے ہیں۔
خوشی اور رنج و راحت و تکلیف میں باہم ایک دوسرے کے مونس ہوا کرتے

عہ اگر یوں میں رواج ہو کہ عقد نکاح کے وقت مرد و عورت کا ہاتھ بکڑتا ہو۔

ہیں۔ ایک دوسرے سے کوئی امر پوشیدہ نہیں رکھتے اور نہ ایک دوسرے کے لیے بار خاطر ہوتے ہیں۔ خدا کو ایسے حال میں دیکھنے سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ایسی ہی جگہ وہ اپنی برکت نازل کرتا ہے۔ زن و شوہر جہاں باہم محبت سے رہتے ہیں وہاں وہ بھی ہوتا ہے اور جہاں وہ موجود ہے وہاں برائی قدم نہیں رکھ سکتی ۛ

جب تمھاری شادی ہوتی ہے تو تم ان الفاظ کو کہتے ہو ”میں شادی کرتا ہوں۔ اس میں چاہے اچھائی ہو یا بُرائی۔ غریبی ہو یا امیری۔ بیماری ہو یا تندرستی اور میں ہمیشہ اُس وقت تک محبت کرتا رہوں گا جبکہ موت ہم دونوں کو جدا کرے گی ۛ

اسٹینلی کہتا ہے ”شادی کا ہونا زندگی کا از سر نو شروع ہونا ہے۔ یہ ایک بڑا موقع اس بات کا ہے کہ ہم اپنی تمام گزشتہ زمانے کی بےوقوفیوں غلطیوں اور قصور و نواقص کو ہمیشہ کے واسطے چھوڑ دیں۔ اور نئی امیدوں نئی ہمت۔ اور نئی طاقت کے ساتھ آئندہ کے واسطے سرگرمی سے میدان زندگی میں قدم بڑھا دیں۔ وہ گھر جس میں خوشی ہے بہشت کے مانند ہے۔ وہ مکان جہاں زن و شوہر۔ باپ اور ماں۔ بھائی اور بہن لڑکے اور والدین اپنے اپنے طریقے پر سب ایک دوسرے کو اس طرح مدد دیتے ہیں کہ کوئی دوسرا نہیں دے سکتا (کیونکہ اور لوگوں کو ایسا موقع ہی نہیں مل سکتا۔ اور نہ غیر لوگ مزاج کو اس طرح جانتے ہیں اور نہ کسی دوسرے شخص کا فائدہ اس طرح معرض خطر میں ہے کہ ایک کی بھلائی

سے دوسرے کی بھلائی ہو یا ایک کی شہرت۔ اور عزت و حرمت سے دوسرے کی شہرت اور عزت و حرمت وابستہ ہو جیسا کہ اُن لوگوں کی جو ایک ہی گوشت پوست کے ہیں۔ ہم کو اُن کی خوشی سے خوشی اُن کے رنج سے رنج ہوتا ہو۔ ہم کو اُن کی خود غرضی۔ کمزوری۔ اور بُرائی سے ذلت ہو ا کرتی ہو اور اُن کی عمدگی نیکی اور شرافت سے ہم کو خوشی اور عزت حاصل ہوتی ہو۔ ہم اپنا فرض ادا کرنے لگتے ہیں۔ اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔

لڑکوں کا ہونا بھی بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ مگر اس ذمہ داری میں ہم کو خوشی بھی بہت حاصل ہوا کرتی ہے۔ اکثر اُن کو لوگ فرشتہ کہتے ہیں۔ اور بعض نا عاقبت اندیش والدین یہ کہا کرتے ہیں کہ ”اگر خدا نے سُخّہ بنایا ہو تو وہ اُس کے بھرنے کے واسطے بھی کچھ نہ کچھ ضرور بھیجے گا“ لیکن میتھیو آرنلڈ کہتا ہے ”اگر تم مناسب طریقے سے نہیں رکھ سکتے اور معمولی آرام نہیں دے سکتے تو تمہیں دنیا میں غریب چھوٹے بچوں کے پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے“ اُن کو محبت کی دھوپ میں بڑھنے دو۔ اگر اُن کا زمانہ طفولیت محبت کی گرمی میں گذرا ہو تو وہ آئندہ زندگی کی سرد مری کو اچھی طرح برداشت کر لیں گے۔

جرمی ٹیلر کہتا ہے سوائے اُس آدمی کے جو اپنے بچوں سے محبت کرتا ہو اور کوئی اس بات کو نہیں بتلا سکتا کہ جب وہ ان ننھے ننھے

بچوں سے باتیں کرتا ہو تو اُن کی باتوں سے اُس کا دل مارے خوشی کے کس قدر بخود ہو جاتا ہو۔ اُن کا بچپن۔ اُن کا تُلانا۔ اُن کی خفگی اُن کی معصومی۔ اُن کی ضرورتیں اُس شخص کے واسطے جو اُن کی صحبت سے خوش ہوتا ہو سرچشمہ مسرت و راحت ہوا کرتی ہیں لیکن وہ شخص جو اپنے بی بی بچوں سے محبت نہیں کرنا وہ ایک شیرنی کو مکان میں پالتا ہو اور رنجوں کے اندون کو بچہ نکالنے کے لیے سستیا ہو ایسے شخص کو کبھی مسرت نہیں حاصل ہو سکتی۔ کیونکہ خدا نے جو یہ حکم دیا ہو کہ ”ابنی بی بی سے محبت کرو“ تو اس واسطے دیا ہو کہ اُس کے بغیر ہم کو راحت اور آرام میسر ہی نہیں ہو سکتا۔

بارہوان باب

اخلاقی زندگی

بے شک ہمارے واسطے یہ نہایت فخر کی بات ہو کہ ایک انگریز کا مکان اُس کے واسطے ایک قلعہ ہو لیکن اُسے کچھ اس سے بھی بڑھ کے ہونا چاہیے۔ یعنی مکان کو گھر ہونا چاہیے انسان کے حق میں مکان کا ایک قلعہ ہونا اُس کا قانونی حق ہو لیکن مکان کو گھر بنانا ہر ایک شخص کی ذات پر منحصر ہو۔

وہ کون سی چیز ہو جو مکان کو گھر بنا دیتی ہو؟ وہ محبت۔ ہمدردی اور اعتبار ہو۔ بچپن کی یادگارین والدین کی شفقت۔ جوانی کی اُمیدیں۔ بہنوں

کی محبت۔ بھائیوں کی ہمدردی و اعانت۔ ایک دوسرے پر اعتبار نفع نقصان۔ اور بے رنج و راحت میں شریک رہنا یہ ایسی باتیں ہیں جو مکان کو متبرک اور گھر بنا دیتی ہیں۔ وہ مکان جس میں محبت نہیں ایک قلعہ یا محسوس ہو سکتا ہو لیکن گھر نہیں ہو سکتا۔ گھر کی اصلی جان محبت ہے جس مکان میں محبت نہیں وہ گھر نہیں ہو جیسے کہ جسم بغیر روح کے آدمی نہیں ہے جس شخص کا دل خوش ہو اُس کے واسطے ہر جگہ دعوت کا سامان موجود ہے۔ اگر انسان کے پاس تھوڑا سرمایہ ہو اور اُسے خدا کا ڈر ہو تو یہ زیادہ دولت مندی اور تسکلیف سے کمین بہتر ہو۔ جہاں محبت ہو وہاں ساگ کا کھانا اُس جگہ مرغ کے کباب کھانے سے کمین بہتر ہو جہاں نفرت ہو۔ لقمہ خشک اور اطمینان بہ نسبت اُس گھر کے جہاں فتنہ و فساد موجود ہو بدرجہا اچھا ہے۔

ہم جو مکان کی قدر کرتے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ وہ ہمیں امیر و اور رئیسوں کے دستِ ظلم سے پناہ دیتا ہو بلکہ اس لیے کہ وہ ہم کو افکار و ترددات سے بچاتا ہو۔ مکان مثل ایک بندرگاہ کے ہو جو ہمیں اُن امواج اور طوفانوں سے بچاتا ہو جو ہمیں اس زندگی کے بحری سفر میں پیش آتے ہیں۔

آدمی چاہے کتنا ہی خوشحال ہو لیکن یہ طوفان اُسے ایک نہ ایک دن ضرور پیش آئے گا۔ اور اُسے صرف دولت مندی سے خوشی اور دلچسپی نہیں نصیب ہو سکتی۔

انسان تنہا رہنے کے واسطے نہیں بنایا گیا ہو۔ جسے کہ جب وہ باغون
میں بٹھاتا بھی اکیلا نہ تھا۔ اُس کا دل مکان میں ہونا چاہیے لیکن
ہاں یہ ہونا چاہیے کہ وہ کام کاج باہر کرے۔ ہم نہ صرف سوسائٹی کے
واسطے پیدا کیے گئے ہیں اور نہ صرف تنہا رہنے کے لیے۔ دونوں باتیں
اچھی ہیں بلکہ میں یہ کہوں گا کہ دونوں ضروری ہیں۔

باغ قدرت کی خوبصورتیاں بے شک دوا می خوشیاں ہیں۔ مگر بیچ
یہ ہو کہ سوچ کی شغائیں جب تک دل میں مسرت نہ ہو بالکل بیکار ہیں
محبت ادب اور دلسوزی کے خیالات ہم میں خاندانی زندگی ہی سے
پیدا ہوتے ہیں۔ خاندانی زندگی تہذیب کا سرچشمہ اور اُس کی بنیاد ہو
خاندان ہی عمدہ ترین باتوں کے سکھانے کا اسکول ہو۔ وہی ہمارے
دلوں میں عمدہ عمدہ جذبات اور نیکی کرنے کی خواہشیں پیدا کر دیتا ہو۔
اور فرشتے بھی سوا اس کے کہ دوسروں کے دل میں مسرت پیدا کر دینا
اور کیا کر سکتے ہیں؟

چاہے تمہارا مکان کیسا ہی سادہ۔ بد نما۔ سرد۔ اور غیر فرحت بخش
ہو لیکن تم کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہی تمہارا گھر ہے۔ اور تم کو اپنا
معرض ادا کرنے سے کبھی باز نہ رہنا چاہیے۔ یاد رکھو کہ تمہیں جتنی
زیادہ مشکلیں پیش آئیں گی اتنا ہی زیادہ تم کو اُس کا ثمرہ ملے گا۔
آزیت دے رحمی کو صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرنا سخت کام
کرنے سے کہیں زیادہ دشوار ہو۔ بیچ یہ ہو کہ یہ بات روپیہ دینے۔ وقت

صرف کرنے۔ اور محنت سنا کر آنے سے بدرجہا زیادہ مشکل ہے۔

اس دنیا میں ایسے لوگ شاذ و نادر ہی ہوں گے جنہیں دوسروں کو ناخوش کرنا اچھا معلوم ہوتا ہو۔ اور وہ اتنے کم ہیں کہ غالباً ان باتوں کو جو میں لکھ رہا ہوں نہ پڑھیں گے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہو کہ لوگ ایک دوسرے کو جان بوجھ کر تکلیف پہنچاتے ہوں۔ جو بات کہ زیادہ ہوتی ہے یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی کم توجہی اور ناقابلیت کی وجہ سے تکلیف پہنچ جاتا کرتی ہے۔ تم کو چاہیے کہ ہر شخص سے نہایت خندہ پیشانی۔ نرم زبانی اور مہربانی سے پیش آؤ۔ صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے کہ جو لوگ ہمیں عزیز ہیں اُن سے ہم فقط محبت کیا کریں۔ بلکہ اُن پر اس بات کو ظاہر کر دینا بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن سے محبت کرتے ہیں۔ ہم میں بہت ایسے لوگ موجود ہیں جو اُن لوگوں کو جنہیں بہت عزیز رکھتے ہیں۔ اور اُنہیں مدد دینے کو بھی تیار ہیں صرف اپنی نادانی۔ بے فکری اور رائے سلیم نہ رکھنے کی وجہ سے اُن کی دل شکنی کر دیتے ہیں۔

اس بات کا سب لوگوں نے تجربہ کر لیا ہو گا کہ ہمیں تسلی کے الفاظ سے کس قدر تقویت اور مدد ملتی ہے۔

لارڈ چیپٹر فیلڈ کا قول ہو ”میں نے اس بات کو اکثر سوچا ہے اور اب بھی سوچتا ہوں کہ اس فن کو کہ کس طرح محبت کرنی چاہیے اور کس طرح نفرت کرنی چاہیے انسان بمقابل اور فنون اور باتوں کے بہت ہی کم جانتا ہے۔ لوگوں کا معمول ہے کہ اکثر لوگوں کو جن سے محبت ہوتی ہے

اپنی بیجا عنایت۔ نادانی۔ اور اُن کی غلطیوں کی پاس داری کرنے سے ضرر پہونچا دیتے ہیں۔ اور جن سے نفرت ہوتی ہو ان پر بے وجہ ویجا غیظ و غضب کر کے خود اپنی ذات کو نقصان پہونچا لیا کرتے ہیں۔ گو کہ ہم اپنے دوستوں میں رہتے رہتے ہیں مگر بھر بھی ہم تنہا رہا کرتے ہیں۔ جین پال رکٹر کہتا ہے ہم لوگ گویا علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اور جدا جدا انسان جزیرون پر رہتے ہیں۔ اپنی ہڈیوں کے قید خانے میں بند ہیں اور اپنی کھال کے پردے کے اندر ہیں۔

ہم اپنے دوستوں یا عزیزوں کو کس قدر کم جانتے ہیں۔ باوجود ایک ہی خاندان سے تعلق ہونے کے لوگ علیحدہ علیحدہ ہوا کرتے ہیں۔ ہر ایک کے دماغ کی حرکت جدا گانہ ہوا کرتی ہو۔ اور ایک دماغ کی حرکت دوسرے دماغ کی حرکت کے مقابل میں خطوط متواتری کا حکم رکھتی ہو جو کبھی مل ہی نہیں سکتے۔ اور اُن کو ایک دوسرے کے ساتھ لگاؤ ہی نہیں ہوتا۔ کیبل کہتا ہے ”نہ کسی حلیم دل کو اور نہ ہمارے کسی عزیز قریب کو اس بات کا آدھا بھی علم ہوا کرتا ہو کہ ہم کیوں روئے اور کیوں سنسے۔“

ہم موسم فصل۔ جدید ناول۔ حالات سلطنت۔ تندرستی اور اپنے ہمسایوں کے نقصانوں اور عیوب کے متعلق گفتگو کیا کرتے ہیں مگر اصل حقیقت یہ ہو کہ جو چیز جتنی زیادہ حقیر و غیر ضروری ہو اُتنا ہی اُس کا ذکر زیادہ ہوا کرتا ہو۔ اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہو جو لوگ جس چیز کو بہت کم جانتے

ہیں وہی اُس پر بہت زیادہ بحث کیا کرتے ہیں۔

بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ گفتگو کرنا بھی ایک بڑا فن ہے ایک خاندان میں نیچا نگیت قائم رہنے اور کسی شخص کو کسی کے ساتھ سچی ہمدردی کرنے کے واسطے صرف الفت اور نیک نیتی ہی کی ضرورت نہیں بلکہ بہت بڑی ضرورت اس بات کی ہو کہ ایک شخص اپنے خیالات کو دوسرے پر ظاہر کرے اور اُس کے خیالات کو اپنے اوپر ظاہر کر لے۔ اگر اور لوگوں کی باتیں تم کو خوش نہیں کرتیں تو تم یہ کوشش ہی نہ کرو کہ وہ تمہاری باتوں سے محفوظ ہوں۔

اکثر لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے دل میں آتا ہو ہم اُسے فوراً صاف کہہ دیا کرتے ہیں اور پوشیدہ نہیں رکھتے۔ اور بے شک ہر شخص کو سچ اور صاف کہنا چاہیے۔ لیکن گفتگو بھی مثل اور تمام چیزوں کے ہو۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اُس میں کچھ دلچسپی پیدا کریں تو اس کے واسطے ہمیں تھوڑی تکلیف گوارا کرنی چاہیے۔

ہم اپنے گھر کو مسرت بخش بنانے کے واسطے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ حتماً مور کہتا ہو: ”اگر ہماری قسمت میں یہ نہیں لکھا ہو کہ ہم آدمیوں کو اپنی دولت سے مالدار کر دیں یا اُن میں قوت پیدا کر دیں۔ یا اُن کو تندرستی کے زلیور سے آراستہ کر دیں تو کوئی مضائقہ نہیں اس لیے کہ خدا نے اس بات کی قوت ہر شخص کو عطا فرمائی ہو کہ انسان کو آرام پہنچاؤ نیز یہ ہمارے امکان میں ہو کہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ محبت

محبت کریں۔ اور بغیر کسی خوشامدانه خیال کے یا بغیر اس بات کا خیال کیے کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ ایک بد مزاج آدمی جتنی تکلیف اپنی ذات کو پہنچاتا ہو اتنی اور کوئی شخص نہیں پہنچا سکتا۔ جیسا کہ پوپ نے کہا ہو، اُس کا کام ہر وقت یہی ہو کہ دوسروں کو ستائے اور خود بھی دوسروں کے ہاتھ سے ستایا جائے۔ اُسے صرف ناراض ہی ہوتے رہنے میں لطف آیا کرتا ہو، اور چونکہ وہ کبھی خوش نہیں ہوتا لہذا اُسے مسرت بھی کبھی نہیں حاصل ہوتی لیکن اس میں شک نہیں کہ اُس سے دوسروں کو تکلیف ضرور پہنچتی ہو۔ دوسروں کو خوش کرنے کے واسطے ہم کو اپنی خواہشوں کا کچھ زیادہ خون نہیں کرنا پڑتا مگر اتنا ضرور ہو کہ اس کے لیے صرف اچھے ارادے ہی کافی نہیں ہیں۔ اس بارہ خاص میں قابلیت تعلیم اور عمل کی ضرورت ہو۔ کسی کام کے کرنے کے لیے عام اس سے کہ وہ اچھا ہو یا بُرا عمل نہایت ہی ضروری ہو۔

مہربانی اور ہمدردی کا برتاؤ کرنے سے عجیب و غریب باتیں پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ ایک پُرانی مثل ہو کہ ”اور قرینے آدمی کو انسان بنا دیا کرتے ہیں“ اس بات کے سچ ہونے میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے لوگ صرف اپنے روش اور طرز معاشرت سے آدمی ہو گئے اور بہت سے اس کے نہ ہونے کی بدولت تباہ ہوئے۔ جس وقت

وزیر اعظم اپنی کونسل کے واسطے لوگوں کو منتخب کرتا ہے تو وہ صرف عقل-شیریں کلامی-لیاقت یا چال چلن ہی کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ لوگوں کے اس قرینے کو بھی غور کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ وہ اور لوگوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کریں گے۔

رُکھائی اخلاقی طاقت میں نہیں داخل ہو بلکہ بعض اوقات اُلٹی کمزوری کی علامت ہے شکیسپیئر نے مارک انٹونی کی زبان سے بروٹس کے بابت یوں کہلایا ہے کہ ”اُس کی زندگی نہایت ہی حلیم اور بردبار تھی۔ اور اُس میں غناصر کا ایسا تناسب واقع ہوا تھا کہ نیچر اُس کو ساری دنیا کے سامنے پیش کر کے یہ کہہ سکتا تھا کہ دیکھو یہ آدمی ہے“

سراج میکس ول کہتا ہے بہت لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ لفظ ساز اور نا سازی کا تعلق صرف باجے کے تاروں ہی سے ہے۔ مگر حقیقت میں ان لفظوں کے اور معنی بھی ہیں۔ یعنی دل کی موافقت یا نا موافقت“

اگر تمہیں اس بات کی ضرورت ہی پڑے کہ عیب بینی کرو تو تمہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ الفاظ جنہیں تم استعمال کرو بہت نرم ہوں۔ خاصۃً لڑکوں کی نسبت۔ کیونکہ چین پال رکٹر کہتا ہے ”بچے کا چھوٹا منڈولا بہ نسبت جوان آدمی کے ستاروں دار آسمان کے جلدی تاریک ہو جایا کرتا ہے۔ ریونیس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ زبان کی

ایک ہی حرکت سے تہتے ہوئے بچے کو رولا دیتا تھا۔ اس زندگی میں ہم سب ایسا کر سکتے ہیں۔ مہنسا دینے یا رولا دینے کو ایک ہی لفظ کافی ہے۔ **لیننگ** فورڈ کہتا ہے سب حالتوں میں نرمی کے ساتھ بولو یہ ایک ذرا سی بات ہے جو دل کے گہرے کنوئین میں جاتی ہے۔ لیکن اس کا اثر اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس سے جو نفع یا خوشی حاصل ہوتی ہے وہ ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

تنہائی میں الزام دینا اور عام لوگوں کے سامنے تعریف کرنا بہت ہی اچھا قاعدہ ہے۔ کیونکہ اگر تم کسی کو الگ لے جا کے سمجھاؤ گے تو اس کا اثر بہت ہوگا۔ اور اُس شخص کو یقین ہو جائے گا کہ ہمارے بھائی کے واسطے کہا گیا ہے۔ اور عام لوگوں کے سامنے تعریف کرنے سے اُس میں اپنے تئیں اور زیادہ اچھا بنانے کی خواہش پیدا ہوگی اور اس کا ثمرہ اچھا ہوگا۔

ان سب باتوں کے علاوہ اگر تم کسی کو الزام دینا چاہتے ہو یا اُس کا نقص نکالنا چاہتے ہو تو بہت سنجیدگی کے ساتھ کہو اور ایسا معلوم ہو کہ گویا تم کو اُس بات کا بہت رنج ہے۔ اور جان تک ممکن ہو غصہ اور ناراضی نہ ظاہر کرو۔ ارکیلا س نے اپنے غلام سے کہا تھا "اگر مجھے غصہ نہ ہوتا تو میں تجھے ضرور سزا دیتا۔"

موت تھوڑے ہی زمانے میں سب کو برابر کر دے گی۔ لہذا اس بات کا خیال رکھو اور ہر ایک شخص کے ساتھ خلق سے پیش آؤ

جیسا کہ شریف آدمی کے شایان ہو۔

جہاں تک ہو سکے دوست کو کبھی غصہ یا برہمی کی حالت میں نہ چھوڑو
اس بات کو خوب یاد رکھو کہ شاید پھر تم اُس سے نہ مل سکو اور وہ
تم سے ناراض ہی رہ جاوے۔

بعض الفاظ سوچ کی کرنوں کی طرح مسرت بخش ہو ا کرتے ہیں اور
بعض باتیں نوک دار تیر یا افنی کے زہر کی ایسی ہوتی ہیں۔ حضرت
علیؑ کا قول ہو جراحات السنان لما التیام + وما یلتام ما جح اللسان +
(نیزے کے زخم بھرا یا کرتے ہیں مگر زبان کے زخم نہیں بھرتے۔ اُن سے
ناسور پڑ جاتا ہو۔) درشت الفاظ اگر ایسا اثر کرتے ہیں تو اس بات کا
اندازہ تم خود کر سکتے ہو کہ نرم الفاظ سے کس قدر مسرت حاصل
ہو سکتی ہو۔

جارج ہربرٹ کا قول ہو ”اچھے الفاظ استعمال کرنے میں
کچھ خرچ نہیں ہوتا گو کہ وہ بہت ہی بیش بہا ہو ا کرتے ہیں“ ایک
شاعر کہتا ہو ”تیر جو قصد کسی نشانے پر نہیں لگا یا جاتا اکثر اوقات
ایسے نشانے پر پہنچ جاتا ہو جدھر پھینکنے کا تیر انداز نے ذرا بھی
قصد نہیں کیا تھا اسی طرح وہ الفاظ جو بغیر سوچے سمجھے کہ دیے
جایا کرتے ہیں کبھی تو اُن سے کوئی شکستہ دل تسلی پا جاتا ہو اور
کبھی وہ نمک بر جراحت ہو جاتا ہو“

یہ بھی کچھ ضروری نہیں ہو کہ آپ ہمیشہ الفاظ ہی سے کام لیجیے۔

مشہور ہو کہ جب بطرس حواری نے حضرت عیسیٰ کے ماتنے سے انکار کیا تو جناب مسیح نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر صرف اُس کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ اُس وقت خاموشی کے ساتھ وہ ملامت کی نظر ہی کافی تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ بطرس باہر چلا گیا اور زار زار رونے لگا۔

جس طرح ایک نظر سے سخت ریخ پہنچ سکتا ہے اُسی طرح ایک ہی عنایت کی نظر دل کو بے حد خوشی دینے کے لیے بھی کافی ہو جب ہم کسی سے زیادہ مدت تک جُدا رہتے ہیں تو اُس کے ملنے کی گھڑیوں کو ہم کس قدر خوشی کے ساتھ گنتے ہیں۔ صبح کے وقت کی ایک نظر تبسم آمیز ہم کو تمام دن خوش رکھ سکتی ہے۔

حد سے زیادہ کھینچے ہوئے نہ رہو۔ اور اپنی محبت ظاہر کرنے سے نہ ڈرو اگر تمہارے برتاؤ سے نہ ظاہر ہو۔ تو صرف محبت کرنا کافی نہیں ہو گرم جو سن۔ حلیم اور مہراگین رہو ہمدردی سے آدمی کو بہت زیادہ مدد ملتی ہے۔ محبت روپیہ سے زیادہ بیش قیمت ہے۔ اور مہربانی کے الفاظ ایک قیمتی تحفے سے زیادہ خوشی دیا کرتے ہیں۔ لوگوں نے بنجامن وسٹ سے پوچھا کہ تم مصور کیونکر ہو گئے تو اُس نے جواب دیا ”یہ میری مان کا بوسہ تھا جس نے مجھے ایسا بنا دیا“ کنفیو شیس کہتا ہے ”جو شخص فرائض خانہ داری اچھی طرح ادا کرتا ہو اُسے کہیں باہر جا کے قربانی چڑھانے کی کچھ ضرورت نہیں“

دوستوں کے انتخاب کرنے میں بہت ہوشیاری سے کام لو۔ کیونکہ بقول سیروکے یہ سب سے زیادہ بیش بہا اور عمدہ چیزیں ہیں۔ حاج ہر برٹ کہتا ہے: ”اچھی صحبت میں بیٹھو تو تم بھی اچھے ہو جاؤ گے“ اسپین کی مثل ہے ”مجھے یہ بتا دو کہ تم کن لوگوں میں بیٹھتے بیٹھتے ہو پھر میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے ہو“ وہ شخص جو خود اپنے ہی واسطے اچھا دوست نہیں ہو دوسروں کے واسطے بھی اچھا دوست نہ ہوگا۔ ڈن ہم نے ایک نظم کا ترجمہ اس طرح پر کیا ہے ”دوستوں کا اچھا انتخاب ہو جانا نہایت ہی عمدہ بات ہے۔ اس سے ہماری خوشیاں دوئی ہو جاتی ہیں اور ہمارا رنج آدھا رہ جایا کرتا ہے عقلندی کے ساتھ عورتوں سے دوستی پیدا کرنا بھی ویسا ہی ضروری ہے۔ جیسا کہ مردوں سے حضرت سلیمان کے وقت سے لے کر آج تک تجربہ کرنے بہت سے عقل مند آدمیوں کو تباہ کیا ہے۔

ملی کہتا ہے ”دوستی زندگی کا زیور ہے“ وہ شخص جس کا کوئی دوست نہ ہو سب سے زیادہ رحم کے قابل ہے۔ کیونکہ یہ خود اُسی کا قصور ہے اور خود کردہ راجعہ ہے۔ لائنگ فیلو کہتا ہے ”تضاؤ قدر نے کسی کو بھی ایسا بد نصیب نہیں پیدا کیا ہے کہ اُس کا کوئی مونس و غمگسار نہ ہو چاہے خود اُس کو اس بات کا علم نہ ہو کہ میرا کوئی ہم درد موجود ہے۔“

بلا شک یہ کوئی ضروری بات نہیں ہے کہ ہم سب تنہا اور اکیلے

رہیں جیسا کہ کیبل نے کہا ہو ”ہر ایک شخص اپنے ہی رنج یا خوشی کے کمرہ میں پوشیدہ ہو۔ ہماری زاہد روحین علحدہ علحدہ رہتی ہیں۔ اور جیسی ہمارے دل کی حالت ہو اگر تھی ہو ویسا ہی ہماری آنکھوں کو چاروں طرف خوشی یا رنج کے رنگ نظر آیا کرتے ہیں“ اس میں شک نہیں کہ یہ بات اچھی ہو کہ ہم جب جاہل تو سب سے الگ ہو جاویں کیونکہ یہ بہت مشکل ہو کہ تم اپنے ایسے ہمسایے سے محبت کرو جس سے تم کبھی جدا ہی نہیں ہو سکتے۔

ضرور ہو کہ کبھی نہ کبھی تم کو شکایت کا بھی موقع ہو گا۔ ایسی حالت میں ضبط کرو اور عقل مندی سے کام لو۔ اُس بات کو اپنی نہیں اپنے دوست کی آنکھوں سے دیکھو۔ کوئی کام جلدی سے نہ کر بیٹھو۔ دیکھو نیچر کبھی تعجیل نہیں کرتا۔ پرانی کہاوت ہو کہ ”بہت جلدی چلنا رفتار کو گھٹا دیتا ہو“ سب سے ضروری یہ بات ہو کہ جلدی میں آکر جھگڑا نہ کرو۔ اُسے خوب سوچ لو۔ اور تھوڑا انتظار کرو۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہو کہ رات کے وقت آپ سکتے ہی رنجیدہ ہوں لیکن صبح کو کچھ دوسری ہی حالت نظر آتی ہو۔

اگر تم نے کسی کو نقصان پہونچانے کے واسطے کوئی خط نہایت ہوشیاری سے اور خوب موقبہ طور پر لکھا ہو تو اس کی روانگی کو دوسرے روز پر موقوف رکھو اس صورت میں اکثر ایسا ہی ہو گا کہ تم اُس کو نہ بھیجو گے۔

حقے الامکان اپنے لیے عمدہ سے عمدہ دوستوں کا انتخاب کرو
 کیونکہ ایک خراب دوست دوست کے نہ ہونے سے کہیں زیادہ بدتر
 شریر لوگوں کی روش نہ اختیار کرو۔ اور خراب آدمیوں کے طریقے
 پر نہ چلو۔ اُس سے پرہیز کرو۔ اُدھر سے نہ گزرو۔ اُس راہ سے اپنا
 منہ پھیر لو۔ اور الگ ہی الگ چلے جاؤ کیونکہ اُن لوگوں کو بغیر بُرائی
 کیے نیند نہیں آتی۔ اور جب تک وہ کسی کو ضرر نہ پہونچا لیں اُن کی
 نیند اُچٹ اُچٹ جاتی ہو بد معاشرتی اُن کی معاش ہو اور ظلم اُن کی شراب
 ہو۔ لیکن نیک آدمیوں کا راستہ نہایت ہی صاف اور روشن ہو۔

اور جو جو دن روشن ہوتا جاتا ہو وہ اور زیادہ چمکتا جاتا ہو۔
 اگرچہ بیوقوفوں اور بد معاشوں سے دوستی کرنا بُری غلطی ہو مگر اُن کو
 اپنا دشمن بنالینا بھی دانائی کے خلاف ہو۔ کیونکہ ایسے لوگ دنیا میں
 بہت ہیں۔

لیمپ نے مذاقاً کہا ہو دیکھئے اُن لوگوں کو عزیز بنا دیتے ہیں جو
 نہیں موجود ہیں۔ لیکن مہربانی۔ حلم اور ہمدردی اس سے بھی زیادہ
 کام کر سکتی ہو۔

تمہارے دوستوں کا یہ حق ہو کہ جس قدر تم اُنہیں آسانی سے
 دے سکو اُسے لے لیں۔ لیکن اُن کو تم سے عاریتہ مانگنے کا استحقاق
 نہیں حاصل ہو نہ قرض و نہ قرض لو۔ کیونکہ شکسپیر کہتا ہو کہ اکثر
 قرض دینے سے دوہرا نقصان ہو جاتا ہو۔ ایک تو وہ وصول نہیں

ہوتا۔ اور دوسرے یہ کہ قرض لینا کفایت شعاری میں گھن لگادیتا ہے۔
 حضرت سلیمان ہمیں متنبہ فرماتے ہیں کہ۔ ”جو اجنبی لوگوں کی ضمانت
 کرتا ہے وہ دُکھ پائے گا۔ لیکن وہ جو ضمانت سے متفرق ہے ایسے صدقات سے
 مصون و مامون رہے گا“

اجاب تھیں بہت سے خطروں سے بچائیں گے اور بہتِ اَلام سے
 محفوظ رکھیں گے۔ اگسٹس کو جب اسکی بیٹی جو لیانا غیرت دلائی تو بولا
 ”اِن باتوں میں سے کچھ بھی نہ ہوتا اگر آج اگر پایا میکناں زندہ ہوتے“
 اور جب تم اچھے دوست پیدا کرو تو پھر اُن کو ہاتھ سے نہ کھوؤ۔
 شیکسپیر کہتا ہے وہ ہمارے اجاب جو سال بہ سال نظر سے غائب ہوتے
 جاتے ہیں اُن کی نسبت عقیدہ یہ تصور کر کے کہ جنت میں ہمارا ذخیرہ خوب
 بڑھ رہا ہے بڑی مسرت ہوتی ہے“

زندگی کا سب سے اہم کام شادی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے
 محبت نے سارے عالم کو خوش بنا دیا ہے اور اُس میں سرایت کیے ہوئے
 ہو۔ وہ ایک خاکی کلمے کو ترقی دے کے آسانی بتلی بنا دیتی ہے۔ موسم
 بہار میں پروں پر نقش و نگار بناتی ہے جلگہوں کے چراغ روشن کرتی ہے۔
 طہور کے نمون میں جوش پیدا کرتی۔ اور شاعر میں خیال آفرینی کی روح
 پھونکتی ہے۔ بلغ فطرت کے بے جان حصے تک پر یہ جادو چلتا نظر آتا ہے۔ کیونکہ
 پھولوں کے کھلنے میں اعلیٰ سے اعلیٰ بقولمونی کا کرشمہ نظر آتا ہے۔

سموئیڈیئر کا قول ہے ”انسان کے لیے نہ اچھی بی بی سے بڑی کوئی نعمت ہے

اور نہ برسی بی بی سے بڑی کوئی آفت کا مثل مشہور ہے کہ سخت بارش کے دن کی لگانا رچھڑی اور جھگڑاؤ عورت دونوں برابر ہیں۔ کسی مکان کے بدترین حصہ کے ایک کونے میں پڑا رہنا کسی شوریدہ سر عورت کے ساتھ ایک وسیع مکان میں رہنے سے بہتر ہے۔ اس بارے میں کہ کیسی عورت کو زوجیت کے لیے منتخب کیا جائے کوئی بہت قیمتی رائے دینا غالباً آسان نہ ہوگا۔ مگر ظاہر ہے کہ بعض باتوں کا لحاظ رکھنا لازمی ہے۔ بہت کم سنی میں شادی کر لینا مناسب نہیں ہے۔

سراپچ ٹیلر کہتے ہیں کہ دو بہت ہی نوعمر زن و مرد کا باہم نکاح ہونا ایسا ہی ہے جیسے ایک مٹر پر دوسرا خوش مزہ مٹر رکھ دیا جائے۔ شادی دولت کے لیے کرواؤرنہ بغیر دولت کے۔ وہ لوگ جو روپیہ کے لیے شادی کرتے ہیں ان کی نسبت جریمی ٹیلر کا خیال ہے کہ وہ اپنے آپ کو روپیہ سے بہت کم حیثیت ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ اپنی زندگی کی تمام خوشیوں اور مسرتوں کے مقابل وہ روپیہ کو بہت زیادہ قیمتی تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس روپیہ کو اور اپنے آلام کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کے گنیں گے تو وہ کس خوشی سے اُس روپیہ کو پھیر کر اپنی وہ زندگی واپس لینا چاہیں گے بے بیچ چکے ہیں۔

سراپچ ٹیلر کہتے ہیں ”یہ نہ خیال کرو کہ شادی کر کے تم اپنی تہا ز زندگی کو مع اتنے اضافے کے کہ ایک دوسری حسین۔ بھولی۔ عیش طلب۔ نازک مزاج عورت کے بنانے سنوارنے کی فکر بھی اپنے سر کو بسر کرے جاؤ گے جو کسی شخص کے سر پر کے یہ سہولت زندگی بسر کر سکتی ہے۔ جب تنہا اور

سخت افکار ستائیں پاس آجائے گی۔ اور جس گھڑی اُس کی ضرورت نہ ہو ہمیشہ الگ تھلگ رہے گی۔ ایسے خیالات محض اوہام ہیں اور صرف ہمارے عیش پرست نوجوانوں کا خواب و خیال ہے۔
 مذکورہ بالا امور میں ذرا بھی شک و شبہ ہو تو شادی نہ کرو۔ کتھالی یا تو بہت ہی بڑی سرت ہے یا بہت ہی بڑی مصیبت۔

شادی ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ آنکھوں سے بی بی کی صورت دیکھ لینے پر بھروسہ نہ کرو۔ اس لیے کہ بقول جریمہ ٹیلر کے بنیادیوں کا عہدہ بیان ہاتھوں اور آنکھوں سے نہیں بلکہ ضرورت کی بنیاد پر اور دلوں سے ہوتا ہے ؟

اچھی بی بی کا روبرو ہی نہیں ولی معاملات میں بھی ہمدردی معاون ہوا کرتی ہے۔ شیکسپیر کہتا ہے ”جذبات محبت جب فرومایہ لوگوں میں نمودار ہونے میں نواسوقت آن کے طبائع میں بھی ایسی شریف النفس پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کی سرشت سے باہر ہوتی ہے“ اور جب محبت فرومایہ لوگوں پر خوبی کا اتنا قوی اثر ڈالتی ہے تو وہ لوگ جن کی سرشت میں خود بھی شرافت موجود ہے اُس سے کس قدر زیادہ متاثر ہوتے ہوں گے! کیونکہ کیل کہتا ہے ”دہرائی ہوئی امیدوں اور دوطرفہ محبت نے دنیا میں بعض ایسے نفوس پیدا کر رکھے ہیں جو عالم بالا کے رہنے والے معلوم ہوتے ہیں اور کہیں جاتے ہیں تو ایک بڑا طلسمی عمل اُن کے قدموں پر فدا ہوتا چلتا ہے“

جریمہ ٹیلر کہتا ہے ”شادی اپنے اصول کے لحاظ سے دو بانی۔ اپنے اتحاد

کے لحاظ سے مقدس۔ اپنی رازداری کے اعتبار سے پاک۔ اپنے ایجاب و قبول کے لحاظ سے شرعی۔ اپنے رسوم کے لحاظ سے محترم۔ اور اپنے علائق کے لحاظ سے دینی ہے۔ وہ انسانی تمدن کے لیے ایک ترقی ہے اور اُس سے عظمتِ آہی کا جلوہ ظاہر ہو رہا ہے۔

اگر شادی منجر بہ مسرت ہو تو اسکی نسبت ٹرٹولین کتا ہے وہم کیونکر ایسے الفاظ پائیں کہ اُس مسرت کو بیان کر سکیں؟ میان بی بی دونوں ایک ساتھ تاز پڑھتے ہیں۔ ایک ساتھ عبادت کرتے ہیں۔ ایک ساتھ روزے رکھتے ہیں۔ مشکلون میں مصیبتوں میں۔ اور ستانے میں سب باتوں میں ایک دوسرے کے انیس و ہدم رہتے ہیں۔ نہ کوئی کسی چیز کو دوسرے سے چھپاتا ہو۔ نہ کوئی کسی پر بار ہوتا ہے۔ خدا ایسی چیزوں کو دیکھ کے خوش ہوتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کے لیے اپنی رحمت بھیجتا ہے۔ جہاں دو ہیں وہاں تیسرا وہ ہوتا اور جہاں وہ جل جلالہ موجود ہے وہاں کوئی بُرا نہیں ہو سکتا۔

ہمارے مروجہ عقد نکاح کے وقت ان سنجیدہ اور خوبصورت الفاظ کے ذریعہ سے تم بی بی کو اپنی بی بی بناتے ہو سود مندی میں اور تباہی میں۔ دولت میں اور افلاس میں۔ بیماری میں اور تندرستی میں محبت اور پرورش کرونگا یہاں تک کہ موت جدا کر دے۔

اسٹینلی کتا ہے دوسرت بخش شادی زندگی کا از سر نو شروع ہوتا اور مسرور و کارگر آدمی بننے کے لیے نئی زندگی کے میدان میں قدم رکھتا ہو۔ وہ اس بات کا بہت بڑا موقع ہو کہ گذشتہ حالت کو مع اُسکی تمام لغویتوں و لغزشوں

اور غلطیوں کے ہمیشہ کے لیے بہت پیچھے چھوڑ دیا جائے۔ اور نئی امیدوں
 نئی جراتوں اور آئندہ کے نئے میدان میں جو اس موقع پر ہمارے سامنے کھل
 جاتا ہے قدم رکھا جائے۔ خوشی کا گھر جنت کا بہترین نمونہ ہے۔ وہ ایسا گھر ہو
 جس میں میان بی بی۔ باپ مان۔ بھائی بہن۔ بچے اور والدین۔ ہر ایک
 اپنے اپنے طریقے پر اس طرح ایک دوسرے کے مدد و معاون رہتے ہوں کہ
 کوئی مخلوق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اور کسی کو ایسے موقع نہیں حاصل ہیں۔
 کوئی غیر کسی کی حالت سے اس قدر واقف ہی نہیں۔ اور کسی کو ایسی دلچسپی
 بھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسکی وجہ سے خود اسکی فلاح معرض خطر میں نہیں ہوتی
 اور نہ کوئی غیر دیا ہو سکتا ہے جیسے وہ ہیں جن کی ہڈی سے ہڈی گوشت سے
 گوشت (اور خون سے خون) ملا ہوا ہے۔ جن کی مسرت و ترقی سے ہم خود
 مسرور ہوتے اور عروج حاصل کرتے ہیں۔ جن کی مصیبت سے ہم مصیبت
 زدہ ہوتے ہیں۔ جن کی نفسانیت کمزوری اور دنیا طلبی سے ہم خاک میں
 مل جاتے ہیں۔ اور جن کے خلوص شریف النفسی اور مضبوطی سے ہم گودل نہی
 چاہتا ہوا اپنا فرض ادا کرتے۔ اپنی عقبی سُدھارتے۔ اور اپنے خدا کو
 خوش کرتے ہیں۔

بچے ایک بڑی مسرت بخش ذمہ داری ہیں جن سے بڑی کوئی ذمہ داری
 نہیں ہو سکتی جی ہر مرط کتا ہے وہ ایک شائستہ مان سوانا دون کے
 برابر ہے لایچون کی نسبت بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ وہ انھیں خدا نے
 دیا ہے لا اور نادار والدین یہ کہہ کے بری الذمہ ہو جاتے ہیں کہ وہ خدا نے

پیٹ دیے ہیں تو اُن کے بھرنے کو رزق بھی دے گا، مگر میٹھا کرملہ نے ٹھیک
 راسے دی ہے کہ ”یہ الزام ہرگز سر سے نہیں اٹھ سکتا کہ غریب پھوٹے بچوں کو
 دنیا میں پیدا کرو اور اُن کو اچھی طرح پوری آرام و آسائش سے نہ رکھ سکو۔“
 انھیں محبت کی چاندنی میں نشوونما پانے دو۔ اگر اُن کو بچپن میں عیسائی گرمی نصیب
 رہی تو پھر وہ زندگی کی سرد مہربان کو بخوبی برداشت کرنے جائیں گے۔

جریمہ کی ٹیلر کا قول ہے کہ سوا اُس شخص کے جو اپنے بچوں سے محبت رکھتا ہو
 اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ اُن پیاری خدا کی امانتوں کی بیٹھی بیٹھی باتوں میں کس پر
 لطف ہیں جن میں انسان کا دل محو ہو جاتا ہو۔ اُس شخص کی نظر میں جسے
 اُن کے کھیلنے کو دینے میں مزہ آتا ہو اُن کا بچپن اُن کی نغز نشین۔ اُن کی
 برہم مزاجیان۔ اُن کی معصومی۔ اُن کی خامیاں۔ اُن کی ضرورتیں۔ اور اُن کی
 سب باتیں مسرت اور تسلی کے صد ہا سرچشمے ہیں۔ بلکہ وہ شخص جو اپنے بی بی
 بچوں سے محبت نہیں کرتا وہ خود اپنے گھر میں شیرنی کو پالتا اور الام کا آشنا نہ
 لگاتا ہے۔ رحمت الہی بھی اُسے شاد کام نہیں بنا سکتی۔ اس لیے کہ جملہ احکام الہی
 جو انسان کو اس بات کا پابند بنا رہے ہیں کہ وہ ”اپنی بی بی سے محبت کرے“
 اتنی ایک ضرورتوں اور خوشی کے تقاضوں کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

تیرھواں باب

محنت و مشقت

اپنی کوئی چیز ہرگز ضائع نہ کرو۔ اور سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھو

کہ وقت نہ ضائع ہونے پائے۔ آج کا دن صرف ایک بار آتا ہے اور پھر کبھی نہیں آتا۔ وقت عالم بالا کی اعلیٰ ترین رحمت ہے۔ اور جہاں ایک دفعہ کھو گیا پھر ہاتھ نہیں آتا ڈراما ٹن کا قول ہے در زمانہ گذشتہ پر آسمان کو بھی قدرت نہیں حاصل ہے کیونکہ جو ہوا وہ ہو گیا۔ اور میرا جو گھنٹہ جیسا تھا ویسا ہی رہ گیا۔

اس گھڑی اپنا وقت اس طرح نہ صرف کرو کہ بعد کو تمہیں اپنے اوپر نضرین کرنی پڑے لہذا اب تو وقت نکل گیا، اور در ممکن تھا کہ یون ہوتا، یا ایسے فقرے ہیں جن سے زیادہ دل خراش خیالات دنیا میں نہیں ہو سکتے وقت ایک دیست ہو۔ اور اس کے ہر ہر منٹ کا تمہیں حساب دنیا پڑے گا۔ نیند میں کفایت شعاری سے کام لو۔ غذا میں کفایت شعاری سے کام لو۔ مگر سب سے زیادہ کفایت شعاری وقت کے صرف کرنے میں اختیار کرو۔

مٹسن نے ایک بار کہا کہ ”میری زندگی کی ساری کامیابی اس کی بدولت ہیں کہ میں ہمیشہ ہر کام کے لیے اس کے معینہ وقت سے پاؤ گھنٹہ پہلے تیار ہو جایا کرتا تھا۔“

لارڈ ملبورن کا قول ہے ”اس کے سوا اور کوئی بات نوجوانوں کے گوش گزار نہیں ہو سکتی۔ اور وہ بات یہ ہے کہ تمہیں اپنے لئے خود ہی راستہ نکالنا ہے۔ اور یہ امر کہ تم ناکہ کرو گے یا اس سے بچو گے خود تمہاری کوششوں پر منحصر ہے۔“

علاوہ برین محنت و مشقت صرف کامیابی ہی کا عنصر نہیں ہیں بلکہ

انسان کی اخلاقی زندگی پر بھی اُن کا بہت ہی صحت بخش اثر پڑتا ہے۔
 جریمہ کی ٹیلر کتا ہے ”ہرگز کاہل نہ ہو۔ بلکہ اپنے وقت کی ساری جگہ کو
 سخت اور فائدہ مند حرفت سے بھر دے۔ کیونکہ جو وقت روح غیر مشغول
 ہوتی ہے اور جسم بیکار شہوت پرستی خالی جگہ پا کے بڑی آسانی سے اندر آجاتی
 ہے۔ سہل انکار تندرست اور کاہل آدمی اگر اُس کے لیے بدکاری کا سبب
 پیدا ہو گئے تو پھر وہ ہرگز پاکدامن نہیں رہ سکتا۔ مگر جسمانی مشقت تمام
 حرفوں سے زیادہ نفع بخش اور شیطان کے دُور کرنے کے لیے سب سے اچھی احوال ہے۔“
 کیمبل کے الفاظ میں ”وقت اور زمین حصول جنت وابدیت کے
 ذرائع ہیں۔ اور جیسا ہم اپنے لمحوں کو یہاں بنائیں گے ویسا ہی خدا اُس
 دوسرے عالم میں ہماری عمروں کو بنائے گا۔“

کچھ بھی کرنا چاہیں چاہو وہ کتنا ہی چھوٹا کام ہو اور دوسروں کو جس حالت
 میں وہ ہیں اُس سے زیادہ خوش یا اُس سے زیادہ بہتر بنانا وہ اعلیٰ ترین
 الوداعی اور بلند ترین امید ہے جو انسان کے دل میں پیدا ہو سکے۔
 پیٹر و میڈیسی کی نسبت کہتے ہیں کہ اُس نے ایک بار میکائیل اینجلو کے
 ذمہ یہ کام کیا کہ برف کو تراش کے ایک مورت بنائے۔ یہ ایک قیمتی وقت
 کا بیہودگی سے ضایع کرنا تھا۔ لیکن میکائیل اینجلو کا وقت اگر دنیا کے لیے
 قیمتی تھا تو ہمارا وقت ویسا ہی ہمارے لیے قیمتی ہے۔ مگر باوجود اس کے
 ہم اکثر اوقات اُسے برف کی مورتیں بنانے ہی میں ضایع کیے کرتے
 ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بُرا یہ ہے کہ ہم تو مٹی ہی کی مورتیں بناتے ہیں۔

رومیوں کا بڑا فلسفی اور مدبر سندھ کا کتا ہے وہ ہم سب کو وقت کی تنگی کی
 شکایت رہا کرتی ہے مگر باوجود اس کے ہمارے پاس اتنا وقت موجود ہے
 کہ یہی نہیں معلوم اُسے ہم کس کام میں لگائیں۔ ہماری زندگیاں یا تو محض بیکاری
 میں گزرتی ہیں۔ یا ایسے کام کرنے میں جن کا کچھ حاصل نہیں۔ یا اُن کاموں کے
 نہ کرنے میں جو ہمارے کرنے کے ہیں۔ ہم ہمیشہ شاکی رہتے ہیں کہ ہمیں چند ہی روز
 ملے ہیں مگر ہمارا طرز عمل ایسا ہے کہ گویا اُن کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔

یہ امر کہ وقت کی کفایت شعاری سے کیا کچھ کیا جاسکتا ہے حیرت انگیز ہے۔
 نجمیابانی کو عین اس وقت جبکہ وہ شاہ فارس کے تخت کے چھٹے اُس کے حکم کے قتل
 کھڑے تھے خدا کے تخت کے سامنے ایک مقبول نماز ادا کرنے کا موقع مل گیا۔
 اور گوہم اپنے وقت کو جس قدر اور جس عقلندی سے جس کام میں چاہیں
 صرف کر سکتے ہیں۔ لیکن اس پر بھی ہم میں کا خوش نصیبیت خوش نصیب شخصیت
 سے کام لے کیے ہوئے۔ بہت سی کتابیں بے پڑھی ہوئی۔ بہت سے اچھے منظرے
 دیکھے ہوئے۔ اور بہت سے ملک بے سیر کیے ہوئے چھوڑ جاتا ہے۔

زندگی کی کامیابی و مسرت کا عظیم الشان غنصر جسے میں بالنعیم عظیم الشان
 کہہ سکتا ہوں وہ کام ہے حسن میں دیانت داری اور استقلال ہو۔
 کا قول ہے کہ ”جس چیز کی ضرورت ہے وہ ابتداء بھی جرأت ہے دوبارہ بھی
 جرأت ہے۔ اور سہ بارہ بھی جرأت ہے“ اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے
 اوپر بھروسہ رکھنا مفید چیز ہے۔ لیکن اگر یوں کہا جاتا تو زیادہ صحیح ہوتا کہ جس
 چیز کی ضرورت ہے وہ ابتداء بھی استقلال ہے دوبارہ بھی استقلال ہے

اور سب بارہ بھی استقلال ہے۔ بے شک کام بھی اسی حد تک زندگی کی غرض ہے جس حد تک کہ کھیل ہے۔ مگر دونوں ایک ہی نتیجہ تک پہنچنے کے ذرائع ہیں کام اطمینان قلب کے لئے اسی قدر ضروری ہے جس قدر کہ صحت جسمانی کے لیے۔ پریشان خاطر کی ایک دن کارگزاری کے ایک ہفتہ سے زیادہ تھکانی والا ہے۔ پریشان خاطر کی ہمارے سارے نظام کو بگاڑ دیتی ہے۔ اور کام کرنا آتے درست اور منظم رکھتا ہے۔ جسمانی ورزش جسم کو تندرست رکھتی ہے۔ اور دماغی ورزش سے خاطر جمعی حاصل ہوتی ہے۔ جنین کو رٹ کتا ہے کہ شغل قلبی انسان اپنے لیے اطمینان قلب کو محفوظ کرے سکتا ہے۔

”مسلک کتا ہے“ ایک لڑکی کو کوئی سچا کام دے دو جو اسے صبح سویرے مشغول کر دے اور رات تک تھکا ڈالے۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ یاد کرادو کہ اس کے بنی نوع اس دن اپنی حالت میں رہے ہیں اس کی مشقت و مغفویت کا حقیقہ رنج و الم خود بخود ایک عظیم الشان چمک دمک اور مسرت آمیز اطمینان بن جائیگا۔ جو چاہو کرو مگر کچھ نہ کہیے جاؤ۔ چاہے وہ پارس پتھر کی جھجھکیا داسرہ کو مربع بنانے کی کوشش ہی ہو۔

ڈاکٹر جانسن کا قول ہے ”انفاق زمین کی بیبیاں ہیں اور واقعات آسمان کے بیٹے“ اور تم جو کچھ کرو دل سے کرو۔ اُس میں اپنا دل لگاؤ۔ اپنے تمام قوی کو نشو و نما دو۔ تمہارے لیے لازم ہے کہ یا تو انھیں کام ہی میں لاؤ۔ اور یا انھیں ضائع ہی کر دو۔ حضرت خرقیا کی نسبت ہم سنتے ہیں کہ ”انھوں نے جس کام کو شروع کیا پوری طرح دل لگا کے کیا اور سرخرو ہوئے“

گارنٹ نے لکھا ہے کہ ذہانت کی اگر کوئی سرگزشت بیان کی جاسکتی ہے تو وہ اسی قدر ہے کہ باوجود مزاحمتوں کے استقلال سے مشقت کرنا۔ چنانچہ بعض مستند از کیا ہماری تائید میں کہتے ہیں کہ ذہانت مشقت سے کچھ ذرا ہی بڑی ہوئی ہے۔ جارج ایلپیٹ کی سی خاتون اُن لوگوں کا مضحکہ اُڑاتی ہو جن کا خیال ہے کہ اُس نے الہامی تائید سے اپنے ناول تصنیف کیے۔ پیرسڈنٹ ڈوائٹ شرمیل کے لڑکوں سے کہا کرتے تھے کہ ”تو تسی ہی کا نام ذہانت ہے“

بہر حال در یوزہ گری کام کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ اور اگر مجموعی طور پر مقابلہ کیا جائے تو اُس سے محنت کا معتد بہ معاوضہ نہیں ملتا۔ علاوہ برین ہر شخص کو خود اپنے پاؤں سے کھڑا ہونا چاہیے۔ فرنیکلن کا قول ہے ”ایک ہر دایا جو اپنے پاؤں سے کھڑا ہو اُس شریف آدمی سے زیادہ ادبچاہے جو سواری پر زانو جائے ہوئے ہے“

کابٹ نے اپنی مشہور انگریزی کتاب نحو صرف کے تذکرے میں یہ لکھا ہے کہ ”میں نے نحو صرف کو اس وقت حاصل کیا جب میں چھ پنس یومیہ کا ایک معمولی سپاہی تھا۔ میرے بچھونے کی پٹی میری تعلیم گاہ تھی۔ میرا تو سردان میرا جزدان تھا۔ ایک تختہ کا ٹکڑا جو میرے زانوؤں پر رکھا رہتا میری لکھنے کی منیر تھا۔ اور اُس کام کے لیے سوا اپنی زندگی کے ایک سال کے بچے اور کوئی چیز صرف کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ شمع یا تیل خریدنے کے لیے میرے پاس پیسہ نہ تھا۔ جاڑوں کے موسم میں شاد و نادر

ہی کبھی ایسا اتفاق ہوا ہو گا کہ مجھے رات کو روشنی نصیب ہوئی ہو۔ سو اُس رات
 کے جو آتش دان میں روشن رہتی۔ اور اُس سے فائدہ اٹھانے کا بھی جب
 ہی موقع ملتا جب میری باری ہوتی۔ اُس خارِ دنگ (دھڑی) کو حقیر نہ
 خیال کرو جو مجھے آئے دن قلم دوات کاغذ کی خریداری میں صرف کرنا پڑتی۔
 افسوس وہ دھڑی میری نظر میں ایک بڑی دولت تھی۔ میں اُس زمانے
 میں بھی ویسا ہی لمبا تھا جیسا اب ہوں۔ میری صحت بہت اچھی تھی۔ اور
 خوب ورزش کرتا تھا۔ بازار میں لے دے کے ہفتہ میں ہم جس قدر رقم
 بچا سکتے اُس کی مقدار دوپٹس تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے اور الحمد للہ مجھے اپنے
 حافظہ کی شکایت نہیں کہ ایک جمعہ کو تمام ضروری مصارف کے پورے
 ہو چکنے کے بعد میں نے آدھی پنی بچا رکھی۔ اور ارادہ تھا کہ کل صبح کو ایک
 لال ہرنگ (ایک قسم کی چھوٹی بھلی) خریدوں گا۔ لیکن رات کو جب کپڑے
 اتارے تو کیا دیکھا ہوں کہ وہ آدھی پنی جیسے گر گئی۔ اس وقت میں اس
 قدر بھوکا تھا کہ جینا مشکل نظر آتا تھا۔ اس صدمے سے میں نے اپنے
 ندے میں منہ ڈھنک لیا اور بچوں کی طرح رونے لگا۔ اس کے بعد اب
 میں کتا ہوں کہ جب میں ایسے حالات میں اس کام (تعلیم) کے لیے
 قسمت سے لڑسکا اور غالب آیا تو دنیا میں کوئی ایسا نوجوان ہے یا ہو سکتا
 ہو جو اپنا کام نہ کرنے کی بابت کوئی عذر پیش کر سکے؟
 کا بٹ کے پاس روپیہ تو نہ تھا مگر وہ ہمت اور جرأت رکھتا تھا۔
 لیکن کتا ہے۔ بہت سے آدمی ایسے نظر آتے ہیں جو نہ اپنی دولت کو جانتے

ہیں اور نہ اپنی قوت کو۔ جو اپنی دولت کو نہیں جانتے اُن کا مورلی ہے کہ حیثیت اُن کی ہے اُس سے زیادہ حیثیت کے کام کر سکنے کا اُنھیں یقین ہوتا ہے۔ اور جو اپنی قوت کو نہیں جانتے وہ اذل الذکر لوگوں کے خلاف اپنی حیثیت سے بہت کم درجہ پر گرتے ہیں۔ اپنے اوپر بھروسہ کرنا اور اپنے سہارے پر قناعت کر کے دوسروں کی کفالت سے بچنا ایسی دو چیزیں ہیں جو انسان کو اس بات کی تعلیم دیتی ہیں کہ اپنے ہی حوض کا پانی پیے۔ اور اپنی ہی خوش ذائقہ روٹی کھائے۔ اور اپنی بسر اوقات کے لیے سچے اصول پر محنت کرے اور جو اچھی چیزیں اُس کے سپرد کی گئی ہیں اُن کو ہوشیاری سے فہم کرے۔ ایک مشرقی شغل ہے کہ ”محنت سے برکت ہے۔ اور غافل شیر سے ہوشیار گتتا بھلا“

اھرسن۔ لکھتا ہے ”فطرت انسان سے کہ رہی ہے کہ ہر گھڑی کام کر خواہ کچھ ملے یا نہ ملے۔ بس اس کا خیال رہے کہ تو کام کر رہا ہے رہا اس کا انعام تو اس سے تو اگر بھاگے بھی تو نہیں بچ سکتا۔ تیرا کام چاہے نازک ہو یا بھلا ہل جوتا ہو یا مضمون لکھنا۔ ہاں اتنا ہو کہ وہ ایمانداری کا کام ہو اور اُسے تو نے خاص اپنی پسند سے اختیار کیا ہو۔ اُس کا بدلہ تجھے اپنی سمجھ اور اپنے خیال کے مطابق ضرور ملے گا۔ کتنی ہی بارنا کامی ہو اُسکی پروا نہ کرو کیونکہ تم فحیاب ہونے ہی کے لیے پیدا ہوئے ہو۔ کسی چیز کے اچھی طرح کرنے کا انعام بس یہی ہے کہ اُسے کر چکے۔“

سروا لٹراسکاٹ کہتے ہیں کہ ”بڑے جادوگر میکسیلا سکاٹ کو

تجربہ ہوا کہ جس شیطان سے اُس کو تعلق تھا اُس کے پنجہ سے وہ اپنے آپ کو صحت
اس طرح بچا سکا کہ ہمیشہ کسی کام میں لگا رہتا۔ یہی امر ہم سب پر بھی صادق آتا ہے
وہ شیطان جو انسان کے اندر سے نکال دیا گیا تھا گھر خالی پا کے پٹلا پھر اندر آیا
اور سات اور شیطانوں کو بھی اپنے ساتھ لیتا آیا جو اس سے بدتر ہیں۔

کافی سستانہیں ہے۔ کیونکہ وہ کام سے بھی زیادہ تھکائے والی چیز ہو
رومیون میں شل مشور تھی کہ ”اگر تم کچھ کام نہیں کرتے تو پھر سستانہ دشوار ہے۔“
جلد بازی ہرگز نہ کرو۔ کیونکہ قدرت کبھی جلدی نہیں کرتی بسوئٹسٹر لینڈ
کا ایک رہبر ایک نو عمر ہارڈی شخص کو سب سے پہلے جو نصیحت کرتا ہے اور
جس کا وہ اکثر اعادہ کرتا رہتا ہے یہ ہے کہ ”انسان کو آہستہ چلنا چاہیے اور
سنبھل کے چلنا چاہیے“ یا یہ کہ ”نہ زیادہ نیز چلنے کی کوشش کرو اور نہ دیر
لگاؤ“ تاہم اب اور تب دم لے لیا کرو۔ طاقت ور بیل کو بھی اس کی ضرورت
پڑتی ہے۔ اور بیل کی کھدائی کی لمبی لکیر سے مسافت کا اندازہ ہوتا رہتا ہے
جس کے ختم ہوتے ہی ضرورت ہے کہ اُسے ذرا سستانے کا موقع دیا جاوے
اسی طرح زندگی میں بھی ترقی کا بڑا راز یہ ہے کہ کبھی جلدی نہ کرو۔ اور کبھی دیر
نہ لگاؤ۔ ایک مشرقی مثل ہے کہ ”جلدی کام شیطان کا۔ اور صبر سے عیش کا
دروازہ کھلتا ہے۔“

اکثر لوگوں کا یہ خیال نظر آتا ہے کہ عجلت کر کے وہ بہت سادقت
بچا لیں گے۔ مگر یہ بڑی بھاری غلطی ہے پھرتی سے چلنا بہتر ہے۔ مگر کسی
کام میں جلد بازی کے ساتھ گھس پڑنے کے بہ نسبت یہ بدرجہا بہتر ہے کہ آتے

عمرگی کے ساتھ انجام دیا جائے۔

قطع نظر اسکے خود کام کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اگر وہ بے قاعدگی سے وقتی جو شون سے۔ رہ رہ کے شروع کرنے سے اور عجلت کے ساتھ کیا گیا ہو تو بہت زیادہ تھکانے اور زیادہ محبت لینے والا ہوگا بمقابل اس کے کہ وہی کام آہستہ آہستہ۔ استقلال اور باقاعدگی سے بغیر عجلت اور گھبراہٹ کے کیا جائے تو بڑے آرام سے پورا ہو جائے گا۔ جلد بازی کام ہی کو نہیں بلکہ زندگی کو بھی غارت کر دیتی ہے۔

گوئیٹھ کا اصول زندگی تھا کہ ”بغیر عجلت و آرام کے کام کیے جاؤ“ اگرچہ ہم نے جو ”آرام“ کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے اس کا صحیح مضمون نہیں ادا ہوتا۔ چنانچہ وہ کتاب ہے ”جلدی نہ کرو۔ اور ایسا نہ کرو کہ بے توہی کام تمہارے جوش کی رفتار میں ہمیشہ کے لیے خلل ڈال دے۔ خوب سوچو۔ اور صحیح راستہ کو معلوم کرو۔ پھر آگے بڑھو۔ اور اپنی قوت کو پہچان جاؤ۔ عجلت نہ کرو۔ کیونکہ بے توہی کے ایک کام کے ضرور زمانہ سالہا سال میں بھی نہیں ٹاسکتا چین نہ لو۔ زندگی ٹکلی جاتی ہے۔ قبل اسکے کہ موت آئے جاؤ اور جرأت دکھاؤ۔ کوئی بڑا اور باعظمت کام زمانہ پر فوج حاصل کرنے کے لیے یادگار چھوڑ جاؤ۔ ان جسمانی تشکلات کے مٹ جانے کے بعد ابدی زندگی حاصل کرنا نہایت مبارک ہے۔“

لہذا سخت محنت کرو۔ مگر عجلت نہ ہو۔ نہ اس میں ہانپی کرو اور نہ پریشانی۔ مشرقی فلسفہ کا لٹن کہتے ہیں ”اپنے سفر میں آگے بڑھتے رہنے کی کوشش میں ہم تن مصروف رہو۔ اور نظر شوق دوڑا دوڑا کے منزل

مقصود کی طرف نہ دیکھو۔ حصول تہذیب کا خیال اچھا ہے مگر اس طرح نہیں کہ اُس وقت دشواریوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور طوفان بلا سے نجات پائے گا۔ بلکہ اس طرح کہ جیسے کسی بات پر افسوس کر رہے ہو اور اُس وقت ایک ہمت بالشان خوشگوار زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس طریقہ سے بغیر اس کے کہ خطر و ان سے زیادہ سابقہ پڑے تم خود بخود تعلقات بڑھاتے اور جس سرزمین میں گزر رہے ہو اُسکی قابلیتیں حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھو گے جو بات کہ عملت اور دشواریوں کے سفر میں غیر ممکن ہے۔ اس حالت میں چند مہینہ گزر جانے کے بعد پلٹ کے دیکھو گے تو متحیر ہو گے کہ تم کتنی بڑی مسافت کو طے کرتے ہو۔ کیونکہ اگر تم فی یوم ۳ میل کا اوسط لگاؤ تو سال کے اختتام پر تم ایک ہزار میل چل چکے ہو گے۔ جو ایک بہت ہی معتد بہ فاصلہ ہے۔ جو خوش اور کچھوسے کی کہانی خاص اُن سیاحوں کے لیے بنائی گئی ہے جو کسی وسیع اور نامعلوم سرزمین کا سفر کر رہے ہوں ۛ

تڑکے اٹھو۔ جسم و دماغ کو ورزش اور دم لینے کے ذریعہ سے ترقی دو۔ غذائیں اعتدال سے کام لو۔ ایک مناسب حد تک سوؤ۔ اور ہر چیز کو معمولی خیال کرو۔ بس یہی امور اس کے لیے کافی ہیں کہ تمہیں اپنے کام سے تکلیف نہ پہنچے گی۔ گھبراہٹ اور جوش۔ بے صبری اور اضطراب سے تم کام نہ کر سکو گے۔ اور ممکن ہے کہ آخر کو یہ چیزیں تمہیں ہلاک کر ڈالیں۔ یا کم از کم تمہیں کسی بیماری کا شکار بنا دیں۔ لیکن اگر تم ہشاش بشاش رہ کے اطمینان و سکون کی زندگی اختیار کرو گے تو دماغی سرگرمی اور آنا دخیالی سے تمہاری روح کو وہی نفع حاصل

جو ورژش اور تازی ہوا سے جسم کو پہنچتا ہے۔ یہ چیزیں تمہاری عمر کو گھٹائیں گی نہیں بلکہ بڑھائیں گی۔

ڈیوینورٹ ایڈم کا قول ہے صبر مدبر سلطنت کا دارغ ہے۔
 سپاہی کی تلوار ہے۔ موجد کا راز ہے۔ اور طالب علم کا کلمہ ”کھل جا سمسم ہو“
 ہماری نیکو کار ملکہ (ملکہ معظمہ و کٹوریہ) تاریخ کے بہترین سلاطین میں ہیں۔
 اور یہ کس لیے؟ اس میں شک نہیں کہ وہ بڑی مصنف مزاج اور ہنرمند
 تھیں۔ مگر اصلی خوبی یہ تھی کہ اپنے لیے انھوں نے کسی قسم کی مشقت
 اٹھانہیں رکھی۔ اُن کا کارگزاری کا جوش اس خیال سے ظاہر ہوتا ہے
 جو انھوں نے لارڈ ڈائٹنگل کے سامنے ظاہر کیا تھا اور جو کتاب یادگار
 ”سنٹرجمین“ میں مذکور ہے۔ لارڈ ڈائٹنگل نے ایک بار ملکہ معظمہ کے
 سامنے افسوس کے ساتھ کہا کہ مجھے اپنے کاروبار کی وجہ سے بڑی شوریوں
 کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے جواب میں انھوں نے کہا ”میرے
 سامنے دشواری کا لفظ زبان سے نہ نکالو۔ جس کام کو کرنا ہو اسکی نسبت
 مجھے فقط اتنا بتادو کہ کیونکر کیا جائے پھر جہاں تک بنے گا میں اُسے
 کر ہی کے چھوڑ دوں گی“

لہذا زندگی میں تمہارے جو کچھ فرائض اور کار منصبی ہوں اُن کے

عہد الفیلہ میں ”علی بابا اور چالیس ڈاکوؤں“ کا ایک قصہ ہے جس میں مذکور
 کہ کلمات ”کھل جا سمسم“ زبان پر لا کے ڈاکو اپنے طلسمی خزانہ کا دروازہ کھولا کرتے تو
 انگریزی میں اسی قصہ کی وجہ سے یہ کلمہ ضرب المثل ہو گیا ہے۔

اسی طرح بجالانے کی کوشش کرو جس طرح کہ اٹھین بجالانا ہو۔
 ڈیلوک آف ولنگٹن کی کامیابیوں میں ان کے عمدہ کاروبار کی
 شخص ہونے کو اتنا ہی دخل تھا جتنا کہ اُن کے ایک بہت بڑے
 سپہ سالار ہونے کو۔ وہ کسریٹ اور رسد کی ادائے باتوں پر
 بھی توجہ کے ساتھ نظر رکھتے تھے۔ اُن کو اپنے گھوڑے کی گھاس اپنی
 فوج کے اچھے کھانے آرام و لباس اور مضبوط جوتوں کا بھی ہمیشہ
 خیال رہتا تھا۔

حضرت سلیمان فرماتے ہیں ”جس آدمی کو تو اپنے فرائض انجام
 دینے میں سرگرم دیکھتا ہے وہ پادشاہوں کے سامنے کھڑا ہوگا“
 اور سینٹ پال کا قول ہے ”اپنے کاموں میں سستی نہ کرو طبیعت
 میں جوش رکھو۔ اور خدا کی اطاعت کرو“

شفقت اپنا انعام خود ہی دیتی ہے۔ کلیمس نے ہندوستان
 کا مغربی راستہ ڈھونڈنے میں امریکہ کا پتہ لگالیا۔ اور بقول گوٹھ
 کے ”سادل پہلے بادشاہ بنی اسرائیل طاووت کو اپنے باپ کے گدھے
 ڈھونڈنے میں سلطنت مل گئی“

فسر نیکلن کا قول ہے ”جو باتیں تمہیں کرنا ہیں اُن کا قصد کرو۔
 اور بغیر پہلو تہی کے اپنا قصد پورا کرو“

بعض اوقات خیال کیا جاتا ہے کہ ذہانت و طباعی محنت کی
 کمی کو پورا کر دیتی ہے۔ ہم نے ایسے لوگوں کے حالات سنے ہیں جنہوں نے

کالج میں اپنی تعلیم کے برس سستی میں ضائع کیے لیکن آخر میں تھوڑے زمانہ تک سخت محنت کر کے اور بھیکے تو یہ سرون میں باندھ باندھ کے اعلیٰ ڈگری حاصل کر لی۔ تم اس کو مان لو کہ اُن بھیکے تولیوں کا بھگتان زمانہ نابعد میں اُنھوں نے اچھی طرح بھگتا ہو گا۔ لیکن یوں بھی تو آخر اُن کو محنت کرنا ہی پڑی۔ اگر اسکول کے زمانہ کی حالت سے کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کے ممتاز لوگوں میں سے اکثر محنت و مشقت ہی سے کامیابی ہوئی۔ نہ ذہانت و طباعی سے۔ ونگٹن ٹیلر کلاؤ۔ اسکاٹ اور شرارڈن ان سب کی نسبت کہا جاتا ہے کہ بہت گند ذہن اور غبی لڑکے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض آدمی بمقابلہ دوسروں کے زیادہ دماغی قوت لے کے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن دو آدمیوں کو زندگی کے میدان میں پھوڑو۔ ایک خداداد دماغی قابلیت رکھتا ہو مگر اس کے ساتھ کابل۔ بے پروا۔ اور اپنے نفس کا بندہ ہو۔ اور دوسرا ویسی دماغی قابلیت تو نہ رکھتا ہو لیکن جفاکش۔ ہوشیار۔ اور مستقل مزاج ہو تو پچھلا شخص اپنے ذہین حریف سے ضرور آگے نکل جائے گا۔ زمانہ کی طبی دوڑ میں محنت بغیر ذہانت کے جیسی کامیابی حاصل کرے گی ذہانت بغیر محنت کے نہیں حاصل کر سکتی۔ جفاکشی اور نیک کرداری کی کمی کا مکمل نہ مواقع حاصل ہونے سے ہو سکتا ہے نہ ذہانت و طباعی سے۔ نہ دوست دوستوں سے۔ اور نہ صاحب اثر قربت داروں سے۔

علاقہ لیکن کابشپ گروس ٹیٹ جو ایک بڑا مدبر سلطنت تھا اُس کا ایک کاہل بھائی تھا جس نے ایک دن اُس سے آکے درخواست کی کہ مجھے بڑا آدمی بنا دو۔ اُس نے جواب دیا کہ ”بھائی۔ اگر تمہارا ہل ٹوٹ گیا ہو تو اُسے مین بنوادے سکتا ہوں۔ یا اگر تمہارا ہیل مر گیا ہو تو مین تمہیں دوسرا خرید دے سکتا ہوں۔ مگر تمہیں بڑا آدمی نہیں بنا سکتا۔ مین نے تمہیں ایک ہل جتایا اور خیال کرتا ہوں کہ تمہیں ہل جتا ہی چھوڑ بھی جاؤ گا۔“

ملٹن فقط ذہین ہین نہ تھا بلکہ انتہا درجہ کا مخفی بھی تھا۔ وہ اپنے معمولات کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: ”جاڑ دن مین قبل اس کے کہ گھنٹوں کی آواز لوگوں کو بیدار کرے اُٹھ کے ورزش یا عبادت میں مشغول ہو جانا۔ گرمیوں میں سب سے پہلے بیدار ہونے والے طاٹر کے ساتھ یا اُس سے ذرا ہی بعد اُٹھ کے اچھے مصنفین کی کتابوں کا فروغی مطالعہ کرنا اور دن سے پڑھو کے سُننا یہاں تک کہ قوت تخیل میں مستعدی پیدا ہو جائے یا قوت حافظہ میں اخذ کی پوری قوت آجائے۔ تب ہلکی مشقت کے ساتھ جس سے جسم میں تندرستی اور جفاکشی کی قوت برقرار رہے نرم اور استقلال سے بھنے والی محنت کر کے دماغ مذہب اور ملک کی آزادی کی خدمت کرنا۔“

اپنے کام کو بوجھ کی طرح نہ ٹماؤ۔ اگر تم چاہو تو اُسے دلچسپ بنا سکتے ہو۔ دل و جان سے اُس میں مصروف ہو جاؤ۔ اُس کی غرض پر حاوی ہو جاؤ۔ اُس کے اسباب اور اُسکی تاریخ کا پتہ لگاؤ۔ اُس کے تمام تعلقات پر

غور کرو۔ اور اس میں یاد رکھو کہ حقیر سے حقیر کام بھی فائدہ بخش ہوتا ہے۔ اگر اس طرح کرو گے تو کوئی کام نہ ہو گا جس کے انجام دینے کے لیے تم میں سرگرمی اور جوش نہ پیدا ہو جائے۔ تمہیں اپنے کام سے محبت ہو جائے گی۔ اور جب تم اسے خوشی کے ساتھ کرو گے تو تم کو اس میں آسانی بھی معلوم ہوگی۔ ابتدا میں وہ چاہے غیر ممکن ہی نظر آتا ہو۔ یا چند روز تک اس میں تمہارا دل نہ لگتا ہو۔ لیکن غور کرو گے تو ثابت ہو گا کہ ایسے ہی کام کی تمہارے لیے ضرورت تھی۔ اور وہی کام پہاڑوں کی صحت بخش نسیم کی طرح تمہارے اخلاق کے حق میں مفید ہو سکتا ہے۔ ملک اسکینڈینیویا کے رہنے والے یعنی تمہارے پرانے آباد اجداد تھوڑی سی پوجا کرتے تھے جس کی مورت کے ہاتھ میں بسولا ہوا کرتا تھا۔ اور دیوتا کے پرانے قصوں میں وولینڈ کی نسبت یہ بیان کیا گیا ہو کہ اُس نے اپنی روح یعنی انسانی جسم کے پاکیزہ حصہ کو شیطان کے ہاتھ فردخت کر ڈالا تھا تاکہ وہ دنیا کے بڑے سے بڑے لوہار سے بھی بڑھ جائے۔ جو کہ خوق محنت میں حد سے گزر جاتا تھا۔ یہ ایک اہم سوال ہے کہ سونے میں کتنا وقت صرف کرنا چاہیے۔ مگر اس کا فیصلہ خود فطرت کو کرنا چاہیے۔ بعض لوگوں کو بعض سے زیادہ سونے کی ضرورت ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اُس کی جو مقدار فطرت نے مقرر کر دی ہو اُس میں کمی کی جاسکے۔ اور نہ میرا یہ خیال ہے کہ جو وقت خواب خوش میں صرف ہوا وہ ضائع ہوا۔ عصبانی قوت کی

بحالی میں نیند حیرت انگیز اثر رکھتی ہے جو قوت کہ شہر والوں میں کبھی پوری نہیں موجود ہوتی۔

سر اڈمنڈ کوک نے اپنے روزانہ اوقات کی تقسیم یوں کی تھی
 ”چھ گھنٹہ سونا۔ چھ گھنٹہ غور کے ساتھ قانون کو مطالعہ کرنا۔ چار گھنٹہ
 عبادت۔ اور باقی وقت عجائبات قدرت کے مطالعہ میں۔“ سر ولیم جونس
 نے اس میں یوں ترمیم کی: ”چھ گھنٹہ مطالعہ قانون میں۔ سات گھنٹہ سونے
 میں۔ دس گھنٹہ دنیا کے عام مشاغل میں۔ اور سارا وقت خدا پرستی میں“
 میرے بے سونے کو نہ چھ ہی گھنٹہ کافی ہیں نہ سات گھنٹہ۔ ہمیں اتنی
 دیر تک سوتے رہنا چاہیے کہ اٹھیں تو بحال و بناش اٹھیں نہ پست۔
 فکر و رنج کے زمانہ میں کسی ایسے کام میں مشغول رہنا جو ہمارے
 خیالات کو اپنی طرف مصروف کرے اکثر بڑی تسلی کا باعث ہوا کرتا ہے۔
 ڈاکٹر شالمیرس کا قول ہے ”زندگی کی مسرت اس میں ہے کہ ہم کچھ
 کریں۔ کسی چیز سے دل لگائیں۔ اور کسی چیز کی آرزو رکھیں“ بہت سے
 لوگ ناحق کی فکر میں اور غیر ضروری ترددات پیدا کر کے اپنے آرام کے
 اوقات کو باعث تکلیف بنایا کرتے ہیں۔ اس کی دوا یہ ہے کہ ہمیشہ
 کسی دھند سے میں لگے رہو۔ کیونکہ اس طرح تنگ کتھا ہے ”کام اور
 مشغولیت میں تجھے جو دلجمعی حاصل ہوگی فکر و غم سے نہیں نصیب ہو سکتی“
 پیرا ناللی کتھا ہے ”عقلند آدمی کے لیے ہر مقام ایک ملک ہے
 اور قلب مطمئن کے لیے ہر بقعہ زمین ایک قصر ہے“

فطرت کے موافق کام کرو نہ اُس کے خلاف جہان تک بنے کشتی کو اُسی طرف لجاؤ جدھر کا بہاؤ ہے۔ لیکن اگر اُس کے خلاف رخ پر جلنے کی ضرورت ہو تو اُسی طرف جاؤ۔ مگر تمھارے پاؤں کو بغرض نہ ہو۔ فطرت عموماً ہماری تائید کرتی ہے بشرطیکہ ہم اُسے تائید کرنے کا موقع دیں۔

کنگس لے نے کہا ہے دو جیسی باتیں مافوق الفطرت واقعات میں ہوتی ہے دیسی ہی فطرت کے اندر بھی پیش آتی ہیں۔ جس شخص نے فطرت کا ایک قانون بھی توڑا وہ سارے قوانین فطرت کے توڑنے کا ملزم ہو جاتا ہے۔ سارا عالم من حیث المجموع اُس پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ اور نیچر اپنی بے شمار غیر مرئی قوتوں کے ساتھ اُس سے اور اُس کی اولاد سے انتقام لینے پر تِل جاتا ہے۔ اور اس طریقہ سے کہ اُسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ یہ کام کب ہوا اور کس طرح ہو رہا ہے۔ بر خلاف اُس کے جو شخص دل سے قانون قدرت کا مطیع ہے اُس کو یہ نظر آئے گا کہ فطرت سارے عالم میں جو کچھ کر رہی ہے اُسی کی بھلائی کے لیے کر رہی ہے۔ اُس کے سر کے اوپر کا آفتاب اُس کے پاؤں کے نیچے کی زمین اُس کے ممد و معاون ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اُس خالق کی مرضی پر چلا جس نے آفتاب و زمین کو بنایا ہے۔ اور انھیں ایک ایسے قانون کا پابند کر دیا ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔

چودھواں باب

عقیدت

ہمیں اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے ڈیڑھ ارب باشندہ دن میں سے چالیس کروڑ بودھ مذہب کے لوگ ہیں۔ پنتیس کروڑ عیسائی ہیں۔ بیس کروڑ ہندو ہیں اور پندرہ کروڑ مسلمان ہیں۔ لیکن سلڈن اگرچہ اس بیان میں مخالفت کی حد تک پہنچ گیا ہے مگر غالباً صحیح کتا ہے کہ ”لوگ بحث مباحثہ سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو کسی ایک مذہب کا پابند بنا دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر ہم اچھی طرح تحقیق کر کے کھوج لگائیں تو ایسے تین آدمی بھی مشکل سے نظر آئیں گے جو ایک عقیدے پر متفق ہوں“ ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ جس دنیا میں ہم خود رہتے ہیں جب اسی کے متعلق ہمیں بہت کم واقفیت ہے تو اس کی کیونکر امید کی جاسکتی ہے کہ اُس دوسرے عالم کے متعلق ہمیں اس سے زیادہ واقفیت ہوگی۔

کینن لڈن کتا ہے ”یہ حسرت انگیز دنیا جس میں ہماری ہستی کی یہ منزل گزر رہی ہے عام اس سے کہ ہم کسی دوسرے عالم کا خیال کریں یا نہ کریں خود ہی بے شمار عظیم الشان رموز کا مندر ہے کل سہ پہر کو شاید تم گاؤں میں ٹہلنے کے لیے نکلو۔ جا بجا کھلتی ہوئی کلیان، لاوہری ہری کو پلین تم کو بتا دیں گی کہ موسم بہار پھر تمہیں اپنا

دلا دینا تماشا دکھانے کے لیے آ رہا ہے۔ تمہیں ہر جگہ اپنے ارد گرد ایک نئی قوت کے وجود کی نشانیاں نظر آئیں گی۔ یہ وہ نئی قوت ہوگی جسے تم نہ دیکھ سکو گے نہ چھو سکو گے۔ نہ بیان کر سکو گے نہ اُس کا اندازہ کر سکو گے اور نہ اُسے سمجھ سکو گے۔ ہر ہنسی میں جو تمہارے سر پر جھومتی ہو۔ اور گھاس کی ہر ہتی میں جسے تمہارے قدم روندتے ہوں یہ خاموش وہ صدا اور غیر مرئی قوت پورے زور و شور کے ساتھ موجود ہوگی ۵

یشک فلسفہ کی اصلی بنیاد شک ہے۔ ہم ایک پراسرار دنیا میں رہتے ہیں۔ اور جب ہم ایک سادے پھول اور ایک چھوٹے سے چھوٹے کپڑے کی حقیقت بھی نہیں بیان کر سکتے تو اس لامتناہی ہستی کو کیونکر سمجھ سکیں گے۔ ڈاکٹر مارٹن سکتے ہیں۔ ”ہم تسلیم کرتے ہیں کہ فضا اور وسعت اس ہستی کے عوارض ہیں۔ اور جب شام کی شبیہ انکار کے غبار غمروں کو بٹھا دیتی ہو اور دور بینی کے تفکرات سے جو خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ عالم کی وسعت میں دُور تک پھیلتے ہیں۔ اور اس تاروں بھری فضاے غیر متناہی کے نیچے کسی سناں صحر کی طرح زمین سو جاتی ہے اُس وقت وہ خاموش ہستی ہمارے قریب آ جاتی ہے۔ اور رات کی شوریدہ ہوا میں ہمیں چونکا تی ہے۔ اور آسمان کی این ابدی روشنیوں پر سے ہماری آنکھوں پر اپنی نظر جادتی ہے۔“

عہ جناب رسول خدا محمد صلعم نے فرمایا ہے کہ اللہ جل شانہ آدھی رات کو فلکِ اولیٰ پر اتر آئے اور صبح تک یہیں بہتا رہا۔ عکاسِ اسلام میں اس قول نبوی کے متعلق بکریٹ جھلڑے رہے۔ اعتزال پسند علما میں علیؑ کے متعلق یہ ہے۔ مگر کیا اس ہمارے زیادہ اطمینان بخش تفسیر اس حدیث کی ہو سکتی ہے؟

جان اسٹوارٹ مل کا قول ہے ”انسانی ہستی اسرار کے بروج میں
 بیٹھی ہوئی ہے۔ ہمارے تجربات کا تنگ رقبہ ایک چھوٹے جزیرے کے مانند
 اُس ناپید اکتار سمندر کے درمیان میں ہے جو اپنی وسعت اور اپنے جھولنے والے
 ہونے کی وجہ سے ہمارے حواس کو فوراً مرعوب اور ہمارے خیالات کو
 براگینختہ کر دیتا ہے۔ پھر اُس کے اس جھول لگنے ہونے کے ساتھ یہ بھی ہے
 کہ ہمارے خیالی زندگی کا رقبہ ایک تنگ جزیرے میں محدود ہی نہیں ہے
 بلکہ اُس کا رازانہ بھی محدود ہے۔“

گو ہم اپنے آپ کو خاموش رہنے اور کسی قسم کا تصفیہ کرنے سے باز آنے
 پر ہمیشہ مجبور پاتے ہیں مگر اس کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ اس باب میں
 ہم ناامید بھی ہو جائیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ بعد الموت کے دُستور حلقے میں
 دِیاتم دُستور حلقے کی جگہ اُسے صبح کا ترن کا۔ یا شام کی شفق۔ یا دوپہر یا آدھی رات
 یا جو حالت کو اُس میں وہ بڑا نظام جس کا ایک جز ہمارے زندگی بھی ہے
 منقطع نہ ہوگا۔ بلکہ اُس وحدۃ لا شریک کی مکمل ذات کلی میں منضم ہو جائیگا۔
 ہمیں بہت کچھ محسوس ہوتا ہے مگر اُسے ہم بیان نہیں کر سکتے۔ یہ
 کچھ دینیات ہی تک محدود نہیں ہے۔ سینٹ آگسٹین کا قول ہے ”اگر تم
 مجھ سے یہ پوچھتے ہو کہ دہر کیا ہے تو میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ لیکن اگر تم مجھ سے
 نہ پوچھو تو میں اُس سے بخوبی واقف ہوں۔“

وزرے نے اپنے خیالات کو ان الفاظ میں کیا خوب ادا کیا ہے۔

میں دُستور حلقے کا ایا نام دینیات تھا۔ شہد کے قریب پیدا ہوا۔ ۱۹۳۵ء میں انتقال پایا۔

”تمام دنیوی نعمیات سے اکتا کے۔ ان تصورات۔ اوضاع اطوار اور اسرار کو چھوڑ کے میں اسے جل جلالہ آخر کار تیری ہی طرف جو کہ ہدایت سچائی اور زندگی ہے اور جس کی محبت کا شعلہ میرے دل میں بھڑک رہا ہوں اسی تعلیم پاک کے رجوع کرتا ہوں۔ میری زندگی و موت تجھ سے ہے اور تیری ہی ہے“

مارٹنو کتا ہے ”جو لوگ خدا کے بارے میں مجھ سے بہت کچھ کہتے ہیں جو اس طرح گفتگو کرتے ہیں کہ گویا ہر معاملہ میں اُس خالق حقیقی کے اغراض و مقاصد سے واقف ہیں۔ جو ہر واقعہ کا سبب فوراً بتا دیا کرتے ہیں۔ اور ہر ماجرے کی نازک مصلحتیں ظاہر کرتے ہیں۔ جو اُس ازلی ہستی کی دانتائی کے طرح خواندہ ہیں۔ اور اُس پر اس طرح بحث کرتے ہیں کہ گویا اُن کے لیے یہ طباعانہ بحث آرائی کا ایک اعلیٰ درجہ کا مسئلہ ہے۔ اور جو اُس وحدہ لا شریک کے کُنہ کے حرم میں اس شان سے قدم رکھتے ہیں کہ گویا اس مقام سے بخوبی آشنا ہیں وہ اپنے یقین کی بے انتہا تکی کی وجہ سے مجھے شک کی دائمی آفت میں مبتلا کر دیا کرتے ہیں۔ اور اُن کی باتوں سے تنگ آ کے میری زبان پر اُس جل شانہ کا یہ کلام جاری ہو جاتا ہے ”میری حقیقت کے متعلق کم جستجو کرو تو میں تمہیں سب کچھ دون گا“

ڈوین اسپنلی نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غرض یہ بتائی کہ ”زمانے کے شبہات و شکوک میں جو اختلاف ہے اُسے دور کرنا اور اپنی نظر کو اُن بلند پہاڑیوں پر قائم کر دینا جہاں سے ہمیں تائید غیبی پہنچتی ہے“

ہربرٹ اسپنسر کتا ہے ”وہ اسرار جن پر جس قدر زیادہ غور کیا جائے

اُسی قدر پیچیدہ اور غفی ہوتے جاتے ہیں انہیں میں یہ مستقل یقین باقی رہ جاتا ہے کہ انسان ہمیشہ ایک ایسی لاتناہی اور سرمدی ہستی کے سامنے ہے جس سے تمام چیز بن نکل کے آتی ہیں۔

ہمیں اس خیال پر مطمئن ہو جانا چاہیے کہ ہم اُس کی کنہ حقیقت نہیں بیان کر سکتے۔

اکثر بائین جن کے تعلق لوگوں میں اختلاف پڑا ہوا ہے وہ تمدنی فرقہ بندیان میں مذہب نہیں۔ سینٹ پال کی تربیت کے خلاف وہ باتیں اس امر پر زور دے رہی ہیں کہ ”دین پولوس کی ہون اور میں اپالو کی“

جریمی ٹیلر کہتا ہے ”خدا کی سلطنت نفطون میں نہیں بلکہ قدرت میں ہے۔ اور قدرت بھی کون ربانی قدرت۔ اگرچہ ہم سب اب دوسرے اصول پر جا پڑے ہیں۔ ہم نے مذہب کو عقیدہ بنا دیا ہے۔ اور ہمارا عقیدہ بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ اپنے اغراض و مقاصد کو حاصل کریں یا لڑیں بھگڑیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ایک جماعت خاص کی طرفاری کریں۔ اور اُس کے سوا ساری دنیا پر حملہ کریں۔ اور جب یہ پوچھا جائے کہ ننان شخص کس مذہب سے ملتا ہے تو اُس کے معنی ہمارے ذہن میں یہ ہوتے ہیں کہ وہ کس گروہ کا پیرو ہے۔ یعنی اُس کے گروہ کے کیا اصول ہیں۔ نہ یہ کہ خود اُس کی زندگی کا عنوان کیا ہے؟ اور اگر

عہ اپالو یونانیوں کا سب سے بڑا دیوتا۔

لوگ اپنی جماعت اور اپنے مقاصد کے لیے جوش رکھتے ہوں تو وہ قابل قدر آدمی تصور کیے جاتے ہیں۔ گو کہ دیگر حیثیتوں سے اُن میں تبرک کی سی حرص و ڈیٹھین کا ساتھ ہے۔ اور کوہ راہ کی سی نا اتفاقی بھری ہو۔ یا اُن سے نکالے ہوئے فرشتوں کی طرح مفرد و متکبر ہوں۔

سائنس والوں کو اکثر یہ عقیدگی کا الزام دیا گیا ہے۔ اگرچہ تھوڑا سا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جتنا مذہب سائنس میں ہے اتنا سائنس مذہب میں نہیں ہے۔

سائنس والا گو شک کرتا ہے مگر اُس کے شک میں طعن کی بو نہیں پائی جاتی۔ اُس کے الفاظ حقارت کرنے والے نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن میں ادب کا پہلو ملحوظ ہوتا ہے۔ لارڈ ڈیٹھنی سن نے کیا خوب کہا ہے کہ ”ایمان میں مضطرب ہوتے ہیں۔ مگر کام میں صاف۔ اور آخر کار اپنا راگ کا سیاہی سے گاتے ہیں۔ تم یقین جانو کہ دیانت داری کے شکوک میں ایمانی قوت زیادہ ہے۔ جس کی آدمی بھی مذہب میں نہیں ہے۔“

اب میں آپ کے سامنے دو آدمیوں کی نظیریں پیش کرتا ہوں۔ پروفیسر سنڈل کتا ہے ”جب میں اس امر کی کوشش کرتا ہوں کہ اُس قوت کو جو ہر جگہ ایک شخصی وضع میں یا اور کسی طرح اپنے جلوے دکھا رہی ہے تصور لاؤں تو وہ تمام عقلی تصرفات سے الگ ہو کر میرے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ میں اُس کے لیے نہ ”وہ کی ضمیر استعمال کر سکتا ہوں۔ نہ اُسے ”خیال“ کے لفظ سے تعبیر کر سکتا ہوں۔ بلکہ مجھے اُسکو ”علتہ“ بتانے میں بھی تامل ہے۔“

غرض کہ اسکی شان کچھ ایسی راز سر بستہ ہے کہ میری عقل گم ہے ۛ
 پیر و فیسّر کھلے آج کل کے قابل ترین صاحبان فکر میں ہے۔ باوجودیکہ
 وہ ملحد و بے دین ہے اور جس طریقہ سے مذہبی تعلیم دی جاتی ہے اُس کے
 خلاف ہے لیکن اس پر بھی اُسکی یہ رائے ہے۔ ”اس کا خیال رکھو
 کہ ایک قائم خندہ مذہب برقرار رہے۔ جو ہماری جماعت کے لیے خدا کی
 رحمت ہے۔ مسجد جس میں نماز ادا کی جاتی ہے صرف مذہب کے عمدہ
 قوانین کے دہرانے کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ لوگوں کے سامنے سچائی۔
 انصاف۔ اور پاکبازی کی زندگی کا عمدہ مفہوم قائم کرنے کے لیے ہے۔ یہ
 ایسی جگہ ہے جہاں لوگ تمام دنیا کے کاروبار سے فارغ ہو کر دم بھر کے
 لیے سستانے اور ملا اعلیٰ کی عمدہ باتوں پر غور کرتے ہیں۔ جو امر فلک
 تو سب کے لیے ہے مگر نصیب چند ہی کو ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی جگہ
 ہے جس میں دنیا کا ایک کاروباری آدمی اس امر پر غور کرنے کی
 فرصت پاسکتا ہے کہ اپنی محنت سے جس معاوضہ کی ہمیں ہوس ہے
 وہ بمقابل اطمینان و نیکو کاری کے کس قدر حقیر ہے۔ یقین جانو کہ ایسا
 کوئی مذہب اگر دنیا کے پردے پر موجود ہے تو کوئی شخص اُس کی برادری
 کے درپے نہ ہوگا ۛ

میرے خیال میں یہ خوبیان آرٹلڈ کے عیسوی گروہ میں پائی
 جاتی ہیں۔ جرج آف انگلینڈ اس نمونے پر آتا جاتا ہے۔ اور جس قدر
 زیادہ ایسی باتیں دکھائے گا اُسی قدر زیادہ مضبوطی اُسے حاصل ہوتی

جائے گی۔

(مترجم جامع یہ ہے کہ ابھی تک کسی موجودہ مذہب کی نسبت ایسی آسید
 خنین کی جاسکتی کہ اُس نے خدا پرستی کے سچے جوش میں تعصبات اور
 دوسروں پر حملہ کرنے سے اجتناب کیا ہو۔ لیکن ہمیں آسید ہے کہ اس
 عہد کی بے تعصبی اور آزادانہ تعلیم کبھی نہ کبھی ہم سب کو کسی ایسے صلح جوی
 کے مذہب اور اتفاق دیکھ لی کے مامن تک ضرور پہونچا دے گی۔

مقدمہ بیان دین عموماً ایسی زبان اختیار کرتے ہیں جو عام فہم ہو۔ ادبی
 خوبون اور فصاحت کی باتوں کو اُن کے کلام میں ڈھونڈ مٹاؤں پر
 ظلم کرنا ہے۔ شراب یہ بیان کرتے ہیں کہ آفتاب نکل رہا ہے تو ہم انھیں
 یہ الزام نہیں دیتے کہ بجائے زمین کے آفتاب کو متحرک تباہی کے باعث
 وہ علم ہیأت سے جاہل ہیں۔ اور نہ کوئی شیکسپیر بائینی سن کو اس
 بنیاد پر بڑا کہہ سکتا ہے کہ وہ زمین کی حرکت کے عوض حرکت آفتاب کے
 قائل ہو گئے۔ آئے دن کی سائنٹفک تحقیقات کے لیے یہ امر ضروری ہے
 کہ نئے لفظ ایجاد کیے جائیں۔ اور انھیں کے ذریعہ سے اُن کا اظہار کیا
 جائے۔ جب ہم کسی نئے پتھر یا کسی عہد پھول کی ماہیت کو بھی بغیر نئے
 تراشے ہوئے الفاظ کے نہیں ادا کر سکتے تو ہم پر بخوبی روشن ہو جاتا ہے
 کہ انسانی زبان میں اس غیر محدود ہستی کے تصور کا ادا کرنا کس قدر دشوار
 ہے۔ اور نہ ہم اس بات پر حیرت ظاہر کر سکتے ہیں کہ قرون ماضیہ کے
 مصنفین نے عام رائے کی بنا پر بعض باتوں کو جنات اور جوتوں سے

منسوب کر دیا حالانکہ وہ بائین کسی دماغی خلل کے سبب سے تھیں۔

اس بات میں تم کسی تعریف کے مستحق نہیں سمجھے جاسکتے کہ تم کسی ایسی بات پر ایمان لے آؤ جس کو نہ تم بیان کر سکتے ہو اور نہ سمجھ سکتے ہو۔ ایسی بات پر ایمان لے آنا جس کی ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہ ہو قابل تحسین نہیں ہے۔ دراصل یہ امر محال ہے کہ ہم کسی ایسی بات کو تسلیم کر لیں جس کا کوئی ثبوت نہ رکھتے ہوں۔ بلکہ بخلاف اس کے ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم کسی بات کو تسلیم کر لیں جس کا ثبوت رکھتے ہوں۔ اور جس بات کو نہ سمجھ سکیں اُسے چھوڑ دیں۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کسی بات کو یا تو ہمیں مان ہی لینا چاہیے یا فوراً ہی اُس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دینا چاہیے۔ حالانکہ دراصل بہت سی حالتوں میں ہم نہ تسلیم ہی کرنے کی کوئی وجہ پاتے ہیں اور نہ انکار کرنے کی۔

سچا ایمان فقط ایک ذہنی یا دماغی ورزش کا نام نہیں ہے۔ ہمارا ایمان زندہ ایمان ہے۔ اور ایمان بغیر عمل کے مردہ ہے۔ سلڈن ایمان اور عمل کہ نور و نارس سے تشبیہ دیتا ہے۔ کتاب ۲ میں اپنی سمجھ کے موافق انھیں شمع کی نظیر سامنے رکھ کے متمایز کر سکتا ہوں۔ شمع میں روشنی بھی ہے اور آگ بھی ہے۔ لیکن اگر تم اُس کو گل کرو تو دو دونوں غائب ہو جائیں گی۔ توراۃ میں جہان کہیں ایمان کا ذکر آیا ہے دراصل اُس سے مراد عمل اور نیکو کاری ہی ہے۔ یہی ایمانی عمل تھا جس سے ہابیل نے قربانی کی تھی۔ نوح نے کشتی تیار کی تھی۔ اور ابراہیم نے گھربار کو نبی بنا دیا تھا۔

اس بات کو ہر شخص تسلیم کر لے گا کہ یہ سب بزرگ اپنے اعتقاد اور اپنے اعمال کی حقیقت کے وجہ رکھتے تھے۔

یہ سب حضرات اس لیے قابلِ تائش تھے کہ انھیں مشقت و جھانکشی کا فرض اپنے ذمہ نظر آیا۔ جس میں انھوں نے مطلقاً پہلو دیتی نہیں کی۔ بلکہ جس فرض کو وہ برحق سمجھتے تھے اُسے فرمان برداری کے ساتھ انجام دے دیا۔ ہمارے فرائض میں سے ایک آسان ترین فرض یہ بھی ہے کہ جب ہمارے پاس کسی چیز کے لیے کافی وجہ نہ موجود ہو تو اُس کے بارے میں ہم اپنی رائے کو ملتوی رکھیں۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جن میں شک کرنا گونہ کام نہ ہو مگر ہم پر فرض ہوا کرتا ہے۔

لارڈ ٹینیسن کتنا ہے ”ہمارے جسم کے گورکھ و ہندے کے لیے ایک زمانہ مقرر ہے۔ ان سب جموں کے لیے ایک وقت مقرر ہے جبکہ جسم کی مشین چلتے چلتے ٹرک جائے گی۔ بیشک یہ سب تیرے ہی نور کی جداجدا شمعیں ہیں۔ اور اسے خداوندِ اجلال تو ان سب سے بڑھا ہوا ہے۔ پروردہ خود ہی آہستہ آہستہ اٹھتا جاتا ہے۔ باقی رہے وہ بیشمار شکوک و شبہات جو ذہنوں میں گزرتے ہیں تو ان کی بابت فی الحال ہمیں خاموش اور لاعلمی ہی میں رہنا چاہیے۔

رسکن کتنا ہے ”چونکہ ہم انسان ہیں اس لیے ہماری راحت صرف اسی بات پر تہی ہے کہ ان باتوں کے متعلق بھی غصوں سے علم ہی پر قناعت کریں جن کا ہم سے تعلق ہے۔ ہماری ساری محوشی کا دار و مدار اسی پر ہے

کہ اپنے آپ کو اس قابل بنالین کہ بدلی مین (یعنی لاعلمی مین) رہ سکیں۔ ہاں کبھی کبھی یہ دیکھ لیں کہ وہاں پر بادل چھٹ گیا۔ اور وہاں سے اُٹھ رہا ہے اور اس بات پر خوش ہو لیں کہ اگر یہ بادل نہ ہوتا تو ہم جُھلس کے رہ جاتے، « (فروغ تجلی بسوز دہرم)

اسی بنیاد پر پروفیسر ہکسلے بیان کرتے ہیں کہ « عیسویت انسانیت کا سچا نمونہ ہے۔ اس میں صبر کی طاقت۔ رحم۔ انصاف۔ خود کو قربان کرنا۔ ساری باتیں موجود ہیں۔ مذہب پر جان دینے والوں کی جماعت اسی میں نظر آتی ہے۔ کیتھرائٹ آف سینا۔ جان ناکس کی بافون میں اس قدر دلکشی تھی کہ وہ پاپاؤن اور فرمان رواؤن کو بر ملا جڑا کہا کرتے تھے۔ یہ باتیں ایسی ہیں جو انسانی تاریخ میں مذہب عیسوی کو باوقفت ظاہر کرتی ہیں »

(مترجم۔ مگر اُس سے بھی زیادہ روشن نمونے دیگر مذاہب خصوصاً اسلام میں نظر آئیں گے۔ دین کی سچی محبت۔ اُس پر جانیں فدا کر دینا۔ بے نفسی خوش اعتقادی۔ خدا ترسی۔ آزادی۔ اور تمام صفات حسنہ کے کامل ترین نمونے صد ہا ہزار بزرگان سلف کی محترم ذاتوں سے نمایاں ہوتے رہے ہیں جو نوع انسانی کے لیے مایہ ناز ہیں۔)

سینٹ مرقس فرماتے ہیں کہ « ایک مرتبہ ایک کاتب حضرت مسیح علیہ السلام کی خدمت میں آیا۔ اور آپ سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا حکم کیا ہے؟ جناب مسیح نے جواب دیا سب سے پہلا حکم اے اسرائیلی یہ ہے کہ «لا الہ الا انت»

اور تجھے چاہیے کہ بچے دل سے جان سے اور عقل سے اپنے خدائے ذوالجلال کے ساتھ محبت کر۔ یہ بہلا حکم تھا۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ تُو اپنے پڑوسی سے اُسی قدر محبت کر جس قدر کہ خود اپنی ذات سے کرتا ہے۔ بس ان سے بڑے اور کوئی امکام نہیں ہیں۔ اس پر ردہ شخص بولا۔ میرے آقا آپ نے بہت بیچ فرمایا ہے۔ کیونکہ خدا ایک ہے۔ اور اُس ذات واحد کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اور خدا اور اپنے پڑوسی سے محبت کرنا تمام عبادتوں اور قربانیوں سے افضل ہے۔ اور جب حضرت بیچ نے دیکھا کہ اُس نے عہدگی سے جواب دیا ہے تو فرمایا کہ ”تو خدا کی بادشاہت (رحمت) سے دوڑ نہیں ہے“

منترجم۔ بعینہ اسی قسم کی تعلیم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کو دی تھی جو آپ سے یہ پوچھنے کو آیا تھا کہ ”سو من کون ہو؟“

پندرھواں باب

امید

بین نے کبھی کبھی لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ ایمان اور نیکو کاری کے شل امید بھی اخلاقِ حسنہ میں شامل ہے اور نفع کیا ہے۔ ایمان اخلاقِ حسنہ میں شمار کیا جاسکے یا نہ کیا جاسکے لیکن اس میں شک نہیں کہ نیکو کاری قطعاً داخل اخلاقِ حسنہ ہے۔ مگر امید کیوں؟

نا امید ہونا یقیناً قلعی ہے۔ اور جب نا امید ہونا بُرا ہے تو امید اچھی چیز ہے۔ صبر کرنا اور کسی کام میں سرگرمی دکھانا امید کو ظاہر کرتا ہے۔ اور بہ نسبت کسی ایک بہادری کے کام کے صبر میں انسان کی خوبی کا زیادہ

اندازہ ہوتا ہے۔ بہت سی محبت والی عورتیں جو مصیبت میں مبتلا ہیں درحقیقت سچی شہادت کے نمونے ہیں۔

جن صد مات سے سابقہ پڑتا ہے اُن کا بہت زیادہ بار اپنے دل پر نہ ڈالو۔ اور یاد رکھو کہ جب تک حوصلہ پست نہ ہو کسی کو شکست نہیں ہوتی۔

ٹیلر کے چند اشعار میں ہے ”معاملات میں کام رہنا نا کامی نہیں ہے۔ اور نہ زبردست طاقت سے شکست پانا انسان کے لیے بُکی کی بات ہے۔ مگر ننھ پھیر کے بھاگ کھڑا ہونا۔ اور بغیر مقابلہ کیے ہاتھ پاؤں ڈال دینا اور حریف کے آگے سر جھکا دینا یہ البتہ ایسی چیزیں ہیں جن میں قسمت کا تصور نہیں خود انسان کا تصور ہے۔“

خلاصہ یہ کہ مشکل کے وقت قسمت کا مقابلہ کرو۔ جی توڑ کے

لڑو۔ اور کامیابی و ناکامی کا خیال نہ کرو۔ بقول میر:

شکست و فتح نصیبوں سے ہووے اس میر

مقابلہ تو دل ناتوان نے خوب کیا

سڈنی اسمتھ اپنی مسمولی پر مذاق عبارت میں نصیحت کرتا ہوا کہتا

ہے ”اگر ہمیں اس دار فانی میں کوئی کام کرنا ہے۔ اور وہ کرنے کے قابل

بھی ہے تو ہم کو ڈرتے کانپتے ہوئے کنارے ہی پر نہ کھڑا رہنا چاہیے۔

ہم سردی اور دیگر خطروں کا اندیشہ نہ کریں۔ بلکہ یہ چاہیے کہ جھم سے پانی

میں پھاند پڑیں۔ اور جہاں تک بے ہاتھ پاؤں ماریں ”سب سے بڑی

حیرت کی یہ بات ہے کہ انسان اصلی خطرے کا بہت کم خیال کرتا ہے۔ اور خیالی و وہمی دھڑکون سے سہما کرتا ہے۔ لوگ اس کا زیادہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہنسنے جاؤ گے۔

جھوٹی شرم وغیرت کو پاس نہ پھٹکنے دو۔ بطرس حواری نے فریسیوں (نقہ سہاے یہود) اور رومی سپاہیوں کا پوری طرح سے مقابلہ کیا۔ مگر نقداے اعظم یہود کے کمرے میں جب اُس پر غور توں اور نوکروں نے نفقہ اڑایا تو جھپ گیا۔

تیکسیر کتا ہے ”پست ہمت اپنی مقررہ موت کے وقت سے پہلے بھی کئی بار مرتا ہے۔ مگر اوالفرم شخص کو ایک ہی مرتبہ موت آتی ہے۔“
ڈان کو لکزنٹ اپنے اصطبل کی کھڑکی پر لٹکے بیچے لٹک گیا اور خیال کرنے لگا کہ میرے بیچے بہت ہی بڑا مین غار ہے۔ مگر جب ماری ٹرس نے اُس کے ہاتھ سے کھڑکی چھڑا دی اور گرا تو اُسے معلوم ہوا کہ وہ زمین سے چند ہی انچ اوپر تھا۔

وہی شیر جن کو کتاب ”پلگرس پروگرس“ میں ”سٹریٹ“ (بے اعتباری) اور ”ٹیورس“ (بزدلی) نے خوفناک چیز پایا تھا آخر سچے سچی کو بھی ملے مگر بغیر مین جکڑے ہوئے تھے۔

عہ پلگرس پروگرس (نارنگی معر) انگریزی کی ایک مشہور معرکہ الہ راند ہی بھلائی کتاب ہے جس میں تمام برائیاں اور بھلائیوں کا تفصیل سے ذکر ہے۔ اس کی صورت میں دکھائی گئی ہیں۔ اور ایک طالب نجات کا فرضی سفر نامہ دکھایا گیا ہے۔

بہت سی فوجیں جو بڑے بڑے میدانوں میں قیام رہی تھیں ایک بے بنیاد گھبراہٹ سے رات کو چھپ کے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ انگریزی زبان کا لفظ پے ناک (اضطراب) نکلا ہی ایک ایسے مادے سے ہے جس کے معنی بے بنیاد و ہشت کے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ دن کے اُجائے میں خوف اور اندیشہ کی اکثر چیزیں بے بنیاد ثابت ہو جاتی ہیں۔

جی ہکار کتنا ہے " بہت سے ایسے ڈر ہیں جو حجاب کی طرح ٹوٹ کے بہ جاتے ہیں۔ مگر ہم خود ہی چھوٹے چھوٹے دھڑکون میں مبتلا ہوتے اور اُن کو اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں۔ بہت سے ایسے غم ہیں جو بہت جلد دفع ہو جاتے بشرطیکہ ہم بھی اُن کو چھوڑتے۔ لیکن ہم وہی باتوں میں پڑ پڑ کے اُنھیں جمع کرتے ہیں اور وہ ہمارے لیے ہر قسم کی تکلیفیں پیدا کرنے کے باعث ہو جاتے ہیں "۔

وہ شخص جو قانع نہیں ہے مندرجہ ذیل صورت میں اپنے دل سے پوچھے کہ کس کو اختیار کرے گا۔ اُس کو اس امر کی امید نہ رکھنا چاہیے کہ اُسے ایک شخص کی تندرستی دوسرے کی دولت اور تیسرے کا محل ایک ساتھ مل جائے گا۔ اگر اُس میں قناعت کا مادہ نہیں ہے تو یا تو وہ یہ چاہے گا کہ تینوں چیزوں کو ایک ساتھ حاصل کرے۔ اور یا تینوں میں سے ایک کو بھی نہ لے گا۔

کوہِ برج نے ایک مرتبہ جبکہ وہ نہایت تکلیف میں تھا سر نہری لوی کو لکھا۔ "تام تبدیلیوں و لہو و لہو اور خطرون میں مجھے خدا یا اور ہوتا ہے۔"

اور میرے اس پُر لطف اعتقاد کو برقرار رکھتا ہے کہ مجھ پر جو کچھ گزرتی ہے
اُس میں خدائی رحمتیں بھری ہوئی ہیں ۛ

لہذا ہرگز ناامید نہ ہو۔ ہر بات میں کبھی نہ کبھی پھر کامیابی حاصل ہو سکتی
ہو۔ بحرِ ناامیدی کے۔ گوئید اپنی ایک نظم میں کہتا ہے ”اگر جزاآت گئی
تو ساری چیزیں جاتی رہیں۔ اس ہمت ہارنے سے تو بہتر تھا کہ تُو پیدا
ہی نہ ہوتا ۛ

کپ بِل کہتا ہے ”برداشت کرنا قسمت پر فتح حاصل کرنا ہے“
کو پُر کہتا ہے ”تمہارے قدم کو نقرش نہ ہو۔ بس کل تک زندہ رہنا شرط
ہو۔ یہ تاریک دن نکل ہی جائے گا ۛ

غلطی ہر شخص کر سکتا ہے۔ کیا خوب کہا گیا ہے ۛ جو شخص غلطی
نہیں کرتا وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اِن ہم کو یہ البتہ چاہیے کہ جب ایک بار
غلطی ہو جائے تو پھر دوبارہ وہی غلطی ہم سے سرزد نہ ہو۔ اپنی غلطیوں سے
سبق حاصل کرو۔ یون تم اُن غلطیوں ہی کو اپنے لیے اعلیٰ زندگی تک
پہنچنے کا زینہ بنا لو گے ۛ جوزف ہیوم کہا کرتا تھا ”ڈیڑ لاکھ روپیہ
سالانہ آمدنی کی ریاست پر میں ایک قانع و قنّاش طبیعت کو ترجیح دوں گا ۛ
کام کرنے کے لیے موجودہ زمانہ کو نہایت اہمیت ہے۔ مگر یہ بھی
عقلندی ہے کہ انسان گزشتہ اور آئندہ زمانوں پر نظر جمائے رہے۔
ہمارے اکثر مصائب و آلام کا یہ سبب ہے کہ ہم آئندہ زمانے کو حال پر
قربان کر دیتے ہیں۔ اور آئندہ کی خیالی خوشیوں اور راحتوں میں مست

ہو کے فی الحال مطمئن ہیں۔ یہ مثل بیچ ہے کہ "ایک پرند جو ہاتھ میں ہے ایسے دو پرندوں سے اچھا ہے جو جنگل میں ہوں" مگر یہ بھی ممکن ہے کہ جو پرند سامنے بھاڑی میں بیٹھا ہوا ہے کبھی خیرے میں آئے ہی نہیں۔ لیکن آئندہ زمانہ ایک دن ضرور آئے گا۔ اور بقول رسکن کے "وہ لوگ بہت خوش ہیں جنکی مسرت دماغ میں ہے۔ اور حوصلہ جنت میں"

ہم اگر آئندہ کا خیال رکھتے تو زیادہ غلطی میں ہرگز نہ پڑتے۔ کیونکہ انسان کا فقط یہ کام ہے کہ ناپائدار اور فانی چیز سے قطع تعلق کرے جس کے ساتھ سچی زندگی ہرگز نہیں رہ سکتی۔ بس انا کام اُس نے کر لیا تو وہ ازلی خدا اپنی تمام رحمتوں کے ساتھ اُس پر نزول فرمائے گا اور اُس کے ساتھ ہی رہے گا۔ کیونکہ شکیسپیر کہتا ہے "ہمارے شکوک دغا باز ہیں۔ اور اُس اچھی چیز کو جسے ہم غالباً حاصل کر لیتے ہمارے ہاتھ سے چھڑا دیتے ہیں۔ اور صرف اتنا خوف دلائے کہ اس میں کوشش کرنی ہوگی"

ہمت فقط ایک اعلیٰ انسانی صفت ہی نہیں ہے بلکہ انسانیت کے اصلی جوہر کا ایک جز ہے۔ مرد کو مردانیت ہونے کے لیے جری ہونا چاہیے۔ اسی طرح عورت کو عورت ہونے کے لیے لطیف مزاج ہونا شرط ہے۔ مگر باوجود اس کے مردوں کو جیسے بہادر ہوں ویسے ہی لطیف مزاج ہونے کی بھی ضرورت ہے۔ اور عورتوں کے لیے ضرورت ہے کہ جتنی لطیف مزاج ہوں اتنی ہی بہادر بھی ہوں۔

کسی کام میں بغیر سوچے سمجھے ہاتھ ڈال دینے کا نام ہمت نہیں ہے۔

ہمت کو اس سے کوئی علاقہ ہی نہیں کہ خطرے کو خفارت کی نظر سے دیکھا جاسے۔ بلکہ اُس سے مردانہ وار مقابلہ کرنے کا نام ہمت ہے۔ بے کار خطرے میں پڑ جانا ہمت نہیں ہے۔ مگر جب کوئی خطرہ آکے پیش ہو جاتا ہے تو اُس کے ساتھ بزدلی بھی آجاتی ہے۔ بہادری اور سکون سے اُس کا مقابلہ کرنا ہی سلامتی کا ٹھیک راستہ ہے۔

میدان جنگ میں دشمن کے سامنے سے بھاگ کھڑا ہونا اپنی جان دینے کا سامان کرنا ہے خاص کر اُن لوگوں کے لیے جو اچیلینہ کی طرح سے یہ خصوصیت رکھتے ہوں کہ سوا ایڑی کے اور کسی جگہ جسم پر چوٹ ہی نہ کھا سکتے ہوں۔

برک کہتا ہے ”کسی چیز کے از حد خوفناک بنانے کے لیے طے العوم اُس کا مجہول الحال ہونا ضروری ہے۔ جب ہم کسی خطرے کی پوری مفصل کیفیت سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ اور آنکھوں کو اُس کا عادی بنا لیتے ہیں تو پھر اُس کے متعلق جو کچھ خیالات ہوتے ہیں اُن کا زیادہ حصہ غائب ہو جاتا ہے۔“ ایک پرانی کہانی ہے کہ ”ہرن پروں سے (جنھیں شکاریوں نے دھوکا دینے کے لیے سامنے کر دیا تھا) پھرک کے شکاریوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ اور ایک شکر نے بھیڑن کے گلے کی گرداڑتے دیکھ کے اُسے دشمن کی فوج تصور کیا اور راہ فرار اختیار کی۔“

عہ اچیلینہ یونانیوں کا اسفندیار ہے جس کی نسبت پرانا شاعر ہومر کہتا ہے کہ سوا ایڑیوں کے اور کسی جگہ وہ چوٹ نہ کھا سکتا تھا۔

تم کو چاہیے کہ رُکے تھے اور اوالاعزم رہو۔ اور خطرے کے کاٹھون میں سے سلامتی کے پھول چن لو۔ ایک مشرقی مثل ہے۔ ”سلامتی کے دامن میں قناعت کے پاؤں پھیلا دو۔“

بہت زیادہ کی ہوس نہ کرو۔ اور نہ فوراً ہی کامیاب ہو جانے کی امید رکھو۔ ہر نعمت انھیں لوگوں کو ملتی ہے جنہیں انتظار کرنا آتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ”زندگی کا سب سے زیادہ تاریک سایہ وہ ہے جو انسان کو خود اپنی روشنی میں کھڑے ہونے سے نظر آتا ہے“ ہم لاکھ جتن کریں رنج و غم کا سامنا ضرور ہوگا۔ اور ہمارا فرض ہے کہ اُسے بہادری سے برداشت کریں۔

رچسیر کتا ہے ”جب بُرے دن آئیں اچھے دنوں کو یاد کر لیا کرو۔ جان لو کہ برداشت کرنا اور قوی دل رہنا کتنا بڑا کام ہے“ ہمارے پاس بقول ٹیکسپیئر کے یہ تسلی کی بات ضرور ہے کہ ”جو ہونا ہو وہ ہو کیونکہ سخت سے سخت زمانہ بھی گزر جاتا ہے“ بقول جارج میکڈونلڈ کے ”اگر دل سچا ہے اور اُس میں سچی محبت ہے تو زمانہ ہرگز تکلیف نہ دے گا۔ کیونکہ اگر غم لا کھرا پڑ رہا ہو اور اُنسوؤں کا مینہ برسا ہو تو محبت اُسے بدل کے خوشگوار دھوپ بنا دے گی (ہندوستان میں جو ہوپ کی جگہ چاندنی کہا جائے تو زیادہ دلچسپ ہوگا) جاڑے کے بعد گرمی آتی ہے۔ رات کے بعد روز روشن ہوتا ہے۔ اور طوفان کے بعد سکون“ ہمارا سہ چاہے کیسا ہی تاریک ہو مگر خیال رکھو کہ زمانہ سخت ترین المون کو

بھلا دے گا۔ ممکن ہے کہ رات تکلیف میں بسر ہو۔ مگر صبح کو آرام حاصل ہو جائے گا۔

لانگ فیلو کہتا ہے۔ ”اسے غمزہ دل خاموش رہا اور اس لال سے باز آ! بادلوں کے اُدھر آفتاب اب بھی چمک رہا ہے۔ جس طرح تیری قسمت ہے ویسی ہی اور لوگوں کی بھی ہے۔ جہان زندگی ہے وہاں تھوڑا پانی ضرور برستے گا۔ اسی طرح چند روز تاریکی اور تنہائی کے بھی ہوتے ہیں۔“

اگر کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہو جو بظاہر بد قسمتی معلوم ہوتی ہے تو یقین جانو کہ آخر میں ایسا نہ ہو گا۔ ظاہری صورت اکثر دھوکا دینے والی ہوتی ہے۔ ہم ایسی دنیا میں نہیں رہتے ہیں جس میں ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر امت ہار دی جائے۔ غم و الم اکثر دوستوں کے بھیس میں آتے ہیں۔ بلسن نے اپنی اُس آنکھ کو جو ضائع ہو چکی تھی دوسری طرف کر لیا کیونکہ فوج کو جو واپسی کا اشارہ کیا گیا تھا اُسے وہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

سیرایم گرانٹ ڈف اپنی ”رینان کی دلچسپ سوانح عمری“ میں کہتے ہیں ”بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کی زندگی سے ہمیں کوئی سروکار یا دلچسپی نہیں ہوتی مگر اُن کی موت پر ہم حد کرتے ہیں۔“ تاریخ میں دیکھو جس طرح بہتوں کے لیے ابدی زندگی کا ذریعہ تاج و تخت ہوا ہے ویسے ہی بہتوں کے لیے قتل گاہ ہوئی ہے۔ اگر ہم تکلیف میں ہیں تو باتو اُس میں خیر ہمارا تصور ہو گا یا ہماری وہ تکلیف

عام خلق اشد کی رفاہ کے لیے ہوگی۔

شیکسپیر کہتا ہے "عقل مند آدمی اپنے نقصان پر بیٹھ کے روتے نہیں بلکہ شگفتگی کے ساتھ اُس مصرت کے دور کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہوتے ہیں"

علاوہ برین جب ہم زندگی کی بیشمار نعمتوں سے لطف اٹھائیں اور شکر گزار ہوں تو اُس وقت، ہمیں اپنے آلام دہوم پر اس طرح نظر نہ ڈالنی چاہیے کہ گویا ہم کو فقط غم ہی سے سابقہ رہا۔ مستقل اور غیر متغیر کامیابی سے کوئی شخص اچھا نہیں ہو جاتا۔ اُس کی یہ کامیابی اگر ایک حد سے گزری ہوئی آزمائش نہ بھی ہو تو یقیناً اُسے بھکانے اور مضمحل کرنے والی ہوگی۔ دشواریوں پر غالب آنا۔ ہوسوں کو روکے رہنا۔ غموں کو دلیری سے برداشت کرنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو ترقی دلاتی ہیں۔ قوی بناتی ہیں۔ اور انسان میں ترقی یافتہ اخلاق پیدا کرتی ہیں۔

گے کی کہتا ہے "بڑی بات یہ ہے کہ ہم اُس ابدیت حقیقی کی طرف دوبارہ کے قدم بڑھائیں اور وقار کے ساتھ جائیں، ہم تو (نکلتا نہیں) گرمیوں کی لطیف ہوا اور روشن آفتاب سے نہایت لطف اٹھاتے ہیں مگر قدرت اپنی خوشنمائی و عظمت ظاہر کرنے میں جاڑوں کی برف اور ٹھنڈ ہواؤں کی زیادہ زیر بار ہے۔

کنگلے اپنے ایک قصیدے میں شمالی مشرقی ہوا کے بارے میں ٹھیک کہتا ہے "شیریں جنوبی ہوا کو عشاق کی آہوں کے ساتھ

چلنے دو۔ جبکہ کابل عشق باز حسین عورتوں کی چشم نرگسین کے سامنے
 لطف اٹھا رہے ہوں۔ یہ جنوبی ہوا بجز اس کے کہ دل اور قلم کو کیسا
 طور پر لطیف بنائے اور کیا کرتی ہے؟ یہی سخت اور مفید موسم ہے جس
 میں جفاکش انگریز نشود ناپاکے تیار ہوتے ہیں۔ مگر کالی شمالی و مشرقی ہوا
 جو برف کے طوفانوں میں گونجتی ہوئی آتی ہے وہ ہمارے انگریزی دلوں
 کو جو گویا شاہ بلوط کی مضبوط ٹکڑی کے بنے ہوئے ہیں سمندر کی جانب
 لے جا کے ساری دنیا میں پھرتی ہے۔ آ! اور ہمارے جسم میں انگلیک
 کے پرانے خون کو حرکت دے! دماغ اور رگ چٹھوں میں جستی پیدا کرو
 ہاں اسے خدا کی بھیجی ہوئی ہوا یونہی چلے جا! ۛ

مصائب ایک شمالی و مشرقی نصیحت ہیں۔ جو ہمیں طاقتور

اور مضبوط بناتے ہیں۔

ایکٹے ٹس کتا ہے، تم کیا خیال کرتے ہو کہ اگر شیر اُڑدیا
 بارہ نگھا۔ اور بندھلا۔ جنصین ہر قلوں نے دفع کر دیا تھا نہ ہوتے تو کیا
 ہر قلوں ہونا؟ اگر اس قسم کی چیزیں نہ موجود ہوتیں تو وہ کیا کمال
 دکھاتا؟ کیا یہ صاف طور پر آشکارا نہیں ہے کہ ایسی صورت میں وہ چادر
 تان کے سورتا۔ اور جب وہ اپنی زندگی ایسے خواب نوشین اور عیش
 و تنعم میں بسر کرتا تو ہر قلوں ہر گز نہ مشہور ہوتا۔ اور اگر ہوتا بھی تو کس کام
 ہوتا؟ اگر ایسے واقعات و حالات پیش آکے اُسے زور آزمائی پر نہ آمادہ کرتے
 تو اُس کے زور بازو اُسکے دیگر اعضا کی قوت اُس کے استقلال اور اُسکے

شریفانہ جوش سے کیا نتیجہ حاصل ہوتا ہے؟
 جب سقراط کو سزائے موت دی گئی تو اپولوڈ ورس افسوس
 کرنے لگا کہ ”آپ بیگناہ پہلے گئے ہیں“ اس پر اُس حکیم برحق نے کہا
 ”تو کیا تم چاہتے ہو کہ میں سچ مع مجرم ہو جاؤں؟“
 بطرس حواری کہتا ہے ”یہ بات تعریف کے قابل ہے کہ کوئی
 شخص خدا کی راہ میں مصیبتیں برداشت کرے۔ اگر تم جرم میں سزا پاؤ
 اور اُسے صبر سے برداشت کرو تو یہ کون سی ناموری ہے؟ لیکن اگر تم
 اچھا کام کرو۔ پھر اُس پر سزا پاؤ۔ اور اُسے صبر و شکر سے برداشت
 کرو تو اُسے اللہ جل شانہ ضرور قبول فرمائے گا۔“

سو لکھوان باب

نیکو کاری

یہی نہیں کہ ہمیں دوسروں کے ساتھ ایسا ہی تاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ
 اُن کا برتاؤ اپنے ساتھ چاہتے ہیں۔ بلکہ اُن کے حال پر ویسا ہی مہربان بھی
 رہنا چاہیے جیسا کہ ہم انھیں اپنے حال پر مہربان چاہتے ہیں۔ اگر ہم اُن کو
 معاف نہ کریں تو پھر ہم کیونکر امید کر سکتے ہیں کہ وہ ہمیں معاف کریں گے۔
 علاوہ برین مجموعی طور پر نظر ڈالنے سے ہمیں نظر آئے گا کہ دوسروں کا اندازہ
 نیکی سے کرنا نہ کرنے سے بہتر ہی ہے۔

بعض اشخاص کو خیال ہوتا ہے کہ زندگی کی دشوار منزلوں میں

قدم رکھیں جیسا کہ ہنسی بال نے کوہار آپس کے قطع کرنے میں کیا۔
 اور لوگ بھی ایسے ہی اشیار نفس کے لیے تیار ہیں مگر مرہانی شفقت
 کے اُن جھوٹے جھوٹے کاموں میں غفلت کرتے ہیں جن سے زندگی کی ستر
 اور آب و تاب بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔

گو ہمارے پاس شکایت کرنے کے وجوہ موجود بھی ہوں مگر مصرت
 شاذ ذار رہی ایسی سخت ہوتی ہے جیسا کہ ہم اُسے خیال کرتے ہیں۔ یا ایسی
 کہ اُس کے دُور کرنے کی کوشش سے مصرت اور زیادہ بڑھ جاتی ہو۔
 ہمیں اصلی مصرت سے اتنا ضرر نہیں پہونچتا جتنا کہ اُس کا انتقام لینے
 کی کوشش سے پہونچ جایا کرتا ہے۔ اور جس کسی نے دوسرے کو
 ضرر پہونچانے کی کوشش کی اُسی وقت اُس سے زیادہ نقصان خود اٹھا
 لیا۔ ”شمد کی کھی جب غصہ سے ڈنک مارتی ہے تو خود مر جاتی ہے۔“

سنئے ہیں کہ گدھ کے دماغ میں بٹرے ہوئے گوشت کے سوا اور
 کسی چیز کی بو نہیں جاتی۔ اور امریکا کے کاٹ کھانے والے کھوے کاموں
 ہے کہ انڈے پھوڑنے سے پہلے ہی کاٹتا اور ساتھ ہی مر جاتا ہے۔

اسی طرح بعض لوگ بھی دنیا میں عیب ڈھونڈتے پھرتے ہیں
 جس حال میں ہو اعتراف کر لینا نکتہ چینی کرنے سے بہتر ہے۔ اور عیب
 نکالنا دراصل سچی نکتہ چینی نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ برتنوں کی الماری
 میں ہڈیوں کا ایک ڈھا نچا رکھا ہوا ہو۔ مگر غالباً اُس میں صرف وہی نہ ہوگا
 کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی۔ ایکلی ہڈیوں سے آدمی نہیں بن جاتا ہے۔

ملن ہے کہ نکتہ چینی پتی ہو۔ لیکن کیا اُس کے سوا اور کوئی پستی
 بات نہیں ہے؟ تھئیٹر کے پردوں کے پیچھے (اسٹیج کے اندر) جا کے دیکھنا
 بہت ہی دلچسپ ہوتا ہے۔ مگر تا نا دیکھنے کے لیے وہ بہترین جگہ نہیں ہے۔
 کوشش کرو کہ لوگوں کے متعلق بھی اور زندگی کے بارے میں بھی
 تمہاری نظر بھلائیوں پر پڑے نہ بُرائیوں پر۔ بس اتنی کوشش کرو
 اور تمہیں وہ اصلی چیز نظر آجائے گی جو دیکھنے کے قابل ہے۔

ہمیشہ محل سے کام لو۔ ہم جانتے ہیں کہ بچے ضدی ہوتے ہیں
 مگر دس میں سے نو واقعات میں اس کا باعث صرف یہ نظر آئے گا کہ انہیں
 تکلیف پہنچتی ہے۔ اور امور کی طرح اس باب میں بھی تم سمجھ لو کہ سب زن
 و مرد وہ بچے ہی ہیں جو بڑھ کے بڑے ہوئے ہیں۔ جن لوگوں کو ہم جھگڑاؤ
 دیکھتے ہیں اگر اُن کے تمام واقعات سے ہم باخبر ہوں۔ اور اگر ہمیں معلوم
 ہو کہ اُن کے دل دیکھتے رہیں تو اکثر کے بارے میں یہی ہو گا کہ بجائے
 اس کے کہ اُن پر غصہ آئے ہمیں اُن کے حال پر ترس آجائے گا۔

ہم کسی لوہے یا رستے میں تو تیار داری کے لیے کیسے تیار ہو جاتے ہیں؟ کوئی تدبیر
 اور دوڑ دھوپ اٹھانیں رکھتے۔ اور جو تدبیر خیال میں آتی ہو کرتے ہیں۔ مگر یہ بڑا
 بیماری جی ٹکس کبوں محدود ہے؟ کیا اچھا ہوتا کہ ہم اُن پر ہمیشہ ایسے ہی رہیں؟ اور ان کی نیکیاں کرتے
 ہم دوسروں کی سخت فکروں۔ المون۔ اور اُن کی پوشیدہ تکلیفوں
 سے واقف نہیں ہیں۔ واقف ہو جانے کے بعد بھی اگر تمہیں شکایت
 کا محل نظر آئے تو اُسے معاف کر دو۔ اس کا اندیشہ نہ کرو کہ تمہیں بہت

زیادہ معاف کرنا پڑے گا۔ ہر معاملہ میں اور ہر شخص کے ساتھ وہی کارروائی کرو جو سب سے اچھی ہو۔

یہ ایک عمدہ لاطینی کہاوت ہے کہ ”مردوں کا ذکر اچھائی سے کرو“ مگر اس سلوک کو مردوں ہی تک کیوں محدود رکھا جلتے؟ یہ کیا بات ہے کہ متقدمین ایک کلمہ خیر یا کسی اچھے کام کے متعلق ہم بہت سی بیہودہ کہانیاں اور ناپسندیدہ نشریں سننے لگتے ہیں۔ اس سے کسی قدر بڑھ ہی کے اچھا ہوتا اگر لوگ زندہ لوگوں کا ذکر بھی اُسی طرح کیا کرتے جس طرح کہ مردوں کا ذکر کرتے ہیں۔

دوسروں کو الزام دینے سے اگر تم کلیتہً باز نہیں رہ سکتے تو اتنا ہی کرو کہ کسی کو الزام دینے میں جلدی نہ کیا کرو۔ اے۔ اے۔ اے۔ پر اکثر کی ایک نظم میں ہے:۔

”کسی کے بارے میں قیاس سے فیصلہ نہ کر لیا کرو۔ تو اس کے دماغ اور اس کے دل کو نہیں دیکھ سکتا۔ تیری خیر آنکھوں کو جو داغ نظر آتا ہے ممکن ہے کہ خدا کی نورانی آنکھوں میں وہ کسی ایسے قیمتی میدان جنگ کے زخم کا نشان ہو جہاں تو ہوتا تو تیرے حواس جاتے رہتے۔ اور بہت بار دیتا“

ایسے موقع ہو سکتے ہیں اور یقیناً ہوں گے جنہیں ناپسندیدگی کا اظہار ضروری ہو۔ لیکن عام اصول یہ بات ہے کہ کسی مہربانی کے لفظ

زبان سے نکالا ہی نہ جائے۔ سڈنی اسمتھ کے حالات میں ہے کہ اپنی ایک
 شناسا کے پاس جو بیٹھ بیٹھ چھپے اسے بڑا بھلا کہہ رہا تھا یہ پیام کھنڈا بھیجا، جس وقت
 میں موجود نہ ہوں اس وقت اگر آپ مجھے ٹھوکر بھی ماریں تو میں آپ کا خیر
 مقدم ادا کروں گا، تاہم ہم میں اکثر لوگ ایسے ہیں جن میں اگر کوئی عیب
 ہو اور دوبارہ دیکھ دیا جائے تو سن لیتے ہیں۔ لیکن جب اُن کو بیٹھ بیٹھ الزام
 دیا جائے جہاں وہ جواب دینے کے لیے موجود نہ ہوں تو برا مانتے ہیں جب
 تم دوسروں کی بیوقوفیاں بیان کرتے ہو تو لوگ تمہارے ساتھ شریک
 ہو کے ہنستے اور بظاہر خوش ہوتے ہیں۔ مگر یقین جانو کہ نتیجہ میں یہ خیال
 اُن کے دلوں میں ضرور گزرے گا کہ کبھی یہ ہم پر بھی یونہی نہیں ہنسے گے۔
 اور اسوقت وہ تمہاری نسبت اچھی رائے نہ قائم کریں گے تو ایگ گھڑی بھر کے
 لیے دوسروں پر ہنسنے میں تمہارے ساتھ شریک ہو گئے ہوں۔

جانوروں کے بارے میں بھی مجھے دو کلمہ کہہ دینا چاہیے۔ حکیم
 سیدگانے ٹھیک کہا ہے کہ کٹیوں۔ کندھوں۔ جانوں۔ اور کتوں اور
 ہمیں اب بند و قون کو بھی شامل کرنا چاہیے) کے ذریعہ سے ہم ہمیشہ جاندار
 مخلوق سے برسرِ پیکار رہا کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہمیں اپنی زندگی کے لیے ضرورت
 ہو کہ کسی حد تک دیگر حیوانات کو اپنے کام میں لائیں۔ اُن سے منفعت
 اٹھانے کی وجہ سے ہمیں چاہیے کہ جہاں تک سب اُنھیں غیر ضروری ذلت
 پہنچانے سے محترز رہیں۔

در دُور تھ کتا ہے، ہمیں اپنی مسرت یا اپنے فخر و ناز کو ادا کرنے

درجہ کی ذی جس چیزوں کے غم سے آلودہ نہ کرنا چاہیے
 طے ہذا القیاس ٹامس آف کمپس کا قول ہے : اگر تیرا دل سچا ہو
 تو ہر مخلوق نیزے لیے زندگی کا ایک اُئینہ اور مقدس اصول کی ایک کتاب
 بن جائے گا۔

اب ہم مین سے اکثر لوگوں کے نزدیک یہ یقین نہیں ہے کہ جانور
 بھی جان رکھتے ہیں۔ اور غالباً بدھ سے وزے اور کنگسلے تک انسانوں
 کے غالب گروہ کا یہی خیال رہا ہے۔

طیور مین بے شک کوئی ایسی چیز ہے جو خاص طور پر روحانی ہے۔
 بقول ٹامس آف کمپس سینیٹ فرنیس نے اپنی نسبت اس کا بخوبی
 یقین کر کے کہ مین ایک روحانی ہستی ہوں خیال کیا کہ ”کم از کم یہ ممکن ہے
 کہ چڑیاں بھی میری طرح ایک روحانی ہستی رکھتی ہوں۔ اور میری ہی طرح فانی
 گوشت کے جسد میں نمودار ہوئی ہوں۔ اور اس مین انسانی عطیت کا کوئی
 تنزل نہیں تصور کیا کہ ایسی خوبصورت اور ایسی عجیب و غریب مخلوق مین
 (جن کی نسبت اپنے پرانے مذاق کے مطابق اُس نے خیال کیا کہ جس
 طرح ملائکہ آسمان پر خدا کی تسبیح و تہلیل کرتے ہیں وہ جنگلون میں کیا کرتے
 ہیں) اور انسان مین الفت و محبت کا کوئی رشتہ قائم ہو۔

بہر حال چاہے جو ہو مگر یہ یقینی ہے کہ جانوروں کے ساتھ
 مہربانی کا سلوک ہونا چاہیے اور اُن کی تکلیف کا خیال رکھنا چاہیے۔
 اُن کو کوئی غیر ضروری اذیت پہنچانا ظلم ہے۔

ورڈس درتھ اچھے آدمی کی زندگی کا بہترین حصہ اُس کے لطف و محبت کے چھوٹے چھوٹے بے پتہ اور بھولے بسرے کاموں کو بتاتا ہے۔ اور گو لرنج سچ کہتا ہے ”اُس کی عبادت اچھی عبادت ہے جو آدمیوں چڑیوں اور چوہاؤں سب سے اچھی طرح محبت کرتا ہے۔ اور اُسکی عبادت بہترین عبادت ہے جو بڑی پھوٹی تمام چیزوں سے بہت ہی اچھی طرح محبت کرتا ہے۔ کیونکہ پیارا خدا جو ہم سے محبت کرتا ہے اُس نے سب کو بنایا اور سب کو پیار کرتا ہے“

ٹیکسیر کے تمام شاندار فقروں میں ان فقروں سے زیادہ با عظمت نہ ملین گے:-

”رحم کی صفت بے عیب ہے۔ اُس کا نزول دیا ہی عمدہ ہے جیسے کہ مینہ کا برسنا جو آسمان سے زمین پر آتا ہے۔ اُس میں دو ہری برکت ہے۔ ایک برکت اُس کے لیے جو رحم کرتا ہے۔ دوسری برکت اُس کے لیے جس پر رحم کیا جاتا ہے۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ عظمت ہے۔ وہ صاحب تاج بادشاہ پرتاج سے زیادہ زیب دیتی ہے۔ بادشاہوں کا عصا فرمان روائی بے شک اُن کے جلال کی قوت کو ظاہر کرتا ہے جس سے رعب و داب وابستہ ہیں۔ اور جس سے بادشاہوں کی ہیبت و سطوت نمایاں ہوتی ہے۔ لیکن رحم اُس عصا سے سلطنت پر بھی بالا ہے۔ اُس کا سریرِ زمان روائی بادشاہوں کے دلوں میں بچھتا ہے۔ اور وہ ایک ایسی صفت ہے جو خاص اشد جلشانہ کی جانب منسوب ہے۔ اور جب رحم اپنی عدالت شروع

کرتا ہے تو دنیوی طاقت سے شان ربانی نمودار ہونے لگتی ہے ۛ
 نیکی اکثر خیرات کے مرادف خیال کی جاتی ہے۔ اور حقیقت میں یہ
 ٹھیک بھی ہے۔ جیسا کہ مشہور یونانی الفاظ میں ہے ”تمام آدمیوں کو اجنبی
 ہوں یا غریب زیووس (سب سے بڑا دیوتا = مہادیو) کے پاس سے روزی
 پہنچتی ہے۔ اور خیرات چاہے کیسی ہی ذرا سی ہو شیرین ہے ۛ
 باوجود اس کے خیرات نیکو کاری کی صرف ایک صورت ہے۔
 لیکن مخصوص تر صورت۔ اور وہ صورت جو اگر عقلمندی سے نہ عمل میں
 لائی جائے تو بجائے فائدے کے زیادہ ضرر پہنچا دیتی ہے۔
 بہت زیادہ اہمیت اس کو ہے کہ دل عین درد اور محبت ہو۔
 پلوپ کتا ہے ۛ (خداوند!) مجھے یہ سکھا کہ دل میں دوسرے کی تکلیف کا
 درد پیدا ہو۔ اور جن کے عیبوں کو دیکھ کر چھپاؤں۔ اور میرے حال پر
 ایسا رحم کر کہ میں دوسروں کے ساتھ رحم ظاہر کر سکوں ۛ
 تھیں جو اذیتیں پہنچیں انھیں بھلا دو۔ مگر دوسروں کی
 مہربانیوں کو ہرگز نہ بھولو۔ شیکسپیر کتا ہے ”ایک احسان فراموش
 بیٹا رکھنا سانپ کے دانت سے بھی زیادہ کاری ہے ۛ
 سینکا کا قول ہے ”دنیا میں کتنے ہیں جو دن کی روشنی کو نہیں
 برداشت کر سکتے مگر پھر بھی آفتاب نکلے ہی جاتا ہے ۛ
 جو لوگ دوسروں کو معاف نہیں کرتے وہ خود معاف کیے جانے
 کی امید نہیں کر سکتے۔

ڈاکٹر ٹیلر کہتے ہیں: "غرض کرو تھین یہ اندیشہ ہو کہ مرنے کا وقت آگیا۔ موت سر پر کھڑی ہے۔ اور تم کو اس عادل حقیقی کے دربار میں برہنہ اور بنیادپوشی کے پیش ہونا اور اس کی جواب دہی کرنا ہے کہ دوسری مخلوقوں کے ساتھ تمہارا کیسا برتاؤ رہا۔ اُس وقت یہ خیال کہ جن لوگوں سے تم کو دکھ پہنچا تھا اُن کے ساتھ تم نے سنگدلی اور بے رحمی کی کس قدر تکلیف دینے والا ہو گا۔ اور کیا اس سے بھی بڑھ کے کوئی چیز تمہاری نظر میں اُس عدالت کو زیادہ خوفناک ثابت کرنے والی ہو سکتی ہے؟ دوسروں سے درگزر کرنا ہی ایک ایسی چیز ہے جو اُس وقت تمہارے کام آئے گی۔ اور اس کے سوا اور کسی بات سے تھین مغفرت کی امید نہیں ہو سکتی ۛ

افسین انڈیون کی جانب حضرت مسیح نے تمثیلاً اشارہ فرمایا ہے کہ: "اگر تم اپنے ہر بھائی کی چہرہ دستیوں کو دل سے معاف نہ کرو دے گے تو میرا آسمانی باپ بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرے گا ۛ

یہ ربانی فرمان کہ دشمنوں سے جو ایذا میں پہنچی ہیں معاف کر دی جائیں۔ اور اُن کے ساتھ محبت رکھی جائے باوجودیکہ دیگر مذاہب کے لھول اخلاق میں بھی موجود ہے مگر خاص مسیحی تعلیم ہے۔ انجیل مقدس بار بار زور دے کے کہتی ہے: "کیونکہ اگر تم لوگوں کی ایذا رسانیوں کو معاف کر دے گے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ لیکن اگر تم لوگوں کی ایذا رسانیوں کو نہ معاف کر دے گے تو تمہارا آسمانی باپ تمہارے گناہوں کو ہرگز نہ معاف کرے گا ۛ

نہیں معاف کرنا ہی کافی نہیں ہے۔۔۔ یمن اس سے بھی بڑھ کے
 کرنا چاہیے۔ انجیل مقدس میں ہے۔ ”میں کتنا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے
 محبت کرو۔ جو تم پر لعنت بھیجے تم اُس کو دعا دو۔ جو تم سے نفرت کرے
 تم اُس کے ساتھ بھلائی کرو۔ اور اُن لوگوں کے حق میں دعاے خیر کرو جو
 تمہاری تحقیر کریں اور تم پر جور کریں۔ تاکہ تم اپنے اُس باپ کے فرزند بن
 سکو جو آسمان پر ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنا آفتاب اسلئے بنایا ہے کہ بُرے
 بھلے سب پر طلوع کرے۔ اور عادل و ظالم سب پر اپنا مینہ برساتا ہے۔“
 سنٹیٹ پال نیکو کاری کی نسبت کہتا ہے : نیکی بڑی برداشت
 والی ہے۔ اور مہربان ہے۔ نیکی حاسد نہیں۔ نیکی اپنی بڑائی نہیں کرتی۔ اپنے
 اوپر چھوٹی نہیں۔ کوئی نامناسب برتاؤ نہیں کرتی۔ اپنا مطلب نہیں ڈھونڈتی۔
 ذرا سے میں چڑھ نہیں جاتی۔ بُرائی کا خیال بھی نہیں کرتی۔ باطل سے نہیں
 خوش ہوتی مگر حق سے مسرور ہوتی ہے۔ تمام باتوں کو انگیز کرتی ہے۔ تمام
 باتوں کا یقین کرتی ہے۔ سب چیزوں کی امید رکھتی ہے۔ اور سب چیزوں
 کا تحمل کرتی ہے۔“

انجیل میں ہے : ”نیکی ہرگز ناکام نہیں ہوتی۔ اگر پیشین گوئی ان
 ہیں تو وہ پوری نہ آئیں گی۔ اگر زبانیں ہیں تو وہ رُک جائیں گی۔ اگر
 علم ہے تو وہ محو ہو جائے گا۔ بس نقطہ یہ نہیں چیز بن رہ جاتی ہیں۔ ایمان۔
 امید۔ اور نیکی۔ مگر ان تینوں میں سب سے بڑی نیکی ہے۔“

سترھواں باب

چلن

محض دنیوی عروج کے لحاظ سے دیکھا جائے تو انسان کی ترقی میں جتنا دخل چلن اور استقلال کو ہے نہایت دہو شکاری کو نہیں۔ گو کہ میں چلن کی اہمیت کو اس قسم کے کسی خیال پر متبنی نہ کروں گا تاہم اور کسی حیثیت سے بھی اُس کی ادویت اس سے کم نہیں ہے۔ سچ کے جاننے سے سچائی پر عمل کرنا زیادہ مستمر باشان ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ ہم دنیا میں سرسبز و شاد کام ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں ٹھیک اسی راستہ پر چلنا چاہیے۔ روشن کاموں ہی سے روشن دن آتے ہیں۔

زندگی کی قدر و قیمت کا اندازہ اُس کی اخلاقی حالت سے ہوتا ہے۔ کبیل کہتا ہے: "بس دل میں ٹھان لو کہ اپنے کائنات کی ہدایت پر عمل کرنے میں تم تردد اور پس و پیش نہ کرو گے پھر سمجھ لو کہ ہر ایسی نعمت جس کی کسی گنہگار آدمی کو امید ہو سکتی ہے اُس کی کبھی تمھارے ہاتھ میں ہے" اپنے فرض کے بجالانے میں غفلت یا بیت دلیل کرنے سے تم زندگی کی طولانی دوڑ میں اپنی مسرت کو ہرگز نہ بڑھا سکو گے۔ بقول درویش درتھ کے اس بات کی خصوصیت جس قدر ایک غفلند آدمی کے لیے ہے اتنی ہی ایک اچھے آدمی کے لیے بھی ہے کہ "وہ بزدلانہ خوف و خطر کو پاس نہیں بھٹکتا۔ اپنے فرائض کی انجام دہی میں بھروسہ کے ساتھ کام کرتا ہے۔ ہزار باخطر و کا

تقابلہ کرتا ہے۔ اور خدا پر بھروسہ کر کے سب پر غالب آتا ہے ۱۱

زندگی کے کامیاب بنانے کے لیے کس چیز کی ضرورت ہے؟

بلیکلی کے قول کے مطابق وہ صرف ایک چیز ہے۔ روپیہ نہیں چاہیے۔ طاقت کی ضرورت نہیں۔ ہوشیاری کی احتیاج نہیں۔ شہرت کی حاجت نہیں۔ آزادی کی ضرورت نہیں۔ حتیٰ کہ اکیلی تندرستی بھی وہ چیز نہیں جس کی ضرورت ہو۔ وہ صرف چلن ہے۔ وہ اسے جسے خوب شائستہ بنایا گیا ہو اکیلی وہی وہ چیز ہے جو حقیقت میں ہمیں بچا سکتی ہے۔ اور اگر ہم اس خاص حیثیت سے نہ بچ سکے تو یقیناً تباہ ہوں گے ۱۲

نہارا چلن دیا ہی ہو گا جیسا کہ تم اُسے بنانا چاہو گے۔ ہم سب شاعر یا موسیقی دان یا بڑے مصور۔ یا صاحب علم نہیں ہو سکتے۔ بقول **مرقس** اور **سے لیوس** کے ”ان کے سوا اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کی نسبت تو نہیں کہہ سکتا کہ میں نظر اُن کے لیے بنا ہوں۔ لہذا اُن صفات کو اختیار کر جو فی الجملہ تیری اقتداری ہیں۔ وہ کیا ہیں۔ خلوص۔ ستائش۔ جفاکشی۔ ترک عیش۔ فیاضی۔ راست بازی۔ فضول باتوں سے احتراز۔ لغویات سے بچنا۔ اور آواز نرملی۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ کتنے ایک صفات ایسے ہیں جن کے حاصل کرنے کے لیے تو اسی وقت تیار ہے جن کے بارے میں فطری ناقلیت یا غیر موزونی کا عذر نہیں پیش کیا جاسکتا؟ اور باوجود اس کے تو خود ہی ہستی میں پڑا ہوا ہے۔ یا اس وجہ سے کہ نظرت نے تجھے غیر مکمل رکھا ہے کیا تو اس بات پر مجبور ہے کہ شکایت کرے۔ ذلیل دحقیر بنے۔ خوشامید ہے

اپنے جسم میں عیوب نکالے۔ لوگوں کے خوش کرنے کی کوشش کرے۔ تقدیر سے ناراضی ظاہر کرے۔ اور اپنے دل کو چین نہ لینے دے؛ خدا کی قسم ایسا نہیں ہو۔ چاہیے تھا کہ تو مدتوں پیشتر ہی ان چیزوں سے نجات پا چکا ہوتا۔ اگر توفی الواقع ایک حد تک کاہل اور غبی ہونے کا ملزم قرار دیا جاسکتا ہے تو تجھے اس بارے میں اور کوشش کرنی چاہیے نہ یہ کہ غفلت کرے اور کاہلی ہی سے لطف اٹھاتا رہ جائے۔

کوئی ایسا کام ہرگز نہ کرو جس پر تھیں شرمندہ ہونا پڑے۔ ایک اچھی رائے ہے جو تمہارے حق میں نہایت بکار آمد ہو سکتی ہے۔ وہ یہ ہے جو سنیکا لکھتا ہے کہ ”ایک مطمئن دل ایک مسلسل قائم رہنے والی ضمانت ہے۔“

فریڈکلن کی نہایت اعلیٰ نصیحتوں کے ہم شکر گزار رہیں۔ مگر اس

نے ایک ایسی تدبیر بتائی ہے جس کی میں تائید نہیں کر سکتا۔ صفات حسنہ کی ایک واضح و مختصر فہرست دینے کے بعد وہ لکھتا ہے ”میرا ارادہ تھا کہ ان سب صفات کو حاصل کروں۔ میں نے تصفیہ کیا کہ ان سب کے یکبارگی حاصل کر لینے کی کوشش کرنا مناسب نہ ہو گا۔ بلکہ ہر ایک کی تحصیل کے لیے زمانہ مقرر کرنا چاہیے۔ تاکہ جب ایک کو حاصل کر چکوں تو دوسری کی جانب توجہ کروں۔ اور اس کے بعد اور صفات کی تحصیل کی کوشش کروں۔ میں تک کہ پوری تیرہوں صفتیں مجھ میں پیدا ہو جائیں۔ وہ تیرہ صفات یہ ہیں۔ ترک مے کشی۔ خاموشی۔ باضابطگی۔ استقلال۔ کفایت شعاری۔ صفت و حرمت۔ سادگی۔ عدالت شعاری۔ اعتدال۔ صفائی۔ طہارت۔ عفت۔ اور زود بینی۔“

مگر مشکل معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اس تدبیر پر وہ فی الواقع عمل بھی کر سکا ہو۔ کیونکہ مثل مشہور ہے ”اگر تم شیطان کے کسی ایک عزیز کو اپنے گھر میں لے آؤ گے تو آہستہ آہستہ اُس کا سارا کنبہ آپہنچے گا“

میشپ ولسن کہتا ہے ”کسی کی نسبت یہ سن کے کہ اُس نے کسی غریب کو اسلیے روپیہ دیا کہ شراب خانے میں جا کے شراب پیے۔ یا قمار خانے میں پہونچ کے جوا کھیلے۔ یا بازار میں جا کے چند لفو کھلونے خریدے ہیں کس قدر تعجب نہ دے گا؟ تو پھر جس چیز کی اجازت دوسرے کو دینے میں تم ہنسنے جاؤ گے اُس کے تم خود کیون مرتکب ہو؟“

اپنی نظر اونچی رکھو نیچی نہ رکھو۔ لارڈ بکنس فلیڈ کا قول ہے جو شخص اپنی نظر اونچی نہیں رکھتا اُس کی نظر کو نیچا ہونا پڑے گا۔ اور جس کی ہمت بلند نہیں اُس کی قسمت میں ہے کہ بہت ہو کر رہے۔“

چوٹا بیل کی نظم میں ہے ”وہ آہ کون شخص لاپرواہی کے ساتھ کہہ سکتا ہو کہ شہرت بجز خالی نام کے اور کوئی چیز نہیں؟ جبکہ اُس آواز میں ایک جادو موجود ہے جو دلی جذبات کو اُس کی طرف کھینچتا اور دونوں میں ایک گرمی پیدا کرتا ہو۔ جس طرح کہ نامور مرحومین سلف کو یاد کر کے نوجوان آدمی اپنے شباب کے بستر سے چونک کے اٹھ کھڑا ہو گا اور دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھا کے اور پھیلا کے

ع۔ جوناہلی انگلستان کی ایک مشہور مصنفہ ہے۔ ۱۷۶۲ء میں پیدا ہوئی تھی اور ۱۸۴۱ء میں وفات پائی گو اُس کی زندگی سچے مذاق مصنفین کے مطابق عزت و تہنائی میں گزری مگر پھر بھی کوئی مشہور صاحب مصنف نہ تھا جو چند روز اُس کا ہمان نہ رہا ہو۔

عہد کرے گا کہ میں بھی دیسے ہی شریفانہ کام کروں گا۔

اس میں شک نہیں کہ حقائق انیا کے لحاظ سے معمولی قسم کی اُلو الغز میان ہمیں بالکل اپنے حوصلہ کے زیر اثر نظر آتی ہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ ہمارے بڑے سے بڑے لوگ شکسپیر اور ملٹن۔ نیوٹن اور ڈارون۔ اُن خطابوں کے مطلقاً زیر بار احسان نہیں ہیں جو سلطنت سے مل سکتے ہیں۔ اُلو الغز می کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ انسان کا دل کسی طرح بھر نہیں چکتا۔ جیسے پہاڑوں پر چڑھنا کہ جب ایک چوٹی تک پہنچ چکے ہیں تو دوسری چوٹی نظر آتی ہے۔ اعظم ترین تاتخون شکا سکندر اور نیپولین کا حوصلہ کبھی نہیں پورا ہوا۔ بے محل اُلو الغز می کے گھائل نہ کبھی چین پاتے ہیں اور نہ کبھی شکر گزار ہوتے ہیں۔ بلکہ کہتا ہے ”جو شخص آگے ہی بڑھتے چلے جانے کا شیدائے اُسے رکنا پڑتا ہے۔ وہ خود اپنی نظر سے گر جاتا ہے۔ اور وہ چیز ہی نہیں باقی رہتا جو کہ تھا۔“

تاہم شاعر کے ہم زبان ہو کے یہ کہنا کہ ”شاندار زندگی کی مصروفیت کا ایک گھنٹہ گناہی کی ایک عمر سے بہتر ہے“ حستے گزر جاتا ہے۔

خود غرضانہ اُلو الغز می غول بیابان کی طرح ایک جگہ گانے والا دھوکا ہے۔

ان۔ پی۔ ولسن اپنی نظم میں کہتا ہے ”وہ ایک معزز فریب ہے۔ وہ خوش نصیب بڑے کا کرہ ڈھونڈ سکتی ہوتی ہے۔ اُس کی حقیر کھڑکی کھول کے اندر داخل ہوتی ہے۔ اُس کے آتے ہی تنگ دیوارین پھیل کے دیں ہوتی ہیں۔ مکان ایک شاہانہ قصر بن جاتا ہے۔ چھت بلند ہوتے ہوئے آسمان سے

جالگتی ہے۔ اور نہ نظر آنے والی غیب کی انگلیاں چھت پر اٹلے درجہ کے منہر
نقش و نگار بنادیتی ہیں۔ اور سب سے بالا اُس کے نام کو دکتے ہوئے حروف
میں لکھ دیتی ہیں۔

۱۰ اور اس کا انعام کیا ہے ؟ سب سے بڑھ کے ناموری۔ جس میں
پہلے تعریف ہوتی ہے۔ جب اُسے سنتے سنتے بھر جائیں تو زر۔ جب وہ جس
جو سیم دزد سے خوش ہوتی ہے مردہ ہو جاتی ہے تو ہار۔ جب وہ بال جن
کی اُن ماروں سے زینت تھی سفید ہو جائیں تو شہرت۔ پھر جب دل جوان نعمتون
پر اُچھلنے لگتا ہے بے حس ہو جائے تو اور باقین مگر محبت نہیں۔ حالانکہ محبت ہی وہ
چیز ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ پھر اس کے بعد ہی موت آپہنچتی ہے۔
اور قبل اس کے کہ ہمیں یہ بھی معلوم ہونے پائے کہ یہ غیر سود مند نعمتیں ہمیں ملی
تھیں یا کسی اور کو ہمیں برہنہ اور بیک بینی دو گوش قبر میں پہونچا دیتی ہیں۔
نقطہ عالی خاندان ہونے سے کیا مل جاتا ہو؟ میری ڈی میڈی سس
جو فرانس کی ملکہ۔ مملکت فرانس کے نظم و نسق کی مالک۔ بادشاہ فرانس کی مان۔
اسپین کی ملکہ۔ انگلستان کی ملکہ۔ اور سیواس کی نواب بیگم تھی عرض کتنی ایک
غزتیں رکھتی تھی۔ مگر باوجود اس کے اُس کے بیٹوں نے اُسے چھوڑ دیا۔ اپنی
قلمرو میں اُس کے آنے کے بھی روادار نہ تھے۔ اور آخر دس سال کی تباہیوں
کے بعد وہ غم کو نیا میں فاقہ کر کر کے مر گئی۔

دنیا کے سارے تاج کم و بیش کاٹھون کے تاج ہیں۔ تاج پوشون
کی جیسی جس ہو اُسی کے مطابق اُن پر ذمہ دار یوں کا سخت بار ہا کرتا ہے۔

جب کوئی غلط فیصلہ ہزار باخلقت کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے تو اُس کی تکلیف محسوس نہ کرنا غیر ممکن ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ترقی سے چاہے وہ کتنی ہی آہستگی کے ساتھ ہونے لگی پھر لطف ہو جاتی ہے۔ اور بغیر اُس کے ناقابل برداشت رہتی ہے۔ کیونکہ ٹریجی کتا ہے ”ایسے اوقات آتے ہیں جبکہ تمام لوگ اپنی آرزوؤں سے مسرور ہوتے ہیں۔ اور انھیں زیادہ ترقی دینے کے لیے خوشی کے ساتھ نعمت و سرور غرض بخوانی۔ اور اسی قسم کی اور چیزوں سے تائید حاصل کرتے ہیں انسان اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ بڑھے نہ اس لیے کہ ایک ہی حالت پر پڑا رہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ ایک حالت پر کسی طرح قرار نہیں لے سکتے۔ ہمارے لیے لازمی ہے کہ آگے بڑھیں یا مرجائیں۔ مگر باوجود اس کے اپنے حوصلوں میں ہمیں وسائل ترقی اور نیز انجام سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ ایک ظاہری ترقی اگر ناجائز وسائل سے حاصل بھی ہو گئی ہو تو دراصل وہ تنزل ہے۔ تو پھر ہم کیونکہ اپنی ان دونوں فطری ضرورتوں کو ہم آئنگ بنا سکتے ہیں ہمارا حوصلہ یہ ہونا چاہیے کہ خود اپنے اوپر حکومت کریں جو کہ ہم میں سے ہر ایک شخص کی سچی سلطنت ہے۔ اور سچی ترقی یہ ہے کہ زیادہ چاہیں۔ زیادہ بڑھیں۔ اور زیادہ کام کریں۔ اس ترقی میں ٹھہرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ ہر ہر قدم پر وہ زیادہ مضبوط ہوتی جائے گی نہ مخدوش۔ پہلی اور سب سے اعلیٰ ترقی جو انسان حاصل کر سکتا ہے اپنے فرض منصبی کا بجالانا ہے۔

مسٹر کریک اپنے اشعار میں کہتی ہیں : نہ اُسے شاعرانہ مدح خوانی

تاج پختی ہے۔ رسم درواج اُسے اپنی بیڑیاں بچاتے ہیں۔ نہ دوستوں کی تحسین کی ضرورت ہے۔ نہ دشمن الزام دیتے ہیں۔ موت بغیر کسی شان و شوکت یا حسن و جمال کے اُسے ایک ایسا دیانت دار آدمی پاتی ہے جو اپنے فرض منصبی کو بجالاتا ہو۔

کہتے ہیں کہ ”ناموری“ کا لفظ ڈیوک آف ولنگٹن کے مراسلات میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ اُس کی زندگی کا شعار ”فرض“ تھا۔

بغیر اس کے کہ ہمت میں فرق آئے اپنے آپ کو ولی اور دانا ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ بائرن کتا ہے ”فضول خود نمائی نے بھی شہرت کا ایک صحیح راستہ اس طریقہ سے پایا ہے کہ تاریخ کے بیکار صفحہ پر دس ہزار فاتحوں کے مقابلہ میں صرف ایک دانا آدمی منتخب کر لیا۔“

آج کے سو برس بعد کیا امتیاز باقی رہے گا کہ تم بالدار تھے یا محتاج؟ نواب تھے یا کسان؟ مگر کیا اس کا امتیاز بھی مٹ سکتا ہے کہ تم نے جو کچھ کیا وہ ٹھیک تھا یا غلط؟

رسکین کتا ہے ”جو ہم خیال کرتے ہیں۔ یا جو ہم جانتے ہیں۔ یا جس چیز کا ہم یقین رکھتے ہیں انجام میں سب بے نتیجہ ہیں۔ بالنتیجہ چیز فقط یہ ہو کہ ہم کیا کرتے ہیں۔“

ایلوب کی نظم میں ہے۔ ”دانائی کمان ملتی ہے؟ اور سمجھ کمان رہتی ہے؟ انسان نہیں جانتا اور نہ اُنکی قیمت جانتا ہے۔ وہ زندگی کی زمین پر نہیں ہے۔ پستی کہتی ہے کہ وہ مجھ میں نہیں۔ سمندر کتا ہے مجھ میں بھی نہیں۔“

اشرفیان دینے سے دستیاب نہیں ہو سکتی۔ اور نہ روپیوں سے اُس کی قیمت پوری ہو سکتی ہے۔ سونگے یا موتی کا نام نہ ہو۔ اسلئے کہ دانائی کی قیمت یا قوت سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ دانائی کیا ہے؟ خدا کا خوف اور سمجھ کیا ہے؟ بُرائیوں کو چھوڑ دینا۔

دیانت دار اور راست باز رہو۔ جے۔ اِن۔ پال۔ رحیم کا قول ہے ”پہلا گناہ جس کا مجرم شیطان ہوا وہ جھوٹ ہی تھا۔ دیانت داری سب سے اچھی اور صحیح پالیسی ہے“ عام مثل ہے ”ایک جھوٹی ترازو خدا کی ناراضی کا باعث ہے مگر سچی تول مین اُس کی خوشنودی ہے“

چاسم کہتا ہے ”انسان جس اعلیٰ ترین نعمت کا مالک ہو سکتا ہے وہ سچائی ہے“ کلے زملڈن فا کلینڈر کی نسبت کہتا ہے ”وہ سچائی پر اس قدر فریفتہ تھا کہ چاہو تو آسانی سے اُس کی زبان سے چوری پکڑ لو یا اُسے اپنے خیالات چھپانے کا الزام دے دو“

پلوٹمارنچ کہتا ہے ”حق سے گریز کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان خدا کی تحقیر کرنا اور انسان سے ڈرتا ہے“

یہ اچھا ہے کہ تم اپنی غلطی پر نادم ہو مگر اُس کا اقرار کرنے پر ہرگز نہ شرمناؤ۔

میکسمو لمر کا بیان ہے۔ ”ایسے بیشمار صفات ہیں جو انسان کو انسان اور اُس کام کے لیے موزوں بناتے ہیں جو اُس کی غرض تخلیق ہیں۔ لیکن اُن میں سے ایک ایسی صفت ہے جو بالکل اصلی ہے۔ جس کے بغیر آدمی

آدمی نہیں ہو سکتا۔ جس کے بغیر کبھی کسی کو اعلیٰ زندگی نہیں نصیب ہوئی جس کے بغیر کبھی کوئی بڑا کام تکمیل کو نہیں پہنچا۔ وہ صفت سچائی ہو۔ وہ سچائی جو اندرونی طور پر سچائی ہو۔ اُن تمام لوگوں کو دیکھو جو حقیقت میں بڑے پایہ کے لوگ ہوئے ہیں۔ ہم انھیں کیوں بڑا اور اچھا کہتے ہیں؟ اس لیے کہ وہ خود ہی اپنی نظر میں سچے ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اور وہ وہ چیز ہونے کے مدعی ہو سکتے ہیں جو کہ وہ حقیقت میں ہیں ۛ

ٹیکسیسپر کہتا ہے: ”یہ سب پر بالا ہے کہ تو خود اپنی نظر میں سچا ہو۔ اور اس کے بعد جس طرح رات کے بعد دن ہوا کرتا ہے لازمی طور پر یہ گاہ کہ تو کسی کی نظر میں ٹھوٹا نہ ہو سکے گا ۛ

وہ دوسرا تم کہتا ہے: ”دو چیزیں بہ ظاہر تو متضاد نظر آتی ہیں مگر انھیں ایک ساتھ جھٹھا چلتے۔ اول مردانہ پابندی۔ اور مردانہ آزادی۔ دوسرے مردانہ اعتماد۔ اور مردانگی کے ساتھ خود اپنے اوپر بھروسہ ۛ تم فرمان برداری یکھو پھر فرمان روائی خود ہی آجائے گی۔ قبل (تو وعدہ و زرش)، دل اور جسم دونوں کے لیے اچھی تربیت ہے۔ اور ایک بُرا سپاہی کبھی اچھا سپہ سالار نہ بن سکے گا۔“

مثل مشہور ہے ”اگر کامیابی تمھارے ساتھ ہے تو کبھی تکبر کو دل میں نہ آنے دینا۔ تکبر تباہی سے پہلے جاتا ہے۔ اور درشت مزاجی زوال سے پہلے جاتی ہے ۛ

ہم اکثر کام کرتے وقت غصہ کرتے ہیں اور بیکاری کے وقت نخل۔

گر یہ غلطی ہے۔ تحمل کے لیے طاقت چاہیے۔ اس کے مقابل غصہ کمزوری کی دلیل ہے اور اسکے لیے اپنے اوپر قابو رکھنے کی قدرت چاہیے۔

اگر تھیں حکومت کی خدمت مل جائے تو نہایت ہی منصف اور خلیق رہو۔ سعدی شیرازی کہتے ہیں: ”کسی مشرقی بادشاہ نے کسی یگانہ کے قتل کا حکم دیا۔ اُس نے کہا اے بادشاہ۔ اپنے آپ کو بچا۔ مجھے تو ایک لمحہ ہی بھر کے لیے تکلیف برداشت کرنا پڑے گی۔ مگر تیری گردن پر گناہ کا بوجھ ہمیشہ لدا رہے گا۔“

اقتدار حاصل ہونے کے ساتھ ذمہ داری بھی عائد ہو جاتی ہے۔ کسی معاملہ میں یہ نہ خیال کرو کہ تمہارا دل کیا چاہتا ہے۔ بلکہ یہ خیال کرو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔

اگر تو زبردعا میں ہو کہ دو فرضوں میں سے کسے انجام دیا جائے تو پہلے قریب کے فرض کو پورا کر۔ بعض لائق لوگ کافروں کی اصلاح کے خیال میں بڑے اپنے فائدہ ان کی خبر گیری سے غافل ہو جاتے ہیں۔ مگر ہمدردی کو بھی نیکی کی طرح گھر ہی سے شروع ہونا چاہیے۔

اس دنیا میں ہر چیز راست بازی چاہتی ہے۔ اس بارے میں ہم اٹنے تین بہت آسانی سے مطمئن کر سکتے ہیں۔ اچھا ہم گناہ کی سزا پر بحث کرتے ہیں۔ ہمیں کون سزا دیتا ہے؟ جواب یہ کہ ہم خود ہی اپنے تین سزا دیتے ہیں۔ اس دنیا کا نظام یوں قائم ہے کہ بھلائی کرنے سے سہرت ہوتی ہے۔ اور بُرے کام سے رنج ہوتا ہے۔ لہذا گناہ کرنا اور

پھر اُسکی عقوبت سے بچ جانا ایسی چیز ہے جس سے قانون قدرت میں رخصت پڑ جائے گا۔

گناہ کے معاف ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمیں اُس کی سزا نہ ملے گی۔ یہ غیر ممکن ہی نہیں بلکہ اگر ایسا ہو تو آفت آجائے۔ واقعی اس سے بڑی کوئی آفت نہیں کہ بُرائی کے ساتھ فارغ البالی بھی ہو۔ تم اگر غلط کاری میں مبتلا ہو گے تو گزشتہ غلطی کی یاد تمہیں آئندہ ہمیشہ ستاتی رہے گی۔ جن لوگوں کو تم سے اذیت پہنچی ہے وہ تمہیں معاف کر دے سکتے ہیں۔ لیکن اس معاف کرنے سے وہ اور تمہارے سر پر دھکتے ہوئے کو یوں کا انبار لگا دیں گے۔ کیونکہ ان کی فیاضی تمہارے گناہ کی سیاہی کو اور زیادہ گہرا کر دیتی ہے۔

چال چلن ہی زندگی ہے۔ عمر کی طولانی دوڑ میں مسرت و سرسبزی کا دار و مدار اُسی پر ہے۔ بہ نسبت اُس کے خارجی امور کو تمہاری سرسبزی میں اتنا دخل نہیں ہے۔ گرد و پیش کی چیزیں کیسی ہی ہوں اس میں چنداں مضائقہ نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ خود تمہاری کیا حالت ہے۔ لہذا روز اپنی نگرانی کرتے رہو۔ عادت طبیعت ثنائی ہے۔ بورڈ میں کتا ہے۔ کام کو بوؤ اور عادت کا پھل لو۔ عادت کو بوؤ اور چال چلن کا پھل لو۔ چال چلن کو بوؤ اور مقدر کا پھل لو۔ ہم سب ہر روز کچھ نہ کچھ ترقی ضرور کرتے ہیں عام اس سے کہ وہ بُرائی میں ہو یا بھلائی میں۔ مناسب ہو کہ رات کو ہر شخص خود اپنے دل سے پوچھ لیا کرے کہ آج ہم نے کس چیز میں ترقی کی۔

اھر سن نے کہا ہے ”نوع انسانی دو طبقوں میں منقسم ہے۔ نیکو کار اور بدکار“ اگر تم پچھلے گروہ میں ہو تو دوسروں کو دشمن بنا لو گے۔ خود اپنے حافظہ سے دکھ پاؤ گے۔ زندگی غمناک ہو جائے گی۔ دنیا قید خانہ بن جائے گی۔ اور موت ایک میب چیز ہوگی۔ بمقابلہ اس کے اگر تم پہلے گروہ میں ہو تو اگر ایک نیک اور روشن خیال دل میں لا سکو یا ایک خوشی کا گھنٹہ کسی جی نوع کی زندگی کی نذر کر سکو تو سمجھ لو کہ تم نے ایک اچھے فرشتے کا کام کیا۔ یہ ایک بڑی بات ہوگی اگر ہر شخص ہر روز ایک گھنٹہ کے لیے یا آدھے ہی گھنٹہ کے لیے سہی اپنا کمرہ بند کر کے خاطر جمع سے بیٹھے اور غور کیا کرے۔ یہ کہنا کہ اس کی فرصت نہیں غیر ممکن ہے۔ سر آری پیل کا مہل تھا کہ ہر شب ہاؤس آف کا منظر سے واپس آکے انجیل کا ایک باب پڑھ لیا کرتے تھے۔ اگر مجھے اس کا بھی اعتراف کر لینا چاہیے کہ اُن دنوں ہاؤس آف کا منظر کا اجلاس رات کو اتنی دیر تک نہیں ہوتا تھا جتنی دیر تک کہ اب ہوتا ہے۔

اچھی بات کے خیال میں رہو پھر تم سے کوئی بُری حرکت نہ سرزد ہوگی۔ سردالٹر ریلے کا قول ہے ”جو شخص موت۔ روز جزا۔ اور جنت و دوزخ کو اکثر یاد کیا کرتا ہے وہ ضرور اچھی موت مرے گا“

اور اس کا انعام بھی بڑا ہے۔ خدا کہتا ہے۔ میرے بیٹے! میری شریعت کو نہ بھول بلکہ اپنے دل کو ادھر متوجہ رکھ کہ میرے احکام کی تعمیل کرے۔ اس لیے کہ ان باتوں سے تیرے ایام زندگی۔ تیری عمر اور تیرے

اطمینان قلب میں برکت حاصل ہوگی۔“

ان باتوں کو ترک نہ کر۔ اس میں شباب کا عذر بھی نہ پیش کر۔

مارگیرٹ آف والوا کا قول ہے ”جب ہماری ہڈیوں پر گوشت نہ باقی رہے گا ہم سب بڑے متقی و پسینیزگار ہو جائیں گے۔“

اس لیے عہد شباب میں اپنے خالق کو نہ بھولو۔ اگر ہمیں آرزو ہے کہ جیسی موت ہم چاہتے ہیں ویسی موت ہمیں نصیب ہو تو اُس طرح کی زندگی بسر کریں جیسی کہ ہمیں بسر کرنی چاہیے۔ اچھے آدمی کے لیے موت میں اندیشہ اور خطرے نہیں ہیں۔ بپ تھریل وال اپنی آخری بیماری میں صرف یہ کام کرتا رہا کہ مندرجہ ذیل فقرہ دن کا ترجمہ سات زبانوں میں پڑھاتا۔ ”جو کہ نیند موت کی بہن ہے اس لیے تجھے اس بارے میں غفلت نہ کرنا چاہیے کہ اپنے آپ کو خدا کی مرضی پر چھوڑ دے جو تجھے نیند کی موت اور موت کی میند سے اٹھائے گا۔“

مستقر اطباء قتل کا حکم جاری کرنے والوں کے اجلاس میں پیش ہوا تو سسر و کمٹا ہے ”وہ اُس شخص کی سی گفتگو نہیں کرتا تھا جسے سسر اسے موت دی گئی ہو بلکہ اُس شخص کی سی باتیں کر رہا تھا جسے آسمان پر معراج ہونے والی سنیکا کہتا ہے۔“ اگر تم اپنے فرض کو بہادری اور فیاضی سے بحال لاؤ گے تو تمہیں کیا سزا کاہ تمہیں یہ ملے گا کہ تم اسے کر چکے۔ کام خود ہی انعام ہے۔“

ہمیں حق پر عمل کرنا چاہیے نہ وعدوں کی اسید پر اور نہ سزا کے خوف سے

عہ مارگیرٹ آف والوا شاہ فرانس فرمیس اول کی بہن اور نوپیر کی ملکہ (بقیہ ص ۲۷۰)

بلکہ خود امر حق کے شوق سے۔ کیونکہ خدا کہتا ہے۔ ”خاص میرے دل کی
خوشی تیری سند ہے!“

نیکی آپ ہی اپنا انعام ہے۔ بعض کے لیے واقعی خلافتِ فطرتِ جزا
”وسنہ کی ضرورت ہے تاکہ وہ گناہ سے بچنے پر مجبور ہوں اسی کو برا کہتا
ہو۔ میں جانتا ہوں کہ یہ شخص کسی کینچر میں پھنسا ہوا ہے۔ یہ اُن لوگوں میں
ہو جنہیں اگر دوزخ کا خوف نہ ہوتا تو شہوتِ رانیوں میں مبتلا ہو جاتے۔ اس
طریقہ سے وہ بُرے کاموں سے بچتے اور خدا کے احکام بجالاتے ہیں۔ جیسے کوئی
غلام بے دلی سے کام کرتا ہو۔ اور اُس کام کے صلہ میں خدا سے اُن نعمتوں کا
امید دار ہو جو اُس کے مذاق میں محبتِ آہی سے بڑھی ہوئی ہیں۔ اور اُس
نیکی سے جو حقیقی نفرت ہے اس کے دیکھتے وہ نعمتیں اصل میں اُس کے کام سے
زیادہ ہیں۔ اس کے سوا دوسری جگہ بھی وہ عابد و زاہد شخص کی تصویر ان الفاظ
میں کھینچتا ہے۔ ”روزِ خبر کو وہ اشدِ جلشانہ کے سامنے آئیں گے۔ اور امید
ہوں گے کہ زہد و تقویٰ کے تکلیف دہ بوجھ اٹھانے کے صلہ میں رحمتوں
سے لاد دیے جائیں۔ جو شخص دراصل عقلمند ہے اُس کے لیے نیکی کا صلہ
رحمت نہیں بلکہ خود نیکی ہے۔ گو اس منزل تک پہنچنے کا راستہ بہت ہی

سخت ہے۔ عین پیدا ہوئی اور ۱۵۴۲ء میں وفات پائی۔

عہدِ اسپر نور ایک پر نکالی بیودی کا بیٹا تھا۔ علم و فضل میں ترقی کر کے بعض ایسے عقائد
ظاہر کیے کہ یہود کے رتبوں نے اُس کے کفر کا فتویٰ دے دیا۔ جس پر وہ عیسائی ہو گیا۔ وہ
قدامتاً ۱۵۴۳ء کا قاتل ہے۔ ۱۵۴۳ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۵۴۴ء میں مر گیا۔

ڈھالو ہے مگر پھر بھی انسان اُس پر سے گزر سکتا ہے۔ جتنی چیزیں مرد میں
سب ایسی ہی دشوار اور ایسی ہی کیاب ہوتی ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ کمال کی انتہائی حد تک ہم نہیں پہنچ سکتے۔ تاہم
ہمارا مقصد یہی ہونا چاہیے کہ اور سب باتوں کی طرح چال چلن میں بھی کمال
حاصل کر لیں۔ علاوہ برین ہم سب نے اپنے دلون میں ایک یقینی رہنما پیدا
کر لیا ہے۔ اگر ہم (اُسی رہبر) کا فنشن (نفس مطمئنہ) کے کہنے پر عمل کریں
تو غلط راستہ پر نہیں جاسکتے۔ اگر چاہے تو ہر شخص اپنی زندگی کو شریفانہ
زندگی بنائے سکتا ہے۔

اسیے جہاں تک بنے بہترین زندگی کا نمونہ اپنے پیش نظر رکھا
کرد۔ ووگن کہتا ہے ”انسان اگر اپنے سے زیادہ بلند درجہ پر اپنے
آپ کو نہ چڑھ سکے تو وہ کس قدر حقیر چیز ہے۔“

اس طرح بلکہ (زور دے کے کہا جائے تو) اسی طرح شاید تم
اپنے آپ کو ایسا تیار کر سکو کہ اگر مرد ہو تو تمہاری نسبت وہی کہا جاسکے
جو شیکسپیر نے مارک انٹونی کی زبان سے بروٹوس
کی نسبت کہا ہے کہ ”اُس کی زندگی شریفانہ تھی اور اُس کی صورت میں عناصر کا
ایسا مناسب امتزاج ہوا تھا کہ کیا عجب جو خود قدرت کھڑی ہو کے
ساری دنیا میں پکار دیتی کہ انسان ایسے ہوتے ہیں ! اور اگر عورت
ہو تو ورسورس ورکھ کا یہ قول صادق آئے کہ ایک مکمل عورت
جو اندیشوں سے ہوشیار کرے، تسلی دینے، اور حکومت کرنے کے لیے نفاست

کے ساتھ بنی ہے۔ اور باوجود اس کے ایک خاموش اور روشن روح ہے جس میں تھوڑی بہت فرشتوں کی نورانیت بھی ملی ہوئی ہے۔
 سردالٹر اسکاٹ نے اپنے بستر مرگ پر لا کھارٹ سے جوفٹا کئے یہ تھے۔ "نیکوکار ہو۔ پابند دین بنے رہو۔ اور ایک اچھے آدمی ہو بس اس کے سوا اور کسی طرح تھیں اس مقام پر جہاں میں لیٹا ہوا ہوں اطمینان قلب نہ حاصل ہو سکے گا،" بلعام کے دل میں بھی یہی تمننا تھی کہ "میں ایک حق پرست کی طرح مروں اور میرا خاتمہ ویسا ہی ہو جیسا کہ آس کا ہوتا ہو"۔

اٹھارہواں باب

اطمینان و مسرت

کامیابی اور مسرت ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ نہیں دیتی ہیں۔ اور بہت سے لوگ تکلیف میں ہیں باوجودیکہ اُن کے پاس مسرت کا پورا سامان جمع ہے۔ فطرت شہزاد کو جو اُس کا لاڈلا ہوا کرتا ہے دولت۔ تخطاب۔ اور عریض غرض سارے سامان عیش دے سکتی ہے مگر اُسے مسرور نہیں بنا سکتی۔ اپنے تئیں مسرور بنانا یہ خود اُس کا کام ہے۔ دنیوی کامیابی کی زندگی خطروں اور فکروں سے بھری ہوئی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ذات میں مسرت کے اسباب نہیں پاتا تو اُسے دنیا بھر کا حسن سامان کثیر۔ دنیوی خوشیاں اور نعمتیں غرض کوئی چیز بھی اُسے مسرت نہیں دے سکتی۔ تشوہن ہو سکتا ہے "دنیا ایک شخص کی نظر میں بے سود بے مزہ

اور لغو ہے۔ اور دوسرے کی نظر میں سود مند و لحسب۔ اور باقیمہ۔ مسرت ایک ایسی چیز ہے جس سے کام لینا سرود کی مثل ہے۔ اگر ہم ٹھیک طور پر قاعدے سے سکین گے تو جانا آجائے گا۔ لیکن خیال رہے کہ اُس کے شوق میں ہم حد سے نہ گزر جائیں۔ و اُس کتاب ہے ہماری اعلیٰ سے اعلیٰ مسرت عالم ارواح میں واپس چلی جائیگی اگر ہم اور قیوس کی طرح اُس کی طرف پلٹ کے دیکھ لیں گے۔ فرنیکلن کا مقولہ ہے۔ ”تم مسرتوں سے بھاگو۔ پھر وہ تمہارے پاس دوڑی چلی آئیں گی۔“

اپنے آپ کو بہت بڑھاپڑھانہ تصور کرو۔ دنیا میں اکیلے تھیں نہیں ہو کر سکے کہتا ہے۔ ”عیش و عشرت کی جستجو نہ کرو۔ لیکن ہمیشہ خوش ہونے کے لیے آمادہ رہو۔“ زندگی کو مسرتوں کے حصول میں کامیاب بنانا بڑی چیز ہے چاہے وہ مسرتیں چھوٹی پی چھوٹی ہوں۔

میں نظری طور پر کہتا ہوں کہ ظرافت کا جذبہ ایک ایسی نعمت ہے جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں شک کیا جاتا ہے کہ سببوں اور علتوں کو جانو بھی سمجھتے ہیں یا نہیں۔

عہ یہ ایک نامی انگریز محقق کا نام ہے جو دارن ٹھنڈک کے مقدمہ میں صفائی کی طرف سے پردی کرتا تھا۔ ۱۸۲۰ء میں دنیا سے رخصت ہوا۔

عہ یہ قصہ طلب جملہ ہے۔ اور یونانیوں کی دیوالاسے متعلق ہے۔ یونان کے دیوتاؤں کے زمانہ میں ادوقس نام ایک کلاؤنٹ گویا تھا جس کا نغمہ جادو کی طرح دام و دود پر اثر کرتا اور حرج و مشر کو رقص میں لے آتا تھا۔ اُس کی جو رویواری ڈیس مرگئی تو اُس کی تلاش میں وہ عالم ارواح میں گھس گیا۔ اور گابا کے وہاں والوں کو ایسا بچہ دیکھا کہ اُنھوں نے اُس کی جو رویواری ڈیس کو اجازت دے دی کہ اُس کے پیچھے پیچھے چلی جائے۔ مگر اس شرط سے کہ جب تک اوپر کی دنیا میں نہ پہنچ جانا جو رو کی طرف پلٹ کے نہ دیکھتا اور جب چاہے چلا جانا۔ مگر اور قیوس شوق درمیں ایسا اندھا ہوا تھا کہ مقام مقرر تک پہنچنے سے پہلے ہی پھر کے دیکھ لیا۔ فوراً اثر جاتا رہا اور اُس کی مشقتوں نے بی ہیشہ کے لیے اُس سے چھین گئی۔

مگر بادی انظر میں وہ مسرور ہونے کی برکت سے مطلقاً محروم ہیں۔ یہ ہم فورٹ کا قول ہے ”جس دن ہم نہیں نہ ہوں وہ دن ہمارے ہاتھ سے ضایع ہو گیا۔“ ایک خندہ مسرت کی آواز سننے سے بڑی کون مسرت ہو سکتی ہے؟ دل پر سے وہ ہر بار کو کس قدر ہلکا کر دیتا ہے؟ شکسپیئر کہتا ہے ”ایک مسرور دل سارے دن چلتا رہتا ہے مگر تنہا انگلیں دل ایک ہی میل میں تھک جاتا ہے۔“ ایک عیسائی اسقف کا قول ہے ”مسیحیت کے دس حصوں میں سے نو حصہ عمدہ مذاق ہے۔“ اونا اگر تم کسی تاپیر پر ہم ہو تو انجیل کے اس حکم کو نہ بھولو کہ ”تمہارا غصہ فرو ہونے سے پہلے آفتاب نہ ڈوبے۔“ لڑائی میں دو فریق ہوا کرتے ہیں۔ اس کا خیال رکھو کہ اُن دونوں میں سے کوئی فریق تم نہ ہو۔

بعض آدمی ہمیشہ دکھڑا روتے رہتے ہیں۔ اگر وہ جنت عدن میں پیدا ہوتے تو وہاں بھی انھیں شکایت کے بہت سے موقع مل جاتے۔ اُن کے مقابل بعض اور لوگ ہیں جو ہر جگہ خوش رہتے ہیں۔ وہ اپنے گرد و پیش مسرتین اور برکتین ہی پاتے ہیں۔ مار س اپنی نظم ”جنت دنیوی“ میں لکھتا ہے۔ ”دنیا کیسی جنت بن جاتی اگر خوف زمین کے اندر دفن ہو جاتا اسید نامراد نہ رہتی۔ اور محبت کو زوال نہ ہوتا۔“

خوش فراجی ایک بڑا اخلاقی علاج ہے۔ جیسے سورج کی کرنیں پھول کھلاتی اور میوے کو پکاتی ہیں ویسے ہی خوش فراجی جن سے آزادی و زمنہ دلی کا جذبہ مراد ہو ہمارے اندر خوبی کے تمام تخون کو نشوونما دیتی اور ہم میں جو کچھ خوبیاں ہیں اُن کو چکا دیتی ہے۔ خوش فراجی ہمارا ایک فرض ہے۔ اور دوسروں کے ساتھ اُس فرض کے بجالانے کے ہم ذمہ دار ہیں۔ ایک پُرانی کہاوت چلی آتی ہے کہ ”قوس قزح جس جگہ زمین سے چھو جاتی ہے وہاں ایک سونے کا جام پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بعض ایسے لوگ ہیں جن کی مسکراہٹ۔“

جن کی ہنسی کی آواز۔ اور جن کی موجودگی آفتاب کی شعاعوں کی طرح ہر چیز کو سنہرا بنا دیتی ہے۔ لوگ جب تک اپنے آپ کو خوش مزاج رکھیں ہرگز شکستہ خاطر نہیں ہو سکتے۔ سسی کبکٹن کہتا ہے "ایک مسرور دل اپنے علاوہ دوسروں کے لیے بھی ایک ہمیشہ برقرار رہنے والی ضیافت ہے۔" فلائرس ناٹن گیل کی صورت اُس کی وہ اوّل سے زیادہ شفا بخش تھی۔ اور اگر ہم دوسروں کے بوجھ میں ہاتھ لگا دین گے تو خود ہمارا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔

بعض لوگوں کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ خوش مزاجی بیٹگری سے وابستہ ہے۔ مگر ان دونوں میں کوئی لازمی علاقہ نہیں ہے۔ اگر تم لکھ کر کہتا ہے "تسہولت پسند طبایع جو دنیا میں واقعی خدا کی اعلیٰ ترین برکات ہیں ان میں کبھی نہایت ہی پرجوش خیال اور نازک ترین محبت کی دھن پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نہایت ہی خوبی کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو خدا کی نظر میں احمق ہیں ان کے طبایع کی تنگی اور درشتی اگر ان کی اُس دھن میں مل جاتی تو یہ خوبی ہرگز نہ ہوتی۔"

بہت سے لوگ ہیں جن کی پیدائش بھی ایسے ہی عین مدت العمر کے لیے محنت شاقہ کی سزا ہے۔ اس کو غریبی ہی کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ دولت مندوں کو بھی ویسی ہی بلکہ اُس سے زیادہ سخت محنت کرنا پڑتی ہے۔ ماسوا اس کے کہتے ہیں جن کے

عہد مس فلائرس ناٹن گیل ایک انگلش خاتون تھی جس نے مختلف زبانوں کی تحصیل کے بعد تو می خدمت پر کر باندھی۔ ڈاکٹری کا فن حاصل کیا۔ مریضوں کی خدمت گزار ی کرتے کرتے بڑی نمود حاصل کی۔ اور آخر کریسا کی لڑائی میں انگریزی فوج کے ساتھ آئی واپسی میں قوم بڑی قدر کی اور ہر شخص اُس کے نام پر فریضہ تھا۔ جس رفیق کے برساتے جا کھڑی ہوتی اُسے تسکین ہو جاتی ششہ ا میں پیدا ہوئی تھی اور تھوڑے دن ہوئے مر گئی۔

یہ تکلیف کا باعث اُن کی دولت ہی ہے۔ جن کو زندگی میں نہ آسائش نصیب ہے اور نہ سکون و اطمینان۔ اُس دنیا میں ہم تکلیف سے نہیں بچ سکتے۔ لیکن ہاں اگر ہم خود ہی چاہیں تو اُس پر غالب آسکتے ہیں اور اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے ہم اپنے حافظہ کے کمرے کی دیواروں کو خوبصورت تصویرات کی تصویروں اور مسرت کی یادداشتوں سے آراستہ کرنا چاہتے ہیں۔ سب ہیں مگر جانتے چند ہی ہیں کہ اپنے آپ کو کیونکر سرور بنانا چاہیے کیونکہ یہ لوگ زندگی کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔

چھوٹی مصیبتوں کو بڑا نہ بنا دو۔ سسر وکتا ہے "اس زندگی میں کون سی مصیبت ہے جو اُس شخص کو بڑی نظر آئے جو ابدیت اور مافی الہوں کی وسعت سے آشنا ہے؟ کیونکہ انسانی علم میں یا زندگی کے چھوٹے طرف میں کون سی چیز ایسی ہو سکتی ہے جو اُس دانشمندی کی نظر میں بڑی معلوم ہو سکے جس کا دل ہمیشہ اُس کی جانچ کرتا رہتا ہے کہ کون سی ایسی مصیبت ہو جو غیر متوقع ہو؟" ایک خفیف سی چیپٹ آجاتی ہے تو ہم اُسے اکثر ایک بڑا بھاری کاری زخم تصور کر لیتے ہیں۔ فکریہ واقعہ بیان کرتا ہے کہ کوئی سرجن ("جراح") ایک خفیف زخم کے علاج کے لیے بٹایا گیا۔ سرجن نے آدمی کو دوڑایا کہ اسی وقت بھاگتے ہوئے جاؤ اور شہر سے مرہم کا پتھا لے آؤ۔ مغز زلیغ نے اُسے جلدی کی سخت تاکید کرتے دیکھ کے پوچھا "کیوں ڈاکٹر صاحب کیا یہ زخم خطرناک ہے؟" سرجن نے کہا "خطرناک تو نہیں ہے مگر اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر یہ آدمی بولہ پی ڈاک دالے کہ نہ آیا تو یہ زخم خود ہی اچھا ہو جائے گا اور مرہم بیکار جائے گا۔" مرد ریا م سے جس طرح زخم اچھے ہوتے ہیں اُسی طرح غم بھی دور ہو جاتے ہیں۔ جان اسٹوارٹ مل لکھتا ہے "ایک شائستہ دل (میری مراد فلسفی کے دل سے نہیں ہے بلکہ ہر دل جس میں علم کے چشمہ جاری ہو گئے ہوں۔ اور کسی حد تک تحمل و

برداشت کے عمل میں سدھ گیا ہو۔ اپنے گرد و پیش کی تمام چیزوں میں منافع کے غیر فانی
 حشر چھ مکیجے گا۔ فطرت کے مقاصد میں۔ علم و فن کی مہات میں۔ شاعری کی خیال آفرینی
 میں۔ تاریخ کے واقعات میں انسانی اطوار و اوضاع میں۔ گزشتہ و حال میں۔ اور
 اُن کی آئندہ امیدوں میں غرض سب چیزوں میں ایسے ہی فوائد و منافع نظر آئیں گے۔
 یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص قبل اس کے کہ اُن کا ہزار دان حصہ بھی ختم ہوا ہو اُن سے بے
 پرواہ ہو جائے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی کی غرض شروع ہی سے اُن چیزوں کی طرف
 توجہ کرنے میں کوئی اخلاقی یا انسانی دلچسپی نہ ہو بلکہ اُس کا مقصد صرف اپنا شوق پورا کرنا
 ہم ایک ایسی دنیا میں رہتے ہیں جس میں پھول ہیں درخت ہیں۔ سبزہ ہے۔ ندیاں
 ہیں۔ جھیلیں ہیں۔ سمندر ہیں۔ پہاڑ ہیں۔ اور سورج کی کرنیں ہیں۔ بارغ قدرت روشن
 کے لیے روشن ہے۔ اور جو تسلی پزیر ہیں اُنھیں تسلی دینے والا ہے۔ ولیم ہارس کہتا ہے۔
 ”روشن کرنوں والی صبح خاموش اور اُٹھتی تھی۔ معطر کہرا ہوا میں پھیلا ہوا تھا۔ ایسا
 لطیف سماں تھا کہ معلوم ہوتا جیسے موسم بہار پھر واپس آ کے اپنی باہن زندگی ختم کرنے
 والے برس کے گلے میں ڈالے دیتا ہے۔ دنیا نعمتوں کے خواب ناز میں غافل سو رہی
 ہے اور وہ اُس کا منہ چوم رہا ہے۔“

لیکن حسن کی قدر دانی کے لیے ہم میں حسن کے پہچاننے کی جس ہونی چاہیے۔
 کتے اور ہاتھی کی ہوشیاری کے ہم نے بہت سے واقعات سنے ہیں۔ لیکن ایسا خیال
 کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ دنیا کے نہایت دلفریب منظر دیکھ کے اُنھیں بھی کوئی
 لطف آتا ہے۔

ہم بعض اوقات لوگوں کو بیکاری کی شکایت کرتے سنتے ہیں۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ

ہمیں کرنے کو کوئی کام نہیں ہے۔ لیکن ایسی باتوں کی اصلیت یہ ہے کہ بیکاری خود انہیں کی ذات میں ہے۔ ساؤدی کہتا ہے ”اگر کوئی تعلیم یافتہ آدمی جو تندرست ہو۔ آنکھیں اور ہاتھ رکھتا ہو۔ اُسے فرصت بھی ہو۔ اور پھر اس کے ساتھ بیکاری کی شکایت کرے تو سمجھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے یہ تمام نعمتیں ایک ایسے شخص کو دے دیں جو اُن کا مستحق نہ تھا۔“

مسترت نہ دولت سے ملتی ہے نہ عزت سے۔ بغیر محنت۔ فیاضی۔ اور فارغ البالی کے تم دولت مند بن سکتے ہو۔ بڑے آدمی ہو سکتے ہو۔ اور زبردست بھی مانے جا سکتے ہو مگر مسرت نہیں ہو سکتے۔

فارس میں ایک کہانی مشہور ہے کہ ایک عالی مرتبہ بادشاہ کی پریشانی نہ جاتی تھی آخر بنجومیون سے پوچھا گیا کہ یہ پریشانی کیوں ہے؟ اور کیوں نگرور ہو گیا؟ انھوں نے بتایا کہ جہاں پناہ کسی ایسے شخص کا کرتا ہے کہ ہمیں جو ہمہ وجہ خوش ہو۔ دربار میں اور سارا ملک کے تمام آسودہ حال لوگوں میں اس صفت کا شخص ڈھونڈھا جانے لگا۔ مگر نتیہ نہ لگا۔ اور ساری جستجو بیکار لگی۔ آخر خدا خدا کر کے ایک فردور مل گیا جو اپنا کام پورا کر کے آ رہا تھا اور اُس میں بنجومیون کے تپائے ہوئے تمام شرائط موجود تھے۔ یعنی بہمہ وجہ شادان و فرحان تھا۔ مگر افسوس بادشاہ کی پریشانی کی دوا اب بھی دستیاب نہ ہوئی۔ کیونکہ اُس شخص کے جسم میں کڑواہی نہ تھا۔

میں پہلے بتا چکا ہوں اور سب لوگوں کو اس پر اتفاق بھی ہے کہ مسرت نہ کہیں روپیہ دے کے مول لی جاسکتی ہے۔ اور نہ زور بازو سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بادشاہوں کے تاجوں میں کانٹے لپٹے ہوئے ہیں۔ ہمرو نے سی مونی ڈنیر سے کہا ”نور“

انسان کا زیادہ حصہ شاہی شان و شکوہ سے دھوکا کھا جاتا ہے۔ مگر میں اُس پر بالکل فریقہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ میرے نزدیک لوگوں کے مسرور یا پریشان خاطر ہو کا اندازہ عوام الناس بالتعویض اُنھیں چیزوں سے کرتے ہیں جو اُن کو نظر آتی ہیں۔ اور شاہی عام دنیا کے سامنے علانیہ طور پر اور بالکل آشکارا طریقہ سے اُن چیزوں کو نمایاں کرتی ہے جو نہایت ہی قیمتی خیال کی جاتی ہیں۔ بہ خلاف اس کے بادشاہی کی دشواریوں اور فکروں کو وہ روح کے اُن نعمات ہی پوشیدہ خلوت کدوں میں چھپائے رکھتی ہے جو انسانی مسرت و الم کے رہنے کے خاص مقامات ہیں۔ خود میری رائے پوچھو تو مجھے تجربہ سے بخوبی معلوم اور سی مونی ڈیزیز میں تھیں بھی اس کا یقین دلاتا ہوں کہ بادشاہوں کو اعلیٰ ترین مسرتوں میں سے بہت ہی کم نصیب ہوتی ہیں۔ اور اکثر بدترین بُرائیاں اُن میں موجود ہیں۔ مگر مسرت کی مختلف روشنیوں اور رنگی کے دلکش طریقوں کی حالت بیان کرنے میں ہم بالکل عاجز ہیں۔ اور سب سے اعلیٰ مسرت کی نسبت ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں یہ ہے کہ اُس میں ایک نامعلوم اور ناقابل بیان جاوہر ہے۔ اور اعلیٰ ترین نعمت کے متعلق ہم بس اسی قدر کہہ سکتے ہیں کہ اُسے زبانِ ادائیں کر سکتی۔

اگر ہم ٹھیک طور پر دیکھیں تو ڈیڑھ گھنٹہ کے ساتھ ہم سب کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو جائیں گے۔ "اور میں نے جو کچھ دیکھا ایک عالم وجد تھا۔ ساری چیزیں ایک عالم تبسم کی شان میں نمایاں تھیں۔ بے نظیر فرحت تھی۔ ناقابل بیان مسرت تھی۔ اطمینانِ محبت کی غیر فانی زندگی تھی۔ نہ گھٹنے والی دولت تھی۔ اور بے حد دے پایاں رحمت۔" عالم فطرت میں ہر چیز ایک ماحولانہ اور فیاضانہ نظام کے تابع ہے۔ ہر چیز دوسری سے وابستہ ہے۔ اور نفع رسانی کے لیے کام کر رہی ہے۔ اگر ہم تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں

تو اُس میں یا تو خود ہمارا ہی قصور ہوتا ہے اور یا عالم کی عام بہبود اُسی میں مقصور ہوتی ہے۔ سینیکا کہتا ہے ”ایسا کوئی فرض منہی نہیں ہے جس کے بجالانے میں تمہیں مسرت نہ ہوتی ہو۔ اور نہ کوئی ایسی ہوس ہے جس کی کوئی روک نہ موجود ہو۔“

سسرو کے بیان کے مطابق اپنی گیسوس نے اُسے یوں لکھا ہے کہ ”خواہشیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔ پہلی تو وہ جو فطری بھی ہیں اور ضروری بھی ہیں۔ دوسری وہ جو فطری تو ہیں مگر ضروری نہیں۔ تیسری وہ جو نہ فطری ہیں اور نہ ضروری۔ اور ان تینوں کی کیفیت یہ ہے کہ جو فطری بھی ہیں اور ضروری بھی وہ بغیر زیادہ دشواریوں کے اور بغیر زیادہ صرت کرنے کے رفع ہو جاتی ہیں۔ جو فطری ہیں مگر ضروری نہیں وہ بھی بہت زیادہ صرت نہیں چاہتیں۔ کیونکہ فطرۃ کا قاعدہ ہے کہ اُس کی خواہشیں جن دو تون سے پوری ہوتی ہوں انہیں وہ ہمیشہ سہل الحصول رکھتی ہے۔ اور ایک محدود مقدار تک رکتی ہے۔ لیکن فضول خواہشیں (جو نہ فطری ہیں اور نہ ضروری) اُن میں کسی قسم کا اعتدال پیدا کرنا یا اُن کی کوئی حد مقرر کرنا غیر ممکن ہے۔“

بہر تقدیر اگر ہمیں زندگی سے پورا لطف اُٹھانا ہے تو اس بات کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ اپنی ہوسوں کو روکیں۔ اور بہت سی دلفریب مسرتوں سے دست بردار ہو جائیں۔ نفس پروری کی بہ نسبت نفس کشی میں زیادہ مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہم اُن عشرتوں اور ہوسوں کے بندے بن جائیں گے تو وہ ہمیں زندگی کی چٹانوں اور گردابوں پر اُسی طرح ہلاک کر ڈالیں گی جس طرح یونانی دیو مالاکاکی سائرین

عہ یونانیوں میں مشہور تھا کہ ایطالیہ کے ساحل پر کسی پہاڑی کے دامن میں ایک خاص قسم کی دریا اور سینجل پر یابن رہتی ہیں جن کا معمول ہے کہ جہاں کوئی جہاز اُن کے قریب سے گزرے گا نا بجا ناشرع کرتی ہیں۔ اور آخرا اپنے ساحرانہ دل چھیننے والے راگ سے اہل جہاز کو بھلا کے ایسا (بقیہ صفحہ ۲۸۱)

(جل پر یان) بحری سیاحن کو ہلاک کر ڈالا کرتی تھیں۔

وائس کتا ہے ”وہ شخص کیسا مسرور پیدا ہوا اور کیسے مسرت کے آغوش میں پڑا جو دوسروں کی مرضی کا غلام نہیں۔ جس کی آواز اُس کے نیک نیتی کے پاکیزہ خیالات میں اور جس کا اعلیٰ ترین ہنر کمال سادگی کے ساتھ اُس کا سچ بولنا ہے؟“

ہمارے زمانہ کی اور بدقسمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہمیں ستانے اور دم لینے کی بہت ہی کم سلت ملتی ہے۔ ہم ایک دائمی چکر میں رہتے ہیں۔ کتنی ایک عورتوں اور نیر مردوں کے دلوں میں پوریشیا کی طرح یہ خیال گزرا ہو گا کہ ”میرے اس ننھے سے جسم کو اس بڑی بھاری دنیا نے تھکا ڈالا ہے“

الغرض اچھا کام جلد ہی میں نہیں ہو سکتا ہے۔ قوت تحلیل فرصت اور اطمینان چاہیے۔
گٹسکے کتا ہے ”میں جانتا ہوں کہ ہم سب کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ اطمینان“

فارغ البالی ہے۔ یعنی دل و دماغ کا سکون۔ متین۔ مضبوط۔ ٹرکا تھا۔ اور مضابط مزاج۔ جس کے لیے کسی تحرک کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُسے پستی و پرم دگی کا غم نہیں ہے۔ نہ کسی مسکن کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ اُسے جوش میں آپے سے باہر

ہو جانے کی شکایت نہیں ہے۔ نہ اہرانہ اتقا کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ

اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ خدا کی نعمتوں کو بغیر اس کے کہ اُن کی بے وقعتی

ہو کام میں لائے۔ وہ مزاج جس میں سچ پچ اتنا دہرہ ہر ہے۔ کھانے پینے ہی میں

نہیں بلکہ تمام خواہشوں خیالوں اور کاموں میں۔ جو وحشیانہ شہوتوں اور ہوسوں

از خود رفتہ بنا دیتی ہیں کہ وہ تشب و فزاز بھول کے غافل ہو جاتے ہیں۔ اور ہزار یا تو کسی چٹان سے

ٹکرائے بھٹ جاتا ہے یا کسی بھنور میں پڑ کے ڈوب جاتا ہے۔

عہ پوریشیا شکسپیر کے ایک ڈراما کی ہیروئن کا نام ہے جس کی زبان سے اُس نے یہ خیال ظاہر کیا ہے۔

ہم سے نہیں چھین سکتی۔ یہ ایسے قہر والے ہیں جو بغیر ہاتھ لگے بن گئے ہیں تاکہ ہماری روحیں اُن میں آرام کریں۔

نیک شہنشاہ اتھونی نس اعظم نے مرتے وقت جو آخر ”پرول“ اپنے پیروں کے افسر کو دیا ”مستقیم سکون“ تھا۔ حضرت مسیح کے استقلال میں کبھی فرق نہیں آیا۔ اور ہمارے پیغمبر آخر الزمان محمد صلعم کا استقلال کھل دیرداشت کا ایک بے نظیر نمونہ تھا۔

سینٹ ٹامس آف کمپیس کتا ہے ”خواہش کو چھوڑ دو میں تجھے اطمینان حاصل ہو جائے گا“ ہم کو زندگی میں چھوٹی چھوٹی باتوں سے ویسا ہی صدمہ پہنچاتا ہے جیسا کہ بڑی باتوں سے۔ کمبر لینڈ اپنے ایک شعر میں کتا ہے ”وہ تمام بڑی چیزیں جن سے انسان مردود و خلاق ہو جاتا ہے اُن سب سے بدتر خود اپنی بڑی طبیعت ہے۔“ اک کلیسیا ایسی کس میں جو کہ عیسائیوں کی ایک غیر شکوہ بخیل ہے درج ہے کہ ”ایک تو انا جسم سے بڑی کوئی دولت نہیں۔ اور دل کی خوشی سے بڑھ کے کوئی خوشی نہیں۔“

اپنے مسرور کرنے کے لیے ہمیں باہر کی طرف نظر نہ دوڑانی چاہیے۔ بلکہ خود اپنے نفس میں اور اپنے دل میں دیکھنا چاہیے۔ آسمانی سلطنت تمہارے نفس کے اندر موجود ہے۔ اگر ہم ہمیں نہ خوش ہو سکیں تو ہمیں دوسرے عالم میں مسرت کی توقع رکھنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کیا وہاں خدا یہاں سے زیادہ ہماری نگہبانی کرے گا؟ اگر ہم دنیا ہی میں اطمینان قلب نہیں حاصل کر سکتے تو پھر جنت میں اُس کے حاصل کرنے کی ہمیں کیا وجہ امید ہو سکتی ہے؟ اس نعمت سے ہمیں کون سی چیز محروم رکھتی ہے؟ وہ نخت۔ حرص۔ خود غرضی۔ اور بلند پروازی کے جذبات ہیں۔ لیکن اُن کے اور اُن کے سے اور بہت سے بڑے جذبات حاصل ہونے کے بغیر ہی ہم یہاں خوش ہو سکتے ہیں۔ اور جب تک اُن میں

بتلاہیں ہمیں ہرگز مسرت نہیں نصیب ہو سکتی۔ اگر ہمیں یہاں یہ کھٹکا لگا ہوا ہے کہ جو چیزیں ہماری نظر میں قیمتی ہیں کہیں ہم سے چھین نہ جائیں تو اس سے کس قدر زیادہ دھڑکاہیں جنت میں لگا رہے گا۔ اگر ہم یہاں دوسروں کے ساتھ اطمینان سے نہیں رہ سکتے تو کسی دوسرے عالم میں ہمیں اُن کے ساتھ خوش رہنے کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ اگر چارے اطمینان اور ہماری مسرت کی بنا بیرونی چیزوں پر ہو اور اُن کے لیے ہم دوسرے عالم کی طرف نظر ڈالیں تو کیا یہ نہ ہو گا کہ اُس دوسرے عالم کی زندگی میں ہم ایک تیسرے عالم کے آرزو مند ہوں؟ اور اسی طرح سلسلہ امید برابر گئے بڑھتا چلا جائے گا۔

اس میں شک نہیں ہے کہ مسرت کا لطف پیش بینی۔ آرزو مندی، اور یاد کرنے میں سہ گونہ ہو جاتا ہے لہذا حصول مسرت کا ایک خالص اور وسیع سرچشمہ آئندہ پر نظر ڈالنے میں ہوتا ہے۔ یعنی اس بات کی امید کرنے میں کہ چارے جو پیارے ہم سے چھوٹ گئے ہیں اُن سے پھر ملاقات ہوگی۔ اس شوق میں ہم اُن چیزوں کو زیادہ نمایاں طور پر دیکھنے لگتے ہیں جو ہماری نظر سے مخفی ہیں۔ تسکین مسرت کے اس سرچشمہ کے متعلق میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ مگر ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ ہمیں موجودہ نعمتوں کی بے قدری اور ناشکری نہ کرنی چاہیے۔

لہذا کوشش کر کے اپنے آپ کو اس قابل بناؤ کہ مندرجہ ذیل مقولہ میں کمال کے ہم زبان ہو سکو۔ ”میرے خدا جیسی تیری مقدس مرضی ہو ویسا ہی کر۔ میں خاموش پڑا رہوں گا۔ میں ذرا بھی چون و چرا نہ کروں گا۔ مبادا تیرا ہاتھ مجھ سے جدا ہو جائے۔ اور وہ نعمہ موقوف ہو جائے جس کی لوریان سُن سُن کے میں نہایت اکرام سے سوتا

اور اپنے باپ (خدا) کے سینہ سے لگا ہوا ہوں۔“

بارغِ فطرت کے سکوت و سکون سے بس تم اسی طرح لطف اٹھا سکتے ہو جس کی نسبت وِروِس ورتکھ کتا ہے۔“ وہ خموشی جو تارون بھرے آسمان میں ہے اور وہ میند جو سنسان پہاڑوں پر طاری ہے۔“

اس بارغ سے جب تم اس طرح لطف اٹھاؤ گے تو فرشتہ خود تمہارے گھر میں چلے آئیں گے جس طرح کہ مدت ہوئی حضرت ابراہیم کے پاس محمدؐ کے میدان میں آئے تھے۔ مانٹ گزرتہ کتا ہے ”یہ بھی ممکن ہے کہ بہت سی ایسی نئی سرتریں بھی ہوں جن سے انسان اس وقت تک نا آشنا ہو اور جنہیں وہ تمدن کے اچھے راستہ میں حاصل کر سکے۔“

جرجمی ٹیلر کا قول ہے ”روح جب عقلمندی سے حکومت اور محبت کے ساتھ فرمان روائی کرتی ہے اس کے مقاصد نفع بخش ہوتے ہیں۔ وہ افراط کے ساتھ سامان ترقی فراہم کرتی ہے۔ اور جسم کو نیکو کاری کے راستہ پر بجاتی ہے جو کہ اُس کا شریک مگر ادنیٰ درجہ کا شریک ہے۔ پھر اُس وقت روح اور جسم سے مل کے ایک انسان کا مل بن جاتا ہے۔ لیکن اگر جسم حکمران بن جائے۔ اور خواہشات کے ہجوم میں پڑے پہلے تو فہم و فراست کو ذلیل کرے۔ پھر اُس کے بعد مرضی اور انتخاب کے زیادہ حصہ پر قابض ہو جائے تو ایسی حالت میں جسم اور روح میں مناسب اشتراک نہیں قائم رہے گا اور اُن سے مل کے جو انسان بنے گا وہ نالائق اور لغو ہوگا۔ روح اگر حکومت نہ کرے تو پھر وہ جسم کے ساتھ برابر کی شریک نہ رہے گی۔ اُس کے لیے لازمی ہے کہ یا تو حکومت کرے۔ اور نہیں تو غلام بن جائے۔“

اگر ہم زندگی سے خط نہ اٹھا سکیں تو یہ خود ہمارا قصور ہے۔ رِسکن کتا بنے تمام

آدمی لطف اٹھا سکتے ہیں اگرچہ یہ چنڈی آدمیوں سے ہو سکتا ہے۔ "دل کو مطمئن اور مسرور رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ تم اُسے اعلیٰ درجہ کے خیالات سے بہرہ دو۔ افلاطون کا قول ہے "خدا ترسی۔ دانائی۔ حسن۔ اور نیکی اور اسی قسم کے اور بہت سے صفات ہیں جن سے روح کے پروبال نشوونما پاتے اور جلدی بڑھتے ہیں۔ لیکن اگر اُن کا تغذیہ بُرائی سے ہو تو وہ ضائع اور خشک ہو جانے ہیں۔"

اس لیے ان میں سے جو بات ٹھیک ہو اُسے اختیار کرو۔ جان اینجلو کا قول ہے "خوشی کو اپنے گھر میں لاؤ۔ اپنے دل میں اُس کے لیے جگہ نکالو۔ اُسے نشوونما کا موقع دو۔ اور اُس کی پرورش کرو۔ جب تم یہ کرو گے تو اکثر اوقات جبکہ تم بل جوتے یا کھیت کو نکال رہے ہو گے وہ آکے تمہیں اپنا نغمہ سُنائے گی۔ خوش رہنا ایک زیبا وضع ہے۔ اور مسرت ہی خدا کی حمد و ثنا ہے جسے ہم ادا کیا کرتے ہیں۔"

سقراط نے کہا ہے "سب سے اچھا وہ شخص ہے جو اپنے مکمل بنانے کی سب سے زیادہ کوشش کرتا ہے۔ اور سب سے زیادہ مسرور وہ شخص ہے جسے سب سے زیادہ محسوس ہوتا ہو کہ میں اپنے نفس کی تکمیل کر رہا ہوں۔"

انیسواں باب

دین

دین کے مسائل اتنی اگرچہ بڑے سے بڑے قابل لوگوں کی نظر میں بھی آج تک ایک راز سرِ بستہ ہیں۔ مگر دین کے عملی فرائض ایک بچہ کی نظر میں بھی روشن اور صاف ہیں۔ جریمی ٹیلر کہتا ہے "فرائض دین کے احکام نہ اپالو (یونانی دیوتا) کے

مندر کی مجذوبانہ بڑوں کی طرح ووفضلی ہیں نہ معنوں کے لحاظ سے بہم اور پیچیدہ ہیں۔ نہ اُن کا مفہوم کوئی چستان ہے۔ نہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے وہ دھوکا دینے والے ہیں۔ اور نہ ایسا ہے کہ ظاہر کے خلاف اُن کا منشا کچھ اور ہی ہو۔ بلکہ فرائض کے احکام جو خدا کے الفاظ میں ہیں آسمان کی طرح آشکارا چاند کی طرح روشن اور سورج کی کرنوں کی طرح صحت بخش ہیں۔ یہ بات یقیناً سچ ہے کہ جب کوئی چیز نامعلوم ہوتی ہے تو گو وہ ہمیں مجبور کرتی ہے کہ دانائی کے ساتھ اُس کی حقیقت کا پتہ لگائیں۔ لیکن اس جستجو میں عاجز رہنے کی وجہ سے ہم گنہگار نہیں ہو سکتے۔ گناہ اُسی وقت عائد ہوتا ہے جبکہ کوئی بات صاف طور پر سمجھ میں آئے۔“

فیض وحی پڑوہ ہو کر کہتا ہے ”انسان کے کمزور دماغ کے لیے خطرناک تھا کہ اُس خدا کے برتر کے معاملات کی جستجو کرے جس کا جاننا اگرچہ باعث زندگی اور اُس کا نام لینا موجب مسرت ہے مگر باوجود اس کے ہمارا مکمل ترین علم صرف اتنا سمجھ لینا ہے کہ اُس کی کونہ حقیقت کو ہم نہیں جانتے۔ اور نہ جان سکتے ہیں۔ اُس کے بارے میں ہماری اعلیٰ ترین فصاحت خاموشی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہم بغیر زبان ہلائے ظاہر کرتے ہیں کہ اُس کی عظمت الفاظ میں نہیں ادا ہو سکتی۔ اور اُس کی برتری ہمارے ظرف اور ہماری عقل کی رسائی سے بالا ہے۔“

لاک نے یہ جو بچوں کی نسبت کہا ہے یہ فی الواقع بہت سے جوانوں سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے ”اُن کے دلوں میں اُس وحدہ لا شریک کی محبت اور اُس کا ادب بٹھا دو۔ شروع شروع میں بس اتنا ہی کافی ہے۔ اس کے سوا اور کچھ جان کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ ایسا نہ ہو روحانیات

کی نازک بکشتیں چھڑنا اُس کے لیے قبل از وقت ہو۔ اور اُس ازلی ہستی کی نوعیت جو سمجھ سے باہر ہے اُس کے سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کی بے وقت کوشش سے ممکن ہے کہ اُن کے دماغ میں غلط خیالات پیدا ہو جائیں یا اُس جل جلالہ کے حالات جو سمجھ سے باہر ہیں اُن کے خیالات کو پریشان کر دیں۔ میرے خیال میں تو یہ زیادہ مناسب ہو گا کہ لوگ علی العموم اللہ جل شانہ کے بارے میں بس اسی حد پر مطمئن ہو جائیں کہ اُس کی عظمت اور اُس کا ادب دل پر نقش ہو جائے۔ بغیر اس کے کہ وہ ایک ایسی ہستی کے تعلق جسے سب ناقابل ادراک تسلیم کرتے ہیں خیال آرائیان کر کے وادی حیرت میں بھٹکتے پھریں۔ جس کا نتیجہ یہ ہونا ہے کہ بہت سے لوگ جن میں نہ اس کی قدرت ہے اور نہ حس کہ اپنے اقتداری اور غیر اقتداری امور میں امتیاز کر سکیں یا تو ضعیف الاعتقاد یوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور یا الحاد کے گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔ یا تو خدا کو اپنا ہی سا تصور کر لیتے ہیں اور یا بوجہ اپنے قصور فہم کے اُس کی ہستی ہی سے انکار کر دیتے ہیں۔“

لول نہایت ہی اعتراف کے ساتھ جانشین کے اس قول کا حوالہ دیا کرتا تھا ”جو چیز ہمیں اپنے حواس کی قوت میں عاجز ثابت کرتی ہے۔ جو چیز گزشتہ آئندہ اور دُور کی باتوں کو موجودہ باتوں کے مقابلہ میں اہم ثابت کرتی ہے وہی ہمیں اس نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ جس مخلوق میں قوتِ مددِ کہ ہو وہ زیادہ با وقعت ہے۔“

الہیات اور فقہ بے شک علوم ہیں۔ مگر دین کا جوہر نہیں ہیں۔ مذہب روزانہ زندگی کے لیے چال چلن کا ایک قانون ہے۔ اقبال مذہبی دکانرانی میں محافظ ہے۔ بدبختی و ناکامی میں تسلی دینے والا ہے۔ پریشانی میں دستگیری کرنے والا ہے۔ اور

اسی دامن کی ایک بند گاہ ہے۔ مذہب جسم و روح دونوں کے لیے یکساں ضروری ہے اور اسی لیے جسم و روح دونوں کی عزت کرنی چاہیے۔

فحش پر کتنا ہے کد مذہب فی نفسہ یا فی حد ذاتہ کوئی معاملت نہیں ہے جس پر انسان اپنے دیگر مشاغل سے جدا ہو سکے یا خاص ایام و واقعات میں عمل کرے وہ تو خاص اندرونی روح ہے جو ہمارے جسم میں سہاگت کیے ہوئے ہے۔ دل میں خیالات کو اتکار کرتی ہے۔ اور ہمارے تمام خیالات اور حرکات و سکنات میں دائر و سائر رہتی ہے۔ اگرچہ ہمارے وہ خیالات اور حرکات و سکنات دوسری حیثیت سے بغیر کسی تبدیلی یا خلل کے اپنی معینہ و مقررہ رفتار پر چلتے رہتے ہیں۔

مقدس کتاب میں (تورہ و انجیل و قرآن) ہمیں مغلق مسائل کے چکر میں ڈال کے پریشان نہیں کرتیں بلکہ اس قسم کی پیچیدہ باتوں سے وہ ہمارے خیالات کو ہٹا دیتی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا: "نہذا یہ حکم جو آج میں تجھے دیتا ہوں نہ تجھ سے مخفی ہے اور نہ دوسرے۔ وہ آسمان پر نہیں ہے کہ تو کہے ہمارے لیے کون آسمان پر جائے گا اور وہاں سے لاسے گا تاکہ ہم سنیں اور اُس پر عمل کریں۔ وہ سمندر کے اُس پار نہیں ہے کہ تو کہے ہمارے لیے کون ہند پر جائے گا اور لاسے گا کہ ہم سنیں اور اُس پر عمل کریں۔ بلکہ یہ لفظ تجھ سے بہت نزدیک تیرے منہ اور تیرے دل ہی میں ہے تاکہ تو اُس پر عمل کرے۔"

قانون دان شخص کے جواب میں حضرت عیسیٰ نے فرمایا: "اپنے مالک خدا سے تو محبت کر۔ پورے دل سے اور پوری جان سے اور پورے نفس سے۔ یہ ہے پہلا اور بڑا حکم۔ اور اسی کے مثل دوسرا حکم یہ ہے کہ تو جیسا خود اپنی ذات کو چاہتا ہے ویسا ہی تو اپنے پڑوسی کو چاہ۔"

انہیں دو حکمون پر سارا قانون شرع اور تمام انبیائے سلف کے احکام ہی ہیں۔ **سنتِ طہ**
جھمیس کا قول ہے: ”خالص دین جو خدا اُس پروردگار عالم کے سامنے بے داغ ہو یہ ہے کہ
 تیری اور بیویوں کے دکھ میں شریک ہونا اور اپنے آپ کو دنیا کے دھبوں سے بچائے رہنا۔“
 ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ ہم کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جاتے ہیں۔ اس پر بھی دل نہیں
 جتا کہ کیا خیال کریں اور کس بات کا یقین کر لیں۔ لیکن اس بات کو ہم ہمیشہ اپنے دل میں
 جانتے رہتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ پڑوس کے ساتھ ہمدردی کر کے کا فرض بھی
 انہیں فرائض میں کا ایک جز ہے جو خدا کے ساتھ ہیں۔ زمانہ وسطیٰ کے جس گروہ
 (غالباً کیتھولک عیسائیوں کا ذکر ہے جب معتدایان دین عیسوی کا بڑا زور تھا) نے
 اپنے آپ کو خدا کا دوست اور نوع انسان کا دشمن بتایا تھا اُس نے دین عیسوی کی سچی
 حقیقت سمجھنے میں ویسی ہی بے انتہا غلطی کی جیسی کہ اور لوگوں سے ہوئی جو اُن سے بھی
 زیادہ قابل الزام ہیں۔ خدا کی محبت کا بہترین طور انسان ہی کی محبت میں ہوتا ہے۔
 بعض اوقات جب ہم دوسروں کی شکایت کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں اُس وقت
 ہمیں **ٹامس کمپس** کا یہ قول نہ بھولنا چاہیے کہ ”جب تو خود اپنے تئیں ویسا
 نہیں بنا سکتا جیسا کہ تو چاہتا ہے تو تو اُس بات کی کیونکر امید کر سکتا ہے کہ دوسرا شخص
 کام باتوں میں تیری خواہش کے مطابق ہو جائے۔“

اور اگر ہم شکایت کی صحیح وجہ رکھتے بھی ہوں تو جس طرح ہم دوسروں سے معافی
 کی امید کرتے ہیں ویسے ہی ہمیں بھی معاف کر دینا چاہیے۔ اور ایک ہی بار نہیں بلکہ **بسط**
 حواری کی تجویز کے مطابق سات بار نہیں بلکہ ستر مرتبہ سات سات بار۔ ”حضرت محمد مصطفیٰ
 فرماتے ہیں ”تم میں سے کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک اپنے بھائی (انسان) کے لیے“

وہی نہ چاہے جو خود اپنے لیے چاہتا ہے۔

اکثر طبائع پر بمقابل مسرت کی امید کے تکلیف کا اندیشہ زیادہ اثر کرتا ہے کینہ
فیور شام میں ایک قبر پر یہ عجیب پُرانا کتبہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "جس کو
اس شخص کو اپنے دل میں یہ لحاظ کر کے دیکھا ہو گا کہ اس کا بچھونے سے گڑھے میں اور
پھر گڑھے سے ایسے تکلیف کے مقام میں جانا جہاں کی تکلیفیں کبھی ختم ہونے کو نہ آئیں گی
کس قدر سخت تھا وہ شخص اگر ساری دنیا کی دولت مل جائے تو بھی کبھی گناہ میں مبتلا ہونے
کی جرأت نہ کرے گا۔"

ہمیں نہ وعید سے غافل ہونا چاہیے اور نہ وعدہ کو حقیر تصور کرنا چاہیے۔ **ابیل**
یوحنا میں ہے۔ "تاہم روشنی تھوڑی دیر کے لیے تمہارے ساتھ ہے اور اسی روشنی
میں تمہیں جہاں جانا ہے چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ اندھیرا گھپ ہو جائے کیونکہ جو اندھیر
میں چلتا ہے اُسے خبر نہیں ہوتی کہ کدھر جا رہا ہو۔"

ابیل میں یہ بھی ہے "ہر وہ شخص جو میری باتیں سن رہا ہے اور اُن پر عمل
نہیں کرتا وہ اُس ہی وہ شخص کے مانند ہو گا جس نے بالو پر اپنا گھر بنایا۔ اور مینہ برسا۔
اور سیلاب آیا۔ اور ہوا چلی۔ اور اُس مکان کو تھپیرے دیے۔ اور وہ گر پڑا۔ اور
اُس کا گھر نا ایک امر عظیم تھا۔ لیکن بخلاف اُس کے جو شخص میری ان باتوں کو
سنتا ہے اور اُن پر عمل کرتا ہے اُسے میں اُس ناقص شخص کے مثل سمجھوں گا جس
اپنا مکان ایک چٹان پر بنایا۔ اور مینہ برسا۔ اور سیلاب آیا۔ اور ہوا چلی۔ اور اُس
گھر کو تھپیرے دیے۔ اور وہ نہیں گرا۔ کیونکہ اُس کی بنیاد چٹان پر رکھی گئی تھی۔"
اور سب سے زیادہ افسوس اُس شخص کے حال پر ہے جو اوروں کو اور خامتہ

نوجوانوں کو گمراہ کرتا ہے۔

مستی کی انجیل میں ہے۔ ”گویہ غیر ممکن ہے مگر پھر بھی ایسے گناہ ہوں گے لیکن افسوس ہے اُس کے حال پر جس کے ذریعہ سے گناہ ہوتا ہے۔ اُس کے لیے بہتر تھا کہ ایک چکنی کا پاٹ اُس کے گلے میں ٹنکا دیا جاتا۔ اور وہ سمندر میں ڈال دیا جاتا۔ یہ نسبت اس کے کہ اُن کمسن لوگوں کو وہ گنہگار بناتا۔“

لوقا کی انجیل میں ہے ”انسان کو کیا مل جائے گا اگر وہ ساری دنیا حاصل کرے اور خود اپنی جان کو ہاتھ سے کھو دے؟ یا انسان اپنی جان کے معاوضہ میں کیا دے گا؟“

گو ہم نے کتنے ہی گناہ کیے ہوں مگر کتب آسمانی کا فقرے کے بعد فقرہ اور وعدے کے بعد وعدہ ہمیں بایوس ہونے سے منع کرتا ہے۔ دین سچی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ”ایک اید کا مذہب ہے“ مگر قرآن مجید میں بھی خدا ہی نہیں فرماتا کہ ”امد کی رحمت نیلو کاروں سے قریب ہی ہے“ بلکہ یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ ”رحمت الہی سے نا امید نہ ہو۔“ وعدے اور وعید دونوں حیثیتوں سے قرآن دیگر کتب آسمانی سے بڑھا ہوا ہے۔

مگر ہمیں ریلے کے خیال کے مطابق خوف ورجاء کو عقلمندی کے ساتھ یوں جمع کرنا چاہیے کہ جو کوئی موت اور روز جزا کا اور جنت و دوزخ کا اکثر خیال کرتا ہے وہ یقیناً اچھا ہے۔“

خدا کے برتر قرآن مجید میں کہتا ہے۔ ”بڑا برکت والا ہے وہ خدا جس کے ہاتھ میں ملک ہے۔ وہ سب چیزوں پر قادر ہے۔ اور وہی ہے جس نے موت و زندگی کو

پیدا کیا تاکہ تعین آزمائے کہ تم میں سے کس کے اعمال اچھے ہیں۔
مگر لوگ راہ راست کی بہ نسبت گمراہی کو زیادہ آسانی سے اختیار کرتے ہیں۔ بہت
سے لوگ جو حساب دینے کے اندیشوں کی تحقیر کرتے ہیں ان پر ڈر مند کے اس قول سے
حق آشکارا ہو جائے گا کہ ”وہ منٹ جو مسیح کی صحبت سے نہ صرف ہولناک و منسٹ بھی
اگر اُسے یہ کیفیت حاصل ہو کہ چہرہ مسیح کے چہرہ کے سامنے ہے اور دل مسیح کے دل
سے ملا ہوا ہے تو یہ کیفیت اُس کی زندگی کو کچھ اور ہی بنا دے گی۔“

مسیح کی صحبت سے مراد اُن کی نصیحتوں پر دل لگانا اور کار بند ہونا ہے۔ اُس کے
مطابق فارسی کا یہ مقولہ ضرب المثل ہو گیا ہے: ”کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمان
اس کا خیال کرو کہ اچھا کون کام ہے پھر تم کوئی بُرا کام نہ کرو گے۔ انجیل
کے نامہ فلسفین میں ہے ”جتنی باتیں پیہن جتنی باتیں دیانت داری کی ہیں۔
جتنی باتیں منصفانہ ہیں جتنی باتیں پاک ہیں۔ جتنی باتیں پسندیدہ ہیں جتنی باتیں
خوش خبری کی ہیں اگر ان باتیں کوئی نبی ہو اور اگر وہ کسی تعریف کے قابل ہوں تو
اُن کو خیال کرو۔“ جب تک بار بار لگنا ہوں گا ارتکاب خیالات میں نہ ہوئے اعضا
سے نہیں ہوتا۔

سندیکا کا قول ہے ”خدا سے کوئی ایسی چیز مانگو جس کی نسبت تم پسند نہ کرو کہ
انسان کو اُس کی خبر ہو جائے۔ اسی طرح انسان سے بھی کوئی ایسی چیز نہ چاہو جس کی
نسبت تم پسند نہ کرو کہ خدا کو اُس کا علم ہو جائے۔“ لیکن جب ہم خیال کریں کہ زمانہ
مکان کی غیر محدود فضا میں ہم کیسی تھوڑی اور غیر متعین زندگی رکھنے والے مخلوق ہیں
اسپینسر کے ساتھ شریک ہو کے ہم بھی سوال کر سکتے ہیں کہ کیا جنت میں بھی فکر ہوگی؟

کیا آسمانی روح میں دنیا کے ان ادنیٰ مخلوق کی محبت ہے؟

حضرت داؤد کی زبور میں کیا خوب کہا گیا ہے کہ ”جب میں تیرے آسمانوں - تیری انگلیوں کے کاموں چاند اور تاروں کا خیال کرتا ہوں جنہیں تو نے آراستہ کیا ہے تو انسان کی کیا اصل حقیقت ہے کہ تجھے اُس کی فکر ہو؟ یا ابن آدم کی کیا حقیقت ہے کہ تو اُس سے آگے لے؟“

لیکن کالمرج کے جواب میں یہ تسلی ہے کہ ”انسان اگر پُچارے گا تو ولی اُس کی مدد کریں گے۔ کیونکہ یہ نیلا آسمان سب کے سرور پر جھکا ہوا ہے۔“ لیکن یہ بعد کی مشرکانہ مسیحیت ہے جو ویلون سے فریاد رسی کراتی ہے۔ ورنہ اسلام کی طرح سچی اور حقیقی مسیحیت کی تعلیم میں خدا کے سوا کوئی فریاد رس نہیں خدا قرآن پاک میں کہتا ہے ”کون ہے جو مقیارسے فریاد کرتے وقت اُس کی فریاد رسی کرتا ہے؟ اُس سے مصیبت کو دور کرتا ہے؟ تھیں زمین کی وراثت دیتا ہے؟ کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ نہیں بلکہ یہ لوگ جاہل ہیں۔“ اور اسی حکم کی پابندی میں ہر مسلمان نماز پڑھتے وقت ہر رکعت میں اس اترہ کی تجرید کرتا ہے کہ ”ہم تجھی کو پوجتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔“ کیا متی کی انجیل میں وعدہ نہیں کیا گیا ہے کہ ”مانگو تھیں ملے گا۔ دھونڈو پاؤ گے دروازہ کھٹکھٹاؤ وہ کھلے گا۔“ یوحنا کی انجیل میں بھی ہے ”تم میرے نام سے جو چاہو گے وہ میں کروں گا۔“ نیز انجیل میں ہے ”اگر تم مجھ میں رہو گے اور میرے لفظ تم میں رہیں گے تو تم جو چاہو گے مانگو گے اور میں تمہاری آرزو کے موافق کروں گا۔“ اللہ جل شانہ کی نسبت بتایا گیا ہے کہ ”سارے دل اُس پر آشکارا ہیں۔ اور وہ سب کی مرادوں کو جانتا ہے۔“ یعنی وہ کسی مغز دہ دل کی آہ سرد کو یا کسی حسرت

نصیب کی آرزوؤں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ خلاصہ یہ کہ ”تم اپنی ساری فکر و
کو اُس کے سامنے پیش کر دو کیونکہ اُسے تمہاری فکر ہے۔“

ہمیں یہ نہ چاہیے کہ اپنی کاہلی کی عیب پوشی کے لیے نظر اوپر اٹھا کے دیکھیں اور
امیدوار ہوں کہ خدا چھپر بھاڑ کے دے گا۔ خدا نے اگرچہ مدد ہی کا وعدہ نہیں کیا ہے
بلکہ یہ بھی فرمایا ہے جسے سنیٹ جیمس ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے ”جب تک
خدا بنانا نہ چاہے مکان بنانے میں اُن کی (لوگوں کی) محنت اکارت ہے۔ اور جب
خدا انگلیاں نہ کرے پاسان جو شہر کی رکھوالی کر رہے ہیں بیکار ہی محنت کرتے ہیں۔
ہر اچھی برکت اور ہر کامل برکت اوپر ہی سے ہے۔ جو اُس نور الانوار کے پاس سے
آتی ہے جس میں نہ کسی قسم کا تغیر ہے اور نہ کسی انقلاب کا کوئی اثر ہے۔“

مسیحیت اس جانب نہیں بلّاتی ہے کہ دوسرے عالم کے سنبھالنے کی فکر پر اس
دنیا کو قربان کر دو۔ بخلاف اس کے وہ تعلیم دیتی ہے کہ جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس
الفت کرنا۔ اور اُس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے اُس کا شوق رکھنا تمہاری دونوں جہاں
کی مسرت کو ترقی دے گا۔ دنیوی عقلندی اور آسانی عقلندی میں کوئی حقیقی فرق
نہیں ہے۔ کیونکہ مذہب ہماری ہر روز کی زندگی کو متبرک بناتا ہے۔“

ہمیں اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اصلی مسیحیت اور حضرت مسیح
کی سچی تعلیمیں دین کے لیے دنیا کو نہیں چھڑاتی ہیں مگر قرون وسطیٰ کی رہبانیت اور پوپ
کے احکام و اعمال نے دنیا کو باور کرا دیا تھا کہ ترک دنیا ہی میں مذہبی ترقی ہے۔ اور
راہبوں اور نونوں کے لیے فرض تھا کہ نہ شادی کریں نہ اچھا کھائیں نہ اچھا پہنیں۔
چنانچہ اسی خیال کے مٹانے کے لیے اسلام آیا جس کا دعویٰ ہے کہ ”یہی میں رہتا ہوں۔“

نہیں رہے۔ اور ہم دیندار شخص شرعی اعتدال کو قائم رکھ کر ہر قسم کے دنیوی لطف اٹھا سکتا ہے۔
رکبیل کہتا ہے: ہمیں ضرورت نہیں ہے کہ گوشہ نشینی کی خانقاہ کے لیے اپنی پرورش اور اپنے کاروبار کو خیر باد کہہ دیں۔ یہ گرد و پیش کی خفیف چیزیں یہ عام قسم کے کام کاج ہم جو کچھ مانگنا چاہیں ہمیں دیں گے۔ اپنے کو بھول جانا بھی ہمارے لیے وہ ٹھیک بنائے گا جس پر چل کے ہم روز بروز خدا سے نزدیک ہوتے جائیں گے۔

انجیل یوحنا میں ہے کہ حضرت مسیح نے اپنی حواریوں سے فرمایا: میں تجھ سے اس بات کی خواہش نہیں کرتا کہ تو انھیں (لوگوں کو) اس دنیا سے باہر نکال دے جا۔ بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ تو انھیں بُرائی سے بچا۔

افلاطون۔ ارسطو۔ اپکے ٹیٹس۔ سنیسکا۔ قرس اور میس سب کی تعلیموں میں شرفیادانہ اخلاق موجود ہیں۔ مگر محبت کی تعلیم جیسی آسمانی کتابوں میں ہے کہیں نہیں ہے۔

حضرت مسیح نے بجا فرمایا ہے کہ میرا مذہب ایک نیاز ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "میں تم کو ایک نیا حکم دیتا ہوں وہ یہ کہ تم ایک دوسرے سے محبت کرو جس طرح کہ میں نے تم سے محبت کی ہے ویسی ہی تم ہر ایک دوسرے کے ساتھ رکھو۔ اسی پہچان سے تمام لوگ جانیں گے کہ تم میرے شاگرد ہو۔ اگر تم میں باہم محبت ہے تو میرے شاگرد سمجھے جاؤ گے۔"

یہ بھی فرمایا جو **انجیل یوحنا** میں موجود ہے کہ: "یہ چیزیں میں نے تم سے کہی ہیں تاکہ میں تم سے خوش رہوں۔ اور تمہیں پوری مسرت حاصل رہے۔ یہ میرا حکم ہے کہ جس طرح میں نے تم سے محبت کی ہے اُسی طرح تم باہم ایک دوسرے سے محبت کرو۔ انسان اس سے زیادہ محبت نہیں کر سکتا کہ ایک شخص دوستوں کے لیے اپنی جان دے دے۔ تم جب ہی میرے دوست ہو جب میرے حکم پر عمل کرو۔ اس وقت سے میں تمہیں خادم نہ کہوں گا۔"

کیونکہ نوکر کو نہیں خبر ہوتی کہ اُس کا آقا کیا کرتا ہے۔ بلکہ مین نے تمھیں اپنا دوست بنایا ہے۔

کیونکہ مین نے وہ تمام چیزیں جو اپنے باپ سے سنی ہیں تم پر آشکارا کر دیں۔“

دین مسیحی کی آمد پر حسب بیان انجیل لوقا ظاہر کیا گیا تھا کہ ”یہ دین ملا علی المرتضیٰ

الہی - زمین پر امن و امان - اور انسان کے حق میں بھلائی ہے۔“

جناب مسیح نے حضرت موسیٰ کی تعلیم سے خاص طور پر اختلاف کر کے اس بات کو مکرر دہرا کر

ارشاد فرمایا کہ ”دشمنوں کے ساتھ بھی محبت اور معافی کا برتاؤ کرنا چاہیے۔“

چنانچہ انجیل متی میں آپ کا یہ قول موجود ہے ”تم نے سنا ہے جو کہا گیا ہے کہ تو اپنے پُر دہشت

محبت کر۔ اور اپنے دشمن سے نفرت کر۔ مگر میں تم میں یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو۔

جو تمھیں گالیوں دین اُنھیں دعا میں دو۔ جو تم سے نفرت کریں اُن کے ساتھ بھلائی کرو۔ اور جو

تمھاری تمھارت کریں اور تم پر چور کریں اُن کے لیے بھی دعا کیے کرو۔ تاکہ تم اپنے اُس باپ

(خالق) کے فرزند بن سکو جو آسمان پر ہے۔ اس لیے کہ اُس نے اپنے سورج کو اس لیے بنایا

ہے کہ بُرے بھلے دونوں پر چمکے۔ اور حق و باطل دونوں پر نیچہ برساتا ہے۔ کیونکہ اگر تم اُنھیں

لوگوں سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتے ہیں تو پھر انعام کس بات کا ہو کیا عام لوگ بھی ایسا ہی

نہیں کرتے ہیں۔ اور اگر تم فقط اپنے بھائیوں کو سلام کرو تو تم دوسروں سے جڑہ کے کون سی بات

کرتے ہو؟ کیا عام لوگ بھی ایسا ہی نہیں کرتے ہیں؟ لہذا تم مکمل نبی جیسا کہ تمھارا باپ جو آسمان

سے مکمل ہے۔“

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ مکملوں رنجون اور فکروں سے ضرور سابقہ پڑے گا۔ مگر یہ سمجھ کے کہ

”رنجون سے صبر - صبر سے تجربہ - اور تجربہ سے امید پیدا ہوتی ہے“ ہن رنجون پر بھی خوشی منانی چاہیے۔“

عہد رومیوں کا مراسلہ - انجیل -

اور یہ یقین دلایا گیا ہے کہ "اس موجود زمانے کی مصیبتیں اُن برکتوں کے مقابلہ میں جو کہ ہم پر
ظاہر ہوں گی کچھ بھی نہیں ہیں" اور اس کا بھی یقین دلایا گیا ہے کہ "جو چیزیں خدا نے
اُن لوگوں کے لیے جو اُس سے محبت کرتے ہیں مہیا کر رکھی ہیں ویسی نہ کسی کان نے سنی ہیں اور
نہ کبھی کسی انسان کے دل میں گزری ہیں۔"

ایک لمبے سلسلے کا ہے "تمام دوسری مسرتوں کے مقام پر اس مسرت کو قائم کرو
کہ تمہیں اس بات کی حس ہے کہ تم خدا کی فرمان برداری کر رہے ہو اور نیز اس بات کی کہ
صرف لفظوں میں نہیں بلکہ حقیقی طور پر تم ایک عقلمند اور اچھے آدمی کے سے کام کر رہے ہو۔"
مگر باوجود اس کے لوگ اپنے دین کے لیے کس قدر کم کام کرتے ہیں۔ بقول فریڈل کوڈ
اُس کے لیے جھگڑے میں پڑتے ہیں۔ اُس کے لیے لڑتے ہیں۔ گایان دیتے ہیں۔ پڑوسیوں
کو ستاتے ہیں۔ انہیں آگ میں جلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مذہب کے لیے خونریزی کرتے ہیں۔
اپنی جانبین طرف کرتے ہیں غرض سب ہی کچھ کرتے ہیں مگر یہ نہیں کرتے کہ اُس کی تعلیم کے مطابق
عمل کریں۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو اس کی کوشش بھی کرتے ہوں۔"

ٹامس آف کم سس کہتا ہے "ایک تھوڑی سی رقم پر ایک لمبا سفر اختیار کر لیا
جائے گا مگر ابدی زندگی کے لیے اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ کبھی شاد و ناہر ہی انہوں نے قدم
بھی اٹھایا ہو گا یہ دوسری جگہ کہتا ہے "لکھو۔ پڑھو۔ ماتم کرو۔ خاموش رہو۔ عبادت کرو۔
جو فردی کے ساتھ تکلیفوں کو برداشت کرو۔ ابدی زندگی اس قابل ہے کہ اُس کے لیے
سب باتیں کی جائیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کے سخت میدان فتح کرنا پڑیں۔" اور پھر
خیال تو کرو کہ کس قدر کم دھرم دار یاں ہمارے ذمہ عائد کی گئی ہیں۔"

عہ مراسلہ اہل کورنٹھہ انجیل۔

میکاہ نبی کی کتاب میں ہے ”خدا تجھ سے کیا چاہتا ہے؟ صرف یہ کہ سلامتی کی راہ چل۔
رحم کو دوست رکھ۔ اور اپنے خدا کے ساتھ عاجزی کے ساتھ چل۔“

لیکن اگر یہ بھی ہوتا کہ ہم سے بہت زیادہ باتوں کی خواہش کی جاتی۔ بڑی بڑی قربانیاں
چاہی جاتیں۔ ہم سے کہا جاتا کہ دنیا کی تمام چیزوں کو ترک کر دو تو بھی کیا تھا؟ زندگی کس قدر
تھوڑی ہے؟ بریانت اپنی نظم میں کہتا ہے۔

”جس طرح سایہ سورج اور بدلی سے گرمیوں کی گھاس پر پڑتا اور بھاگتا چلا جاتا ہے
وہی ہے اُس خدا سے واحد جل جلالہ کی نظر میں زمین کی نسلیں گزرتی چلی جاتی ہیں۔ اور
جس طرح برس جن کے آنے کا سلسلہ نامتناہی ہے آتے اور تیزی سے گزر جاتے ہیں ویسے ہی
روشن نام جن پر زمین کو ناز ہے چمکتے اور غائب ہو جاتے ہیں۔“

میشاک ہین بقول مکھوہ و کے صحیح معنوں میں یہ کہنا چاہیے کہ ”میں ایسا ہونے کی
کوشش کروں گا کہ گویا تو میرے ساتھ ہی تھا۔ میں جس راہ میں قدم اٹھاؤں گا وہ تیرے
ہی لیے ہوگی۔“

ایسا جوش آپ ہی اپنا اجر ہے۔ کیونکہ دین کے وعدے اُس دوسرے عالم ہی تک
محدود نہیں ہیں وہ ہمیں اور اسی وقت اور فوراً ہی پورے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔
ہم میں سے ہر ایک شخص کے قبضہ میں خود اپنی روح کے اندر آبِ حیات کا ایک کنواں موجود
ہے اُس کا پس اس قدر کام ہے کہ اسے پاک و صاف رکھے۔

اسکاٹ کہتا ہے ”فانی لوگوں کو بعض ایسے جذبات دیے گئے ہیں کہ ان میں
بمقابل آسمانی ہونے کے دنیوت بہت کم ہے۔“

رسم و بہت چ کہتا ہے ”اگر یہ سچ ہے کہ نیکو کار آدمی کے سوا کوئی خوش

نہیں ہے۔ اور یہ کہ سارے نیک کار سرور ہیں تو فلسفہ کے سوا کون چیز نشوونما دینے کے قابل ہو سکتی ہے؟ یا یوں کہا جائے کہ نیکی سے زیادہ کون چیز ربانی ہو سکتی ہے؟“
 گویہ بالکل سچ ہے مگر اس کا یقین کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ انسان اپنے کمال سے زیادہ آزمائش میں نہیں ڈالے گئے ہیں۔ دراصل ”خدا عادل ہے۔ وہ تمہاری برداشت سے زیادہ آزمائش میں تمہیں نہ ڈالے گا۔ کسی بڑے کام کی رحمت کے ساتھ وہ اُسے بچنے کا ایک راستہ بھی تمہارے لیے پیدا کر دے گا۔ اور وہ ایسا ہو گا جسے تم برداشت کر سکو“
 تاہم انسان ایسا ضعیف ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اس پر نظر رکھو اور دعا کرتے رہو کہ تم خواہشات نفسانی میں نہ پڑ جاؤ۔ روح بے شک تمہارے روکنے پر آمادہ ہے مگر گوشت کمزور ہے۔

ہمارا ارادہ یہی رہنا چاہیے کہ ”اپنے آپ کو درجہ کمال پر پہنچائیں۔ ویسا ہی جیسا کہ ہمارا باپ (خالق) جو آسمان میں ہے مکمل ہے“ اور اس کا اجر فوراً ملے گا اور عجیب ملے گا۔ ہمارے بہت سے مشکلات خود ہمیں سے پیدا ہوتے ہیں۔ انسان بے اصل سیالون (ادہام) میں پڑ کے اپنے تئیں خود ہی تکلیف دیتا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگ اس قول میں خفت و انیال کے ہم زبان ہو سکتے ہیں کہ ”میرے دماغ کے ادہام نے مجھے مصیبت میں مبتلا کیا۔“ لیکن اگر ہم چاہیں تو مطمئن رہ سکتے ہیں۔ اور اگر ہم مطمئن نہیں ہیں تو یہ خود ہمارا قصور ہے۔ مذہب اس دنیا میں ہم سے آرام و سلامتی اور اطمینان قلب اور انکار سے نجات دلانے کا وعدہ کرتا ہے۔ جنت آئندہ کے آغوش میں اور تم سے دُور نہیں ہے بلکہ

عہ نامہ کورنٹھ (انجیل)

عہ انجیل متی۔

خود تم میں موجود ہے۔

اگر تم ٹھیکے ماندے اور عاجز و ناتوان ہو تو کیا تمہارے لیے مٹی کی انجیل میں لکھا گیا چیز کو گواہ محنت مزدوری کرتے ہو اور بھاری بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہو تم سب انجیل پاس آؤ میں تمہیں آرام دلون گا۔ دیکھو انجیل مٹی میں حضرت مسیح کا قول ہے "اپنے دلون کو تکلیف نہ دو تم خدا پر یقین رکھو اور زیرِ منہ پر یقین رکھو" یا انکارِ دنیوی کے بارے میں انجیل یوحنا میں نہیں مذکور ہے کہ "ہو اکی چڑیون کو دیکھو۔ وہ نہ بولی ہیں۔ نہ فصل کاٹی ہیں۔ نہ کھلیا نوں میں غلہ جمع کرتی ہیں لیکن اس پر بھی تمہارا آسمانی باپ (خدا) انھیں کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے بددعا زیادہ بہتر نہیں ہو؟ اور تمہیں لباس کی کیڑا فکر ہے۔ میدان کے پنبلی کے پھوون کو خیال کرو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ محنت نہیں کرتے چرخا نہیں کاتتے۔ اور باوجود اس کے میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان کو باوجود اپنے ساری عظمت و جبروت کے کبھی ایسا خوشنما لباس نہ نصیب ہوا ہو گا جیسا کہ یہ پہنہ ہیں۔ تو پھر جب خدا میدان کی گھاس کو جو کہ آج ہے اور کل بھی میں ڈال کے جلا دی جائے گی کپڑے پہناتا ہے اسے ضعف الاعتقاد لوگو کیا وہ تمہیں ان سے بڑھ کر کپڑے نہ پنھائے گا؟"

تو فاکہ انجیل میں ہے۔ "تم ان چیزوں کو جنہیں کھاؤ گے یا پیو گے تلاش نہ کرو۔ کیونکہ ان تمام چیزوں کی تلاش میں دنیا کی سبھی قومیں لگی ہیں۔ اور تمہارا باپ (خدا) جانتا ہے کہ تمہیں ان چیزوں کی احتیاج ہے۔ مگر تم خدا کی بادشاہی کو تلاش کرو اور یہ تمام چیزیں اُس پر اضافہ ہو کر تمہیں مل جائیں گی"

عہ انجیل مٹی

یہی سبق بار بار دیا گیا ہے۔ اور یہی وعدہ مکرر دہرا کر رکھے گئے ہیں حضرت اُود کی پور میں ہے۔ اپنے لیے زمین پر خزانہ جمع کر کے نہ رکھو جان کیڑے کھا جاتے ہیں۔ زنگ لگ جاتا ہے۔ اور جہان چور سیند دے کے آتے اور چیراے جاتے ہیں۔ بلکہ اپنے لیے جنت خزانے جمع کر دو جہان نہ کیڑے کھائیں گے۔ نہ زنگ لگے گا۔ اور نہ جہان چور سیند دے کر آسکے گا۔ نہ چراسکے گا۔ کیونکہ جہان تمہارا خزانہ ہو گا وہیں تمہارا دل بھی لٹا رہے گا۔ اور دوسری جگہ مذکور ہے۔ اگر دولت بڑھے تو اپنا دل اس میں نہ لگائے رکھو۔ افکار و تدبیر کا اصلی باعث افلاس نہیں بلکہ دولت ہے نہ نہ پور میں ہے۔ جن لوگوں کا دل سماں دولت میں لٹکا ہوا ہے ان کے لیے آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا بہت مشکل ہے۔

پہاڑ پر و غط کے ذریعہ سے حضرت مسیح کی زبان سے جن لوگوں کے لیے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ قابل رحم کم زور صلح جو اور پاک باطن لوگ ہیں۔

ہم سے کہا گیا ہے کہ خدا سے نہ ڈرین اس لیے کہ وہ ہمارا باپ ہے۔ اور کامل محبت جو کو دور کر دیتی ہے۔

ہمیں انسان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نہ پور میں ہے۔ ”مجھے خدا پر بھروسہ ہے اور اس سے نہ ڈرون گا کہ انسان میرے ساتھ کیا سلوک کر سکتا ہے۔“

ہمیں کسی چیز سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ درحقیقت ہمیں کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی سنٹیٹ پال کا قول ہے ”اٹا لوگوں کی بھلائی کے لیے جو خدا سے محبت رکھتے ہیں تمام چیزیں مل کے بالاتفاق کوشش کرتی ہیں۔“

ہمیں یقین دلایا گیا ہے کہ زندگی کی تمام تکلیفوں اور دشواریوں میں خدا کی رحمت جو سمجھ سے بالاتر ہے تمہارے دلوں اور خیالوں کو خدا کے علم اور اس کی محبت میں

معروف رکھے گی۔ اور خدا کی برکت تمہارے ساتھ ہوگی۔ اور ہمیشہ برقرار رہیگی۔
 اور یہ وعدہ ہم سب سے کیے گئے ہیں۔ صرف دو تہذیبوں عالمی مرتبہ لوگوں اور ہوشیار
 اور صاحبان علم بزرگوں ہی تک محدود نہیں ہیں۔ بلکہ ہم سب کے لیے ہیں۔ کیونکہ ”خدا
 نے بیان کسی کو فوجیت نہیں دی جاتی“
مفسر کی انجیل میں پچھو پچون کو میرے پاس آنے دو اور انھیں منع نہ کرو
 کیونکہ آسمان کی بادشاہت ایسی ہی ہے۔“

ن اکیلے ہم ہی وہ ہیں جو اپنے آپ کو ان فائدوں سے محروم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ روئے
 کے مراسلہ میں ہے ”میرا یہ خیال ہے کہ موت۔ زندگی۔ فرشتہ۔ ملکاتین۔ طاقتیں۔ اور
 تمام موجودہ چیزیں اور نیز آئندہ چیزیں۔ بلندی۔ اور پستی غرض کسی چیز میں یہ قدرت نہیں
 ہے کہ ہمیں خدا کی اس محبت سے جدا کر سکے جو اپنے آقا حضرت مسیح کے واسطے سے ہم کو حاصل
 اس طرح۔ اور فقط اسی طرح زندگی روشن پُر امن اور مسرور ہو سکتی ہے۔ گناہوں
 بچو اور ان چیزوں کی طرف توجہ کرو جو حق ہیں۔ کیونکہ یہی چیز آخر کار انسان کے لیے
 اطمینان قلب کو لے آئے گی۔“

اسی طرح تم مسرور ہونے کی امید کر سکتے ہو چاہے تمہاری زندگی کسی حالت میں ہو
 کیونکہ وہ تمام مقامات جن پر آسمان کی نظر پڑتی ہے۔ ایک عطلند آدمی کے لیے امن و ایمان
 کی بندگاہیں۔ اور مسرت کے ساحل ہیں۔ ویسے ہی نیک بنو جیسا کہ کننگسلیہ کی شریفانہ اناطابا
 ”جو شخص ہوشیار ہے اسے شریفانہ کام کرنے دو۔ نہ کہ ہر سارے دن اُن کا خواب بکھتا رہے۔ اور
 اس طریقہ سے اُسے اپنی زندگی موت اور اپنے اذلی تھا کو ایک باوقعت اور شیرین نعمت بنادینے دو۔“
 عہ نامہ بنام رومیان کتاب عمدہ جدید۔

خاتمہ الطبع

معزز و محترم اور ذی علم و ذی ہجرت صاحب کے صبر سے زیادہ حضرات ناظرین کو حیرت ہوگی جب بینین گئے کہ یہ قابل قدر اور آب زر سے لکھنے کے قابل کتابچے پندرہ بیس برس پہلے چھپنا شروع ہوئی تھی آج تکمیل کو پہنچی اور اس طرح کہ پہلے چھپے ہوئے اوراق پڑانے اور میلے ہو گئے اور آخری درقون سے کسی طرح میل نہیں کھاتے۔
 و اتمہ یہ ہوا کہ عالمی مرتبہ مترجم صاحب نے چھاپنے کے علاوہ میرے ذمہ یہ خدمت بھی کی تھی کہ ترجمہ کی زبان میں مناسب رد و بدل کروں۔ چنانچہ میں جس قدر اجزا ترجمہ کر کے دستاویز کرتا تھا۔ اپنی پچھتے جاتے تھے۔ کتاب کا زیادہ حصہ طبع ہو چکا تھا کہ میں حیدر آباد گیا اور اس کے چھپنے کا کام ملتوی ہو گیا۔ اور چونکہ میری ذات سے تعلق تھا اس لیے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ باقی ماندہ حصہ کسی اور مطبع میں چھپوایا جائے۔ بار تکمیل کا قصد کیا گیا مگر نوبت نہ آئی۔ آخر خدا خدا کر کے اب یہ کتاب مکمل ہو کے چھاپک میں آتی ہے جو ایک شرعی نعمت عظمیٰ ہے۔ اور ایسی علی کتاب ہے کہ کسی کے گھر کو اس سے خالی نہ رہنا چاہیے۔

اول سے آخر تک بالکل ترجمہ ہے جس کی خوبی پر اب میرا اسد علی خان صاحب بہادر کو جو اس کے مترجم ہیں جس قدر اودھی جاسے کم ہی مانا۔ آخری ابواب میں جو سمیت کی مذہبی رنگ میں دی ہوئی تھے اتنا ضرور اضافہ کر دیا گیا ہے کہ یہ کتاب مسلمانوں کی کام کی بھی ہو جائی۔ اصل کا کوئی ایک فقرہ بھی نہیں گھٹایا گیا۔ مگر قرآن حدیث سے کچھ شواہد بڑھادی گئی ہیں جو اس کتاب کو مسلمانوں کی نظر میں بہت ضروری

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مگر رہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صور ت میں ایک آنہ یومیہ دیوانہ لیا جائے گا۔

